

سید مسکین علی

سخنورانِ دکن

یعنے

عہدِ عثمانی

کے

اردو شعرا کا تذکرہ

مرتبہ

تسکین عابدی

سلسلہ نشراتِ ادبیہ

حیدرآباد دکن

۱۳۵۷ھ

۱۹۳۸

جملہ حقوق محفوظ

طبع اول ——————— (۱۰۰۰) جلد

قیمت ——————— تین ۳ روپیہ ۸

(ملنے کے پتے)

مکتبہ ابراہیمیہ ناشر و کتب فروش

احمد حسین جعفر علی تاجر کتب چار مینار

مکتبہ علمیہ چار مینار

غلام دستگیر تاجر کتب چار مینار

حیدرآباد دکن

مطبوعہ

عہد آفریں برقی پریس حیدرآباد دکن



از

علامہ نیاز فتحپوری ایڈیٹر "نگار"

"سخنوران دکن" اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل انوکھا تذکرہ ہے۔ اس میں تمام اُن شعراء کے حالات اور کلام کے نمونے درج کئے گئے ہیں جو ۱۹۱۱ء سے ۱۹۳۸ء تک سرزمین دکن میں موجود تھے یا ہیں یعنی اسمیں اعلیحضرت حضور بندگانعالی، شاہزادگان بلند اقبال، ملکۂ دکن اور خواتین دکن سے لیکر حیدرآباد کے اُن شعراء تک سب پائے جاتے ہیں جو اس وقت حیدرآباد میں موجود ہیں خواہ وہ دکن کے ہوں یا غیر دکنی۔

سب سے بڑی خوبی اس تذکرہ کی یہ ہے کہ ملکی و غیر ملکی کے سوال سے بلند ہوکر اس کو مرتب کیا گیا ہے یعنی اسوقت جس قدر شعراء حیدرآباد میں مقیم ہیں ان سب کو تسکین صاحب نے "دکن والا" ہی تصور کیا ہے۔ اسلئے وہ عصبیت جو حیدرآبادی اور ہندوستانی

اہل قلم میں پائی جاتی ہے اس میں مطلق نظر نہیں آتی۔

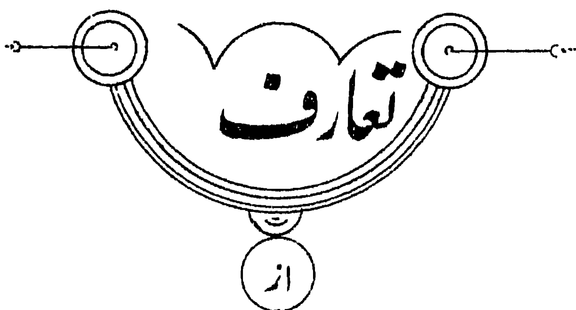
یوں تو یہ تذکرہ ایک ردیف وار انتخاب کی حیثیت رکھتا ہے مگر اس سے حیدرآباد کی شاعرانہ ترقی اور آیندہ رجحانات کا بھی پتہ چلتا ہے حضور بندگان عالی کے عہد مسعود میں اُردو شاعری نے جسقدر ترقی حیدرآباد میں کی ہے اُس کا اندازہ اس تذکرہ سے بخوبی ہو سکتا ہے۔

تسکین صاحب نہ صرف بہترین مصوّر ہیں بلکہ ادبی مذاق بھی نہایت پاکیزہ رکھتے ہیں اور علمی خدمت کا ولولہ بھی۔ اسلئے ان تینوں باتوں نے ملکر اس تذکرہ کو بہت مفید اور دلچسپ بنا دیا ہے۔ اس مجموعہ میں تسکین صاحب کی مصوّرانہ قلمکاری کے نمونے بھی ہیں اور تحقیقی ادب کے بھی۔ ترتیب میں کافی محنت و سنجیدگی سے کام لیا گیا ہے اور مختصر حالات کے ساتھ شعراء کے کلام کا جو انتخاب دیا گیا ہے اس سے تسکین صاحب کے ادبی ذوق کا پتہ چلتا ہے۔

اسمیں شک نہیں کہ تسکین صاحب نے ملک کی ایک اہم خدمت پوری کی ہے جس کی ملک کو قدر کرنا چاہیئے، اس تذکرہ کے مطالعہ سے مجھے سب سے زیادہ مسرت اس احساس سے ہے کہ حیدرآباد کے نوجوانوں کا ادبی ذوق بہت ترقی کر رہا ہے جو یقیناً فیض ہے حضور بندگان عالی کی ادب پروری اور علم نوازی کا فقط

۱۳ ستمبر ۱۹۳۸ء

نیاز فتحپوری



حضرت اختر قریشی ایڈیٹر سفینۂ نسواں

پندرہ، بیس سال پہلے جو کتابیں شائع ہوتی تھیں ان کے ساتھ تقریظیں ہوتی تھیں یا تاریخیں، مگر اب کچھ تو مذاق کے سلجھاؤ کی وجہ سے اور کچھ مغربی اثرات کے سبب ہماری کتابی اشاعتوں کا طرز بالکل بدل گیا ہے۔ اب ہر کتاب پر مقدمہ "قایم" ہونے لگا، انتساب ضروری ہو گیا، پیش لفظ لازمی ٹھیرا اور تعارف تو گویا سب چیزوں سے مقدم سمجھا گیا، اور یہ "بدعت" ہے بھی بڑی لطیف —— کیونکہ کسی کتاب کے مطالعہ سے پہلے اس کے مصنف یا مولف سے واقف ہو جانا کتاب کے مطالعہ کو اور بھی دلچسپ بنا دیتا ہے۔ نیز اس کے نقاط نظر کو سمجھنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے۔

تعارف نگاری کو میں نے "بدعت" اس لئے کہا ہے کہ بعض وقت

"قرعۂ فال" مجھ جیسے "دیوانوں" کے نام پڑجاتا ہے۔ اگر یہ نہ ہوا ہوتا تو میں تعارف کو بدعت کہنے کا ہرگز گنہگار نہ بنتا ——— مقدمہ، تمہید، پیش لفظ، تنقید، یا تبصرہ یہ ساری چیزیں اتنی مشکل نہیں جتنی کہ "تعارف" نگاری ہے۔ اُس میں تصنیف یا تالیف پر نظر ڈالنا پڑتا ہے اور اس میں صاحب تصنیف یا تالیف کو "نظر لگانا" ——— بہرحال چونکہ "سخنورانِ دکن" کے لیے تعارف نگاری کا خوشگوار فرض تسکین نے میرے سپرد کیا ہے اس لئے میں۔ نے اس فرمائش کی تکمیل پر خود کو آمادہ کیا، اور یہ تعمیل اس لئے بھی ہو رہی ہے کہ میں ایک بے تکلف دوست اور قدیم نیاز مند ہونے کی حیثیت سے ان سے بہت زیادہ واقف ہوں۔

تسکین امام زین العابدینؓ کی اولاد سے ہیں آپ کے نام کے ساتھ عابدی کی نسبت اسی وجہ سے ہے۔ تسکین کے اجداد اوائل عہد آصفی میں دکن آئے اور مختلف فوجی اور سیول خدمات سے سرفراز رہے۔ چنانچہ تسکین کے والد مولوی سید برہان الدین صاحب مرحوم نے ابتداً فوج میں ملازمت کی اور پھر صرفخاص مبارک میں منتقل ہوگئے۔ حضور بندگانعالی کی فوجی تعلیم میں مولوی سید برہان الدین صاحب نواب سر افسر الملک بہادر مرحوم کے ہمراہ رہ چکے ہیں مرحوم جملہ فنون سپہ گری کے ماہر تھے اسی لئے انھوں نے تسکین کو بھی ابتداً سپہ گری کی تعلیم دی۔ چنانچہ گھوڑے کی سواری، نشانہ اندازی وغیرہ میں تسکین نے خاصی مہارت حاصل کی ہے۔ خصوصاً شہسواری میں غیر معمولی کمال رکھتے

ہیں۔ تسکین کی ابتدائی تعلیم ان کے والد ہی کی نگرانی میں گھر پہ ہوئی اور پھر مدرسہ دارالعلوم میں شریک ہو کر باضابطہ سلسلہ جاری رکھا، اردو، فارسی کی تکمیل مولینا سید تمکین کاظمی سے کی اور مضمون نگاری و انشاپردازی میں بھی حضرت تمکین ہی سے مشورہ کرتے رہے، اور اب بھی بغیر اپنے اُستاد کی اجازت کے اپنے علم کی دولت سے ایک جملہ بھی کسی اخبار یا رسالہ کو نہیں دیتے۔ یہ تسکین کی سعادتمندی اور ماحول کا اثر ہے۔

چونکہ فن صورت کشی سے تسکین کو فطری ذوق تھا اور آپ کے بڑے بھائی مرحوم (مولوی سید عبدالغفور صاحب) ملک کے ایک اچھے آرٹسٹ تھے۔ (جن سے حضور بندگان عالی نے بعض مشاہیر ایران مثلاً حافظ، سعدی، مولینا روم وغیرہ کی تصاویر بنوائی تھیں) اس لئے ابتداءً اپنے بھائی سے اس فن کو حاصل کرنا شروع کیا اور انھیں کے ساتھ بمبئی اور مدراس جاکر آرٹ کے بعض اہم شعبوں کی تکمیل کی، آرٹ کے ساتھ ہی ساتھ ادبی رجحان بھی بڑھتا گیا اور آپ نے شاعری اور مضمون نگاری شروع کی، چنانچہ ہندوستان کے بیشتر چوٹی کے رسائل میں آپ کے افسانے، ڈرامے اور ادبی، علمی مضامین طبع ہوتے رہتے ہیں۔

زیرِ نظر "اذکارِ لطیف" کی ترتیب جس محنت اور سلیقہ سے انھوں نے کی ہے وہ تو ظاہر ہی ہے۔ اشعار کا انتخاب، حالات کی تحریر آپ کے

ذوقِ شعری اور قدرت انشار کو ظاہر کرتے ہیں ۔ "آپ بیتی" پھر بھی آسان ہوتی ہے لیکن "جگ بیتی" کا اظہار ذرا کٹھن ہوتا ہے۔ اوروں کے حالات کو مختصر اور حسین انداز میں آپ نے بیان کیا ہے وہ واضح بھی ہیں اور دلنشیں بھی ـــــ یہ تو تھا انشار پردازی کا حال، اب فنِ مصوّری پر جو قدرت ان کو حاصل ہے اس کو بھی سُنئے۔ یہ ایک قدرتی عطیہ ہے جو میرے نوجوان دوست کو قدرت نے ودلیعت فرمایا۔ روغنی (آئل پینیٹ) آبی (واٹر کلر) اور پنسل سب پر آپ کو یکساں عبور حاصل ہے چنانچہ اس تذکرہ کے لئے حضور بندگانعالی کا ایک شعر

حُسن کے رُعب سے اے یارِ شبِ خلوت میں
شمع کی لَو ہے وہ لرزاں کہ بُجھائے نہ بنے

کو پنسل سے بنایا ہے۔ جس کا بلاک شائع ہو رہا ہے۔ نیز حضرت بندگان اقدس کی شبیہ مبارک کو جس سے یہ ادبی مرقع منور بنا ہوا ہے آپ نے ایک قدیم ترین بالکل چھوٹے سے عکس کو پیش نظر رکھ کر خود ہی انلارج کیا اور پھر اس کا بلاک بنوا لیا ہے، اس طرح یہ نایاب عکس محفوظ ہو گیا۔ شاہانِ آصفیہ کی روغنی تصویریں (جن میں سے ایک حضرت آصف جاہ اول کی آئل پینیٹ تصویر بلدیہ ہال میں لگی ہوئی ہے جس کی نقاب کشائی حضور بندگان عالی نے کی) شہزادگان والاشان اور دلہن شہزادیوں کے بعض آبی مرقعے نیز نوجوان

"مصورِ شاعر" کی "پروازِ تخیل" کے اکثر نمونے ملک اور ملک سے باہر اچھی نظروں سے دیکھے گئے۔

ایک شاعر لفظوں میں اور ایک مصّور رنگوں کے ذریعہ سحر کرتا ہے —— لیکن جہاں شاعری اور مصوّری دونوں یکجا ہو جائیں تو یہ وہ جادو ہے جو سَر پڑھ کے بولنے لگے، میرے دوست ایک ایسے ہی "ساحر" ہیں —— میرے ایک ادنیٰ شعر کو انھوں نے کچھ اس انداز میں مصّور کیا اور میرے تخیّل کی سطح کو کچھ ایسی رنگینیوں سے اُبھارا ہے کہ خود میں حیران ہوں —— میں نے کہا تھا ؎

لُطف تو جب ہے کہ قلبِ سنگ سے ٹپکے لہو
نالہ و شیون میں بلبل یہ اثر پیدا تو کر

بظاہر یہ شعر کسی طرح تصویری قالب میں نہیں ڈھالا جا سکتا، لیکن اس ساحر کی "سحر کاری" نے اس کو رنگین جامہ پہنا دیا —— خیال کیجئے، ایک ایسی حسین دوشیزہ جس کے "خال" پر "سمرقند و بخارا" ہی نہیں بلکہ دونوں جہان بخش دئے جاتے ہوں محبت کی کشش اس کو اپنے ہجراں نصیب عاشق کے بسترِ مرگ پر لاتی ہے اور وہ "ظالم جو خدا کو بھی نہ سونپا" جا سکے مرنے والے کے سرِ نیاز کو اپنے زانو پر رکھ لیتی ہے اور آنسو بہاتی ہے —— اس تصویر کا تصور کیجئے اور اوپر کے شعر کا مصرعۂ اول مطالعہ فرمایئے اور اس ساحر کی داد

دیجئے۔ شاعر کا تخیل اتنا سجیلا تھا کہ وہ "پتھروں" سے صرف "شرار" پیدا کر سکا مگر مصوّر نے "قلبِ سنگ" سے آنسو گرا کر پانی کے ان قطروں کو لہو کی بوندوں سے بالاتر کر دیا۔ ایک "دل والے" کے نزدیک لہو کی وہ قیمت نہیں جو انِ دُر ہائے سفتہ کی ہوتی ہے۔ اور حقیقت میں عورت کا رونا "قلبِ سنگ" سے لہو کا ٹپکنا دونوں برابر ہے۔ عورت جب ہنستی ہے تو قدرت ساری کائنات پر ایک لطیف سی مستی طاری کر دیتی ہے۔ مگر اس کے رونے سے کائنات کا ہر ذرّہ لرزاں نظر آنے لگتا ہے۔ تسلیمن نے ایک ایسے "سنگین قلب" سے لہو ٹپکا کر اپنی قدرتِ کمال کا نادر مظاہرہ کیا۔ اس تصویر کا بلاک ٹھیک نہ بن سکا ورنہ یہ نمونہ بھی شریکِ اشاعت رہتا'

میرے دوست ایک اور مستقل کام "ادبی مصوّری کے سلسلہ میں پیش کرنا چاہتے ہیں جس کی تیاری ہو رہی ہے۔ خدا اسے جلد مکمل کرنے کی ہمت دے۔ نیز "صد پارۂ دل" کے نام سے اُردو شعراء کے سو بہترین فارسی رباعیوں کا ایک چھوٹا سا مجموعہ میں نے مرتب کیا ہے۔ خیال تھا کہ اس کو شائع کر کے "زاویہ ادبیہ" کے سلسلہ اشاعت میں منسلک کر دوں مگر باہمت مصورانِ رباعیات کو تصویری شکل میں بھی پیش کرنے کا قصد رکھتا ہے۔ خدا کرے یہ کام بھی جلد پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے۔

ہندوستان میں بہترین آرٹسٹ بھی ہیں اور اعلیٰ پایہ کے ادیب بھی

مگر کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا کہ جو بیک وقت لفظوں اور رنگوں یا لکیروں کے ذریعہ اظہارِ خیال کر سکے، یعنی مصوّر بھی ہو اور ادیب بھی۔ ایک اچھا ادیب اچھا مصوّر ہوتا ہے وہ الفاظ میں اپنے تخیّل کے اظہار کی قوت رکھتا ہے اور لفظی تصویر کھینچ سکتا ہے مگر مصوّر ادیب نہیں ہو سکتا، وہ اپنا مافی الضمیر لکیروں اور رنگوں ہی میں ظاہر کر سکتا ہے الفاظ میں نہیں۔ مگر یہاں قدرت نے یہ دونوں چیزیں میرے نوجوان دوست میں ودیعت کی ہیں، اپنے تخیّل کو تسکینؔ نہ صرف رنگوں اور لکیروں میں ظاہر کرنے کی قدرت رکھتے ہیں بلکہ الفاظ میں بھی نظم و نثر دونوں طرح اظہارِ خیال اور نمائش جذبات پر حادی ہیں، یہی چیز ان کو میری اپنی نظر میں ہندوستان کے اور مصوّروں اور انشا پردازوں سے ممتاز کرتی ہے۔

ادب حقیقتاً آرٹ ہی کا ایک اہم شعبہ ہے۔ اچھا ادیب وہی ہو سکتا ہے جو اچھا آرٹسٹ ہو، ادب سے آرٹ جدا ہو ہی نہیں سکتا، اگر آرٹ کو ادب سے نکال لیا جائے تو پھر ادب ہی باقی نہیں رہتا، تسکینؔ نے ایک مکمل آرٹسٹ کی حیثیت سے اس تذکرہ کی ترتیب دی ہے۔ انتخاب میں ان کے اسی ذوق نے کام کیا ہے۔ جا بجا لیتھوگرافی کے بعض اچھے نمونے بھی آپ کو نظر آئیں گے جو موصوف ہی کی قلم کاری کے نتیجے ہیں۔

سرِ ورق پر "سخنوران دکن" آپ کو ایک بالکل نئے انداز میں لکھا ہوا ملیگا، بظاہر جلی قلم سے نستعلیق میں کتاب کا نام لکھ دیا گیا ہے مگر اس کے اندر ایک

عجیب و غریب گلکاری بھی موجود ہے جو اپنی نوعیت کی ایک نئی چیز ہے اس کو خطِ گلزار سے کوئی تعلق نہیں، یہ نوجوان آرٹسٹ کی جدّت آفرینی ہے اور بس۔

تسکین اس کتاب کو "عروس جمیل" کی طرح "لباس حریر" میں پیش کرنا چاہتے تھے مگر حیدرآباد میں طباعتی سہولتوں کے فقدان، کاغذ کی گرانی اور اپنی مصروفیتوں اور پریشانیوں کی وجہ سے افسوس ہے کہ وہ "تسکینِ ذوق" کا سامان فراہم نہ کر سکے۔ پھر بھی جو کچھ ہوا وہ اُن ہی کی تنہا کوشش، اَن تھک محنت اور ذاتی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ تذکرہ کسی "اہلِ ثروت" کا رہینِ منت رہا اور نہ شعراء کے چندے کا شرمندہ۔

ایک خوددار اور غیور نوجوان نے ملک کے لئے جو کچھ ہو سکا اپنے ذوق کی رعایت سے پیش کیا ہے۔ اب اہلِ ملک کا کام ہے کہ اس کی قدر کریں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ تذکرہ اپنی نوعیت کی پہلی چیز ہونے کی وجہ سے مقبولِ عام ہوگا اور جلد اس کے طبع ثانی کا انتظام کرنا پڑے گا فقط

اختر قریشی

بارہ دری پیلس
گوشہ محل
حیدرآباد دکن



از

اُستاذی حضرت مولینا سید تمکین کاظمی

سخنوران دکن کا مقدمہ لکھوانا چاہیئے تھا کسی مشہور اور قدیم "مقدمہ باز" سے اس بدعتِ مقدمہ کے موجد مولینا عبدالحق (بابائے اُردو) ہیں۔ مگر اب ہر بھاری بھرکم شخصیت والا مقدمہ لکھنے لگا ہے اسی لئے اس کتاب کا مقدمہ بھی کسی "نام نہاد" ہی سے لکھوایا جاتا تو بہتر تھا مگر عزیزم تسکین عابدی کو اصرار ہے کہ مجھی کو مقدمہ لکھنا چاہیئے چنانچہ ان کے اصرار سے مجبور ہو کر یہ مقدمہ لکھ رہا ہوں۔

آج کل اُردو ہندی کا جھگڑا ادبیات سے گزر کر سیاسیات کی حدود میں پہنچ گیا ہے اور "ہندو مسلمان" نفرت انگیز پروپگنڈے کو "اُردو ہندی" کی حیثیت سے کیا جا رہا ہے، ایسے پُرشور زمانے میں اُردو ادب پر کچھ لکھنا

ایک حد تک سیاسیات میں اُلجھنا ہے اور سیاسیات سے میں کوسوں دُور ہوں البتہ تاریخی اعتبار سے اتنا ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ اُردو ہندو مسلمانوں کی مشترکہ زبان ہے اُردو کے لئے ہندوؤں نے بھی اسی قدر جد و جہد کی ہے جس قدر کہ مسلمانوں نے جتنا حق "ماں باپ" کا اولاد پر ہوتا ہے اتنا ہی حق "ہندو مسلمانوں" کا اردو پر ہے ———— مسلمان اگر اُردو کو اپنی ملک تصوّر کرتے ہیں تو یہ ان کی غلطی ہے اور ہندو اگر مسلمانوں کے اس ادعا کی وجہ سے اس "پوتر پُتری" کو "ملکش" سمجھتے ہیں تو یہ ان کی غلطی ہے۔ اُردو ہندوستان کی زبان ہے اور ہندو مسلمان دونوں اس کے "ماتا پیتا" ہیں —۔

تاریخ دکن شاہد ہے کہ مسلمانوں کے دوش بدوش ہندوؤں نے اُردو کی تعمیر میں حصہ لیا ہے، پنڈت گانگو، لالہ منسا رام، لالہ لچھمی نراین شفیق (صاحب چمنستان شعراء) مہاراجہ چندولال بہادر، راجہ رائے رایاں، راجہ گردھاری پرشاد، مہاراجہ کشن پرشاد بہادر کی اُردو خدمات اور زر پاشیاں بھلائی نہیں جا سکتیں۔ میں بلا خوف تردید یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آج کل کے ہندوؤں نے اپنے اسلاف کی اُردو خدمات کو بھلا دیا ہے بجائے اپنے بزرگوں کی اُردو خدمات کا اظہار کر کے اُردو پر استحقاق جتانے کے اُردو کو مسلمانوں کی زبان سمجھ کر اس سے بیزاری کا اظہار کیا جا رہا ہے۔

اُردو نہ تو شاہجہاں کے عہد کی پیداوار ہے اور نہ عہدِ اکبری کی، اس دَور سے بہت پہلے دکن میں اُردو کی داغ بیل پڑ چکی تھی اور عہدِ بہمنیہ میں اُردو عالمِ وجود میں آ چکی تھی گو ابھی یہ آفت کا پرکالہ گھٹنیوں چل رہی تھی مگر اس پر بڑے بڑے متقی قدا تھے خواجہ بندہ نوازؒ سے لے کر فیروز شاہ بہمنی تک اس کی زلفِ گرہ گیر کے اسیر تھے سب سے پہلے شاہانِ بہمنیہ نے گانگو پنڈت کے مشورے سے اُردو کو سرکاری زبان قرار دیا اور "ہندوی" یا ہندی مدت تک شاہانِ بہمنیہ کی سرکاری زبان بنی رہی جسے عام لوگ دکنی کہتے تھے۔

حضرت خواجہ دکن بندہ نوازؒ گیسو درازؒ نے گیسوئے اُردو کو سنوارنے میں اتنا ہی حصہ لیا جتنا کہ مذہب کی اشاعت اور اعلائے کلمۂ حق میں لیا تھا حضرت کے کئی ایک رسائل نثر میں اور ایک ضخیم فرس نامہ جو کئی ہزار ابیات پر مشتمل ہے نظم میں موجود ہے۔ شاہانِ بہمنیہ نے اس نوخیز کی انتہائی سرپرستی کی اور اپنا دَور ختم کر کے عادل شاہیہ اور قطب شاہیہ کو سونپا، عادل شاہیوں نے اس نوخیز کی بڑی آؤ بھگت کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ رستمی، نصرتی، امین، سیوا، مومن، ہاشمی، مرزا، جیسے شعرا رشانہ بدست گیسوئے اُردو کو سنوارنے لگے۔ قطب شاہیوں نے ملا غواصی، ملا قطبی، ابن نشاطی، جنیدی، نوری، فائز، شاہی، مرزا، اس آفتِ زمانہ کی حفاظت کے لئے مقرر کرنے کے علاوہ خود بھی اس کی خدمت کی محمد قلی قطب شاہ، عبداللہ قطب شاہ، اور ابوالحسن تانا شاہ

نے وہ والہانہ خدمت کی کہ "بھاگ نگر" میں اسی بھاگونتی کا چرچا گھر گھر ہو گیا۔

مغلیہ دور میں مغلوں نے بھی اس نئی نویلی کی بڑی آؤ بھگت کی اور ہر طرح پروان چڑھایا۔ عاجز، بحری، امین، ولی دکنی، وجدی، آزاد جیسے فدائی اس نوخیز کے پیدا ہو گئے اور انہوں نے وہ وہ آرائشیں اور زیبائشیں کیں کہ اس فتنۂ نوخیز کو آفتِ زمانہ بنا دیا۔

بارہویں صدی ہجری کے وسط میں حضرت آصف جاہ نظام الملکِ اعظم نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے دکن کو مفتخر فرمایا تو آپ کی نگاہ بھی اس آفتِ زمانہ پر پڑی اور اس بس کی گانٹھ نے حضرت کا من موہ لیا پھر کیا تھا اس پر کالۂ آتش کے حسنِ جہاں سوز میں چار چاند ہی لگ گئے ولی اورنگ آبادی، داؤد دکنی، سراج اورنگ آبادی، درگاہ قلی خاں سالارجنگ، نوازش علی خاں شیدا، تجلی علیشاہ، نورالدین رنگین، عاشق علیخاں ایما، صمصام الدولہ صارم، لچھمی نراین شفیق، عنایت اللہ فتوت، غلام علی آزاد غلام علی ارشد، جیسے بلبل اس گل صد برگ پر فدا ہونے لگے اور ان کے زمزموں سے چمنستانِ دکن گونج اٹھا، نواب نظام علی خاں بہادر نے بھی اس کی بڑی قدر دانی فرمائی، قمرالدین منت، احسن اللہ خاں بیان، مرزا علی لطف، حافظ تاج الدین مشتاق، شیر محمد خاں ایمان، محمد صدیق قیس،

سلہ حیدرآباد کا قدیم نام - ۱۲

حسن علی خاں ایما، عباس علی خاں احسان، عبدالوالی عزلت، عارف الدین خاں عاجز نے اس فتنۂ زمانہ کے حسنِ جہاں سوز کو رشکِ تجلیٔ طور بنا دیا یہ تو خیر تھے مگر

ع زنے از پردہ برون آید و کارے بکند

کے مصداق ماہ لقا بائی چندا نے بھی اس پر فدا ہو کر اپنا تن من دھن نثار کر دیا اور اردو میں ایک دیوان مکمل اور مردف کر لیا جو اردو کے لیے پہلی چیز ہے کیونکہ اس سے پہلے کسی عورت نے باضابطہ شاعری کر کے دیوان مکمل نہیں کیا تھا،

نواب سکندر جاہ کے زمانہ میں اس فتنۂ نوخیز کی بڑی آؤ بھگت رہی مہاراجہ چندو لال جیسا "اندر" اس سنگھاسن کی پری پر ریجھ گیا پھر کیا تھا اس کے کارن شیخ حفیظ، اور شاہ نصیر کو دلی سے بلوایا گیا، غالب اور ذوق کو بھی مہاراجہ نے طلب فرمایا مگر ان سے دلی کی گلیاں نہ چھوٹیں۔ مرزا داؤد ہنر، بہاؤ الدین خاں عروج، وغیرہ نے اس پر کالۂ آفت کے چاہنے والوں میں بڑا نام پیدا کیا۔

نواب ناصر الدولہ بہادر اور نواب افضل الدولہ بہادر کے زمانے میں بھی اس نوخیز نے بڑا عروج پایا، حافظ محمود، شاہ معین خاموش، مرزا سالک، روشن خاں روشن، افتخار علی شاہ وطن، مظفر الدین معزّ، حفیظ الدین یاس، بجیو رال تمکین، سیتل پرشاد خرم، شمس الدین فیض، بہاری لال رمز وغیرہ نے اسی کی محبت میں وہ نالہ ہائے موزوں کئے جو آسمان ادب پر شعر بن کر چمکے۔

عین اسی ہنگامہ میں جبکہ احمد علی عصرؔ، حیدر علی حیدرؔ، ذوالفقار علی صفاؔ،
احمد علی شہیدؔ، جیسے آتش نوا ترانۂ الفت سنا رہے تھے اعلیحضرت میر محبوب علیخاں بہادر
نے تخت سلطنت پر قدم رنجہ فرمایا۔ حضرت غفران مکان نہ صرف بلند پایہ شاعر
ہی تھے بلکہ ایک بلند مرتبہ نقاد بھی واقع ہوئے تھے، حضرت
کو اس نوخیز کی چلبلی ادائیں اور دلفریب گھاتیں ایسی
بھائیں کہ اس سے دلچسپی پیدا ہو گئی، استاد داغؔ، امیر مینائیؔ، ظہیر دہلوی،
نظم طباطبائی، سورج بھان سبکتؔ تھانوی، نادر علی برترؔ، وغیرہ حیدرآباد آگئے
مہاراجہ کشن پرشاد بہادر شادؔ، فیاض الدین خاں فیاضؔ، تراب علی زورؔ،
غلام علی جوشؔ، دلاور علی دانشؔ، امیر حمزہ، مخدوم حسینی رفعتؔ،
اقبال یار جنگ بہادر اقبالؔ، لقمان الدولہ بہادر دلؔ، خیرات علی سنجیؔ،
آصف یاور الملک بہادر وزیرؔ، محمد علی کجؔ، صادق جنگ علمؔ، عظیم علی شایقؔ،
ضیغم جنگ سرفرازؔ، وغیرہ نے اس دور میں اپنی شیوا بیانی اور آتش نوائی سے
ایک ہلچل پیدا کر دی اور "نئی نویلی اردو" اسقدر نکھر کر اس نوبت پر آگئی جسے دیکھکر
استاد داغؔ نے بے ساختہ کہہ دیا ع

اُف تری کافر جوانی جوش پر آئی ہوئی

یہ دور اپنی تابناکیوں کا جلوہ دکھا رہا تھا کہ اعلیحضرت بندگانعالی نواب میر عثمان علیخاں بہادر
خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہوئے، پھر کیا تھا یہ نشہ دو آتشہ

ہوگیا، اُستاد جلیل، عبدالحی بارع، ضیا گورگانی، نادر علی برتر، ضامن کنتوری
رضی الدین کیفی، منتخب الدین تجلی، جلال الدین توفیق، محمد علیخاں ناظم،
وارث علی وارث، حسن علیخاں امیر، صولت جنگ بہادر عابد، عزیز یارجنگ بہادر عزیز
نجم الدین ثاقب، احمد حسین امجد، وغیرہ نے اُفق شعر کو چہارم آسمان بنا دیا،

حضور بندگان عالی نہ صرف اعلیٰ پایہ کے شاعر اور عدیم النظیر سخن فہم ہیں
بلکہ فقید المثال نقاد بھی واقع ہوئے ہیں خسرو ملک معانی کی نقطہ رسی ژرف نگاہی
نے اُردو کو اور نکھار دیا اور وہ اُردو جو بقول قایم چاند پوری "اک بات لچر سی بہ
زبان دکھنی تھی" علمی زبان بن گئی اُردو ذریعۂ تعلیم بنائی گئی، اُردو میں علوم وفنون
منتقل کئے جانے لگے اُردو یونیورسٹی قایم ہوگئی اور وہ اُردو جس کی تعلیم صرف
ابتدائی جماعتوں تک دی جاتی تھی اب اپنے پی، ایچ، ڈی، ڈی لٹ،
اور ریسرچ اسکالر پیدا کرنے لگی۔ اُردو نے نہ صرف دکن بلکہ پورے
ہندوستان میں استحکام حاصل کرلیا اور بندگان عالی کی فیاضی اور زرپاشی نے
ہندوستان کے منتخب افراد کو حیدرآباد میں جمع کر دیا۔ اور حیدرآباد حقیقی معنی
میں رشک بغداد بن گیا ؎

قایم دایم رہے الٰہی یہ شہر ‏ رشک فردوس حیدرآباد دکن

توفیق، کیفی، تجلی، ناظم، عابد، امیر وغیرہ نے ایک ایک کرکے آنے والو
کے لئے جگہ خالی کی اور صفی، غیور، سرمد، بانہ وغیرہ وغیرہ نے اس جگہ قبضہ کرلیا

حیدرآباد کی جدید پیداوار جامعہ عثمانیہ کے وہ ہونہار اور بلند پرواز سپوت ہیں جنہوں نے اپنی شیریں نوائی سے اس کا الیقان پیدا کرا دیا کہ مستقبل قریب میں ان میں کا ہر ایک فرد اپنے رنگ کا خاص شاعر اور شیوا بیاں ہوگا' "وجد" "زیبا" "مخدوم" "بدر" "باقی" "رشدی" "میکش" وغیرہ کی بلند پروازیاں دیکھ کر بے ساختہ دعا دینے جی چاہتا ہے کہ یہ "اٹھان" قیامت کی ترقی کرے اور یہ "شباب" عمر جاوداں کی طرح بڑھے۔

ابتداً دکنی شاعری کا انداز جو کچھ رہا اس سے سب واقف ہیں۔ "دندانِ تو جملہ در دہانِ اند" قسم کی شاعری کی جاتی تھی' چنانچہ ایک دکنی بزرگ فرماتے ہیں۔

کیا مجھ سے پوچھتا ہے سیر جن کدھر گیا ۔۔۔ گھر کی طرف گیا ہے تو تحقیق گھر گیا

یا مولینا ہاشمی کا یہ شعر پڑھیئے۔

جہانکو نکو گگن تم دبارہ چھوڑ ہو گا ۔۔۔ بیٹی ہو ہاشمی کی دُنیا میں تنور ہوگا

یا سیدھی سادی باتیں مولینا نوری کی طرح یوں کہی جاتی تھیں'

ہر کس کہ خیانت کند البتہ بترسد ۔۔۔ بیچارۂ نوری نہ کرے ہے نہ ڈرے ہے

چنانچہ سعدی دکھنی نے اسی کو ریختہ بنایا اور "ہم ریختہ ہم گیت ہے" کہہ کر ریختہ میں موتی رولنا شروع کیا" مگر یہ رنگ زیادہ مدت تک نہیں رہا نہایت تیزی کے ساتھ اس میں تبدیلی ہونے لگی اور اشعار میں سوز و گداز

پیدا ہونے لگا۔

کت در رہوں جاؤں کہاں، مجھ دل پہ پہل بچھڑات ہے
اک باٹ کیسے ہوں گے صنم یاں جی ہی بارا باٹ ہے

یا

جگ ہنسائی نہ کر خدا سوں ڈر — بے وفائی نہ کر خدا سوں ڈر

اس رنگ کو خدائے سخن ولی نے نکھارا اور شاعری کو فرش زمیں سے عرش معلی پر پہونچا دیا۔ چونکہ ابتداً دلی کو اُجاڑ کر دولت آباد کو آباد کیا گیا تھا اور امیراں صدہ (بانیان سلطنت بہمنیہ) دلی ہی سے آئے تھے شہنشاہ اورنگ زیب نے دلی والوں ہی کو لاکر اورنگ آباد کو آباد کیا تھا، حضرت آصف جاہ اور ان کے مصاحب و خواص ہمراہی اور خدام دلی ہی کے تھے اس لیے دکن کی زبان طرز معاشرت وغیرہ دلی ہی کی سی رہی مگر جب لکھنؤ بنا اور پھر بگڑا تو شعرائے لکھنؤ نے بھی حیدرآباد ہی میں پناہ لی اور دلی اسکول میں لکھنؤ اسکول سمانے لگا۔ دلی اسکول تو اپنی جگہ آخر تک قائم رہا مگر لکھنؤ اسکول اپنی وضع نباہ نہ سکا چولی، محرم، مسی، دھڑی کے مضامین کم ہونے لگے اور خود لکھنؤ اسکول کے اساتذہ نے دلی والوں کا تتبع شروع کر دیا، ان میں بعض ایسے بھی تھے جنہوں نے کچھ دلی اسکول کا اثر قبول کیا اور کچھ لکھنؤ اسکول کا اور اس طرح ایک جدید رنگ جو دلی سے الگ اور لکھنؤ سے

جدا تھا قائم ہو گیا، اس رنگ میں لکھنؤ والے بھی رنگے گئے اور دلّی والے بھی اور بڑے بڑے اساتذہ نے اس کی چھینٹیں فخر سمجھ کر سر آنکھوں پر لیں، چنانچہ شیخ حفیظ، فیض، علوی، میکش، نظم طباطبائی، برتر غازی پوری وغیرہ کے دواوین اس کے شاہد ہیں، موجودہ اساتذہ میں مہاراجہ بہادر شاد فصاحت جنگ بہادر جلیل، ضامن کنتوری، عزیز یار جنگ بہادر عزیز اور صفی وغیرہ اسی رنگ کے شاعر ہیں، اُستاد جلیل، امیر مینائی کے جانشین اور لکھنؤ اسکول کے اُستاد ہیں مگر آپ کے کلام میں لکھنؤ سے ہٹا ہوا دلّی کی ثقاہت لیا ہوا ایک رنگ ہے۔ اسی طرح مہاراجہ بہادر دکنی بزرگ ہیں اور آپ کو اساتذۂ دلّی سے تلمذ رہا ہے مگر آپ کے کلام میں دلّی کی ثقاہت اور لکھنؤ کے چوچلے کے ساتھ ساتھ ایک اور ندرت بھی نظر آئے گی جس کا احساس صرف ذوقِ سلیم کر سکتا ہے۔ یہی حال عزیز، ضامن اور صفی کا ہے۔

حضور بندگان عالی خسرو ملک معانی شہنشاہ اقلیم نکتہ دانی اُستاد جلیل سے مشورۂ سخن فرماتے ہیں حضور کا کلام فصاحت التیام اس لذت اور بے ساختگی سے مملو ہے جو دکن اسکول کا حصہ ہو چکی ہے بندگانعالی کے اشعارِ دُر بار نہ صرف فصاحت و بلاغت کی جان بلکہ تخیّل و محاکات کے عمدہ ترین اور بے مثال نمونے ہیں کیا بلحاظ زبان و طرز ادا اور کیا بلحاظ محاسن شعری و معنوی کلام السلطان، سلطان الکلام ہی ہوتا ہے۔

تذکرہ نویسی میں دکن ہمیشہ سارے ہندوستان سے آگے رہا ہے لالہ لچھمی نرائن شفیق کا چمنستان الشعراء اور گل رعنا اور فتوحات اور افتخار وغیرہ کے تذکرے دنیائے تذکرہ میں شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں مگر آج تک دکنی اور کسی ایک عہد کے شعراء کا تذکرہ مرتب نہیں کیا گیا مولینا محمد ملکاپوری نے شعراء دکن کا ایک تذکرہ دو حصوں میں شائع کیا تھا مگر اس میں خواجہ حافظ بھی دکنی شاعر بنا دئے گئے تھے کیونکہ ان کو قندھار دکن تشریف لانے کا تھا اس قسم کی بدحواسیاں اور لوگوں نے بھی کی ہیں مگر وہ کوئی حیثیت نہیں رکھتیں، دکن کے شعراء کا اور پھر ایک خاص دور کی عہد کے محدود تذکرہ کسی نے آجتک مرتب نہیں کیا تھا، عزیزم تسکین عابدی نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور عہد عثمانی کے شعراء کا تذکرہ مرتب کردیا اس میں اواخر عہد حضرت غفران مکان کے شعراء سے لے کر عہد حال کے شعراء تک کے حالات اور کلام کے نمونے ہیں، اس تذکرہ میں (چھ سو) شعراء کے حالات ہیں اگر بے احتیاطی سے کام لیا جاتا تو اس تعداد کا چوگنا ہو جانا بہت آسان تھا مگر تسکین عابدی نے احتیاط کی ہے اور ایسے شعراء کو نہیں لیا ہے جو ایک آدھ شعر کے مالک ہیں،

سنہ ۱۹۱۱ء سے سنہ ۱۹۳۸ء تک کے شعراء کے حالات اور کلام کی فراہمی اور پھر ان کی ترتیب ظاہر ہے کہ کس قدر صبر آزما اور حوصلہ فرسا کام تھا مگر

تسکین عابدی نے اس کتاب کو نہایت استقلال اور ہمت سے انجام دیا اور ایک مستقل تذکرہ مرتب کر کے شائع کر دیا ہے۔

تسکین کو نہ صرف شعر و سخن ادب اور افسانہ کا ستھرا مذاق ہے بلکہ وہ بہترین آرٹسٹ اور ایک ماہر فن حسن کار بھی ہیں آرٹ کے تقریباً تمام شعبوں سے انہیں لگاؤ ہے خصوصاً ادب لطیف، شعر اور مصوری سے متعلق ان کی معلومات بڑی اچھی ہیں، حالات کی ترتیب اور اشعار کے انتخاب سے اس کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے کہ یہ کس ذوق کے اور کتنے صحیح المذاق نوجوان ہیں، دوران ترتیب میں جن دقتوں اور رکاوٹوں کا سامنا ہوا اور نام نہاد شعراء نے جس طرح پریشان کرنا چاہا وہ خود انہیں کی زبانی سن لیجیے،

میں خوش ہوں کہ آج ایک اپنی نوعیت کا بالکل نیا تذکرہ آپ حضرات کے آگے پیش کر رہا ہوں، اب آپ کی قدردانی پر اس کے دوسرے اڈیشن کی طباعت کا انحصار ہے اگر آپ نے خاطر خواہ قدردانی کی اور پہلا اڈیشن جلد نکل گیا تو انشاء اللہ دوسرا اڈیشن بھی بہت جلد شائع ہو گا۔

تسکین نے اس تذکرے کی ترتیب میں عصبیت سے بالکل کام نہیں لیا ہے ان تمام شعراء کو انہوں نے دکنی تصور کیا ہے جو دکن میں مقیم ہیں چاہے وہ پہلے دلی میں رہے ہوں یا لکھنؤ میں خدا کا شکر ہے کہ یہ تذکرہ "ملکی غیر ملکی" بحث سے پاک ہے۔ اسی طرح تسکین نے کوشش کی ہے کہ ہندو شعراء کا کلام

بھی شائع کریں مگر بدنصیبی سے بہت کم ہندو حضرات کا کلام فراہم ہو سکا،
بعض ہندو احباب نے وعدے کیئے مگر فراہمی مواد میں افسوس ہے کہ
کوئی مدد نہیں دی۔ حیدرآباد میں اردو کی ترقی ہندوؤں اور مسلمانوں کی متفقہ
کوشش کا نتیجہ ہے، یہ گانگو پنڈت برہمن وزیر سلطنت بہمنیہ تھا جس نے
"ہندوی" کو سرکاری زبان بنایا، مہاراجہ چندولال کی زرپاشیاں اور
ادب نوازیاں کھلی ہوئی ہیں، اس آخر دور میں مہاراجہ چندولال کے حقیقی
جانشین ہز اکسلنسی سر مہاراجہ یمین السلطنۃ بہادر نے جس قدر شعر نوازی اور
ادب پروری کی ہے ایک مستقل مقالہ اس موضوع کے لئے درکار ہے۔
استاد داغ، امیر، ظہیر، جلیل، اختر، ثاقب، برتر، فانی سبھی اس
شیدائے شاعری کے زیر بار منت رہے۔ آج بھی راجہ نرسنگ راج عالی،
ست گرو پرشاد رہبر، رگھوناتھ راؤ درد، راگھویندر راؤ جذب، گورسرن لال آزاد
وغیرہ جیسے اچھے شاعر دکن میں موجود ہیں اور یہ حضرات اردو کو اپنی مادری زبان
کی حیثیت سے استعمال کرتے اور اس کی خدمت کرتے رہتے ہیں،

سید تمکین کاظمی

سلطان پورہ
حیدرآباد دکن

کچھ اپنی طرف سے

حضور بندگان عالی کی تخت نشینی کے بعد حیدرآباد میں جو علمی ترقی، ادبی چہل پہل اور تحقیقی سرگرمیاں پیدا ہونے لگیں وہ اظہر من الشمس ہیں مگر ان زرین کارناموں کی منور ضیا کو محفوظ کرنے کے لئے ایک ایسے ادارے کی ضرورت ہے جو ان ترقیوں کی تاریخ مکمل کر سکے، میں نے عہد زرین کے صرف شعراء کو لیا ہے اور ۱۹۱۱ء سے ۱۹۳۸ء تک کا تذکرہ مرتب کیا ہے جو اس وقت آپ کے پیش نظر ہے ۲۷ سال کے شعراء اور ان کے کلام کے نمونے فراہم کرنا بظاہر تو کچھ مشکل نہیں معلوم ہوتا مگر حقیقت میں بڑی دقت طلب چیز ہے۔ کوئی تذکرہ اس زمانے کا موجود نہیں جس سے مجھے یا کسی دوسرے تذکرے نویس کو مدد مل سکتی اور جو تذکرے ہیں اُن میں صرف چند شعراء کے حالات آ گئے ہیں اور بس ——
رسائل اور گلدستے کلام کی فراہمی میں مدد دیتے ہیں مگر حالات کا پتہ نہیں چلتا، بڑی دقت ابتدائے عہد عثمانی کے شعراء کے حالات کی فراہمی میں ہوئی اور اس سے کٹھن منزل موجودہ شعراء کے حالات اور کلام کا فراہم کرنا تھا، اکثر شعراء کے

پاس جا کر تقاضے کیے اکثروں کو خطوط لکھے مگر سوا چند حضرات کے کسی نے توجہ نہیں کی، بعضوں نے انکساراً اپنے آپ کو اس قابل خیال نہیں کیا کہ تذکرہ میں ان کا ذکر آئے اور بعض محض اپنی "شاعرانہ ذہنیت" کی وجہ سے یہ سمجھے رہے کہ عام تذکرے میں ان کا ذکر ان کے شایانِ شان نہیں، بہر حال اِن دونوں قسم کے شعراء نے بخالت کی اور مجھے بڑی دقّت اُٹھانی پڑی۔

ہمارے پاس ایک گروہ ایسا بھی ہے جو ہر کام کرنے والے کی مخالفت کرتا ہے۔ یہ لوگ سوا باتوں کے کوئی کام نہیں کرتے اور ان کا کام جو وہ کرنا چاہتے ہیں اور جس کی تشہیر ہر شخص کے سامنے کیا کرتے ہیں صرف ان کے اپنے تخیل کی چار دیواری ہی تک محدود رہتا ہے۔ اس پر ذہنیت کا یہ عالم کہ "ہم چوں من دیگرے نیست" اگر کوئی دوسرا کچھ کرنے لگے تو جی بھر کر مخالفت کرتے ہیں، چنانچہ اس "طائفۂ دزدانِ ادب" میں سے بعضوں نے ہمارے خلاف پروپیگنڈا بھی کیا مگر ایک "فرشتی" نے جس طرح کہ معلم الملکوت نے آدم کو باغِ ارم سے نکالنے کا عہد کر لیا تھا اور جسے اس نے پورا کیا اسی طرح مجھے بھی "گنجِ ادب" سے نکال باہر کرنے کا مصمم ارادہ کر کے میرے درپئے ذلّت ہوا اور جب میں نے اپنے اس تذکرہ کا سنگِ بنیاد رکھ کر سخنورانِ عصر سے اس کی تکمیل کی استدعا کی تو "راندۂ عرش فرشی" نے مجھے مدد دینی شروع کی اور قدیم شعراء کا کلام فرضی ناموں سے مرتب کر کے ڈیڑھ دو سو شعراء کا اضافہ میرے

مواد میں کر دیا جس میں سے تقریباً پچاس ایک خود آنجناب کے فرضی ارشد تلامذہ تھے، خدا نے فضل کیا کہ مجھے ان کی پے درپے نوازش پر تنبیہ ہوا اور میں نے پتہ چلا لیا ورنہ وہ حالات اور اشعار تذکرہ میں درج ہو ہی جاتے۔

اس ۲۷ سالہ عہد زرین میں دکن نے ہزارہا شعرا پیدا کیے جن کے حالات اور کلام کے نمونے میں نے فراہم کر لیے ہیں مگر اس تذکرہ میں صرف (چھ سَو) شعرا کو لیا ہے۔ زیادہ کوشش موجودہ شعرا کو پیش کرنے کی کی ہے اور مرحومین میں سے بھی اکثر شعرا کو لے لیا گیا ہے مگر کم، اگر اس عہد مبارک کے تمام شعرا کا انتخاب میں شائع کرنا تو موجودہ ضخامت کی کئی جلدیں درکار ہوتیں، اس امر کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ زیادہ کلام فراہم کر کے اس میں سے انتخاب کیا جائے اور حالات عموماً مختصر لکھے گئے ہیں۔

اس تذکرہ کی طباعت اواخر ۱۹۳۶ء میں شروع کی گئی تھی مگر آخری اجزا ۱۹۳۸ء میں طبع ہوئے ہیں، ظاہر ہے کہ اس عرصے میں دُنیا نے کئی کروٹیں لیں اور سینکڑوں مرے ہزاروں پیدا ہوئے، چنانچہ ابتدائی اجزا کی طباعت کے وقت ہز اکسیلنسی سر مہاراجہ بہادر کرسیٔ صدارت عظمیٰ پر جلوہ فرما تھے مگر مارچ ۱۹۳۷ء میں مستعفی ہو گئے، نواب لطف الدولہ بہادر حیات تھے مگر ان اجزا کی طباعت کے بعد ۳۰ رمارچ ۱۹۳۷ء کو انتقال فرمایا، اسی طرح مودود احمد تشنہ، نادر علی برتر، شرف الدین ساقی، خیر اللہ خیر، اور محمد حسین ادیب،

بھی ان دنوں زندہ تھے جبکہ ان کے حالات طبع ہوئے مگر طباعت کے بعد ۱۹۳۷ء ہی میں ان حضرات نے انتقال کیا۔

افسوس ہے کہ میری خانگی پریشانیوں اور طباعتی دشواریوں کی وجہ سے اس قدر تاخیر اس تذکرہ کی تکمیل میں ہوئی اور ممکن تھا کہ میری پریشانیاں طول کھینچتیں اور تذکرہ یوں ہی پڑا رہ جاتا مگر حضرت مولینا سید خورشید علی مدظلہ ناظم دفتر دیوانی و مال و ملکی سرکار عالی نے بروقت میری دستگیری فرماکر مجھے نہ صرف پریشانیوں سے نجات دلائی بلکہ اس قابل بنا دیا کہ میں اس کام کی تکمیل کرسکوں مولینا موصوف کی نوازشوں کی وجہ سے ایک طرف تو مجھے افکار و آلام سے نجات ملی اور دوسری طرف مولینا نے میری دل افزائی فرماکر اس تذکرہ کی تکمیل میں بہت بڑا حصہ لیا جس کے لئے میں مولینا موصوف کا ممنونِ احسان ہوں ۔

نواب عنایت جنگ بہادر کا بھی ممنون ہوں کہ نواب صاحب موصوف نے نہ صرف مجھے اس تذکرے کے سلسلہ میں مفید مشورے دئیے بلکہ خاصی دلچسپی میرے کام سے لی۔

حضرتِ محترم اُستاذی مولینا سید تمکین کاظمی کے بزرگانہ شفقت اور احسانات کا تشکر یہ ادا کرنا میرے امکان سے باہر ہے۔ یہ مولینا ہی کے فیوض و برکات کا نتیجہ ہے کہ آج میں ایک ایسا اہم کام انجام دے رہا ہوں جس کا مجھے آج سے آٹھ دس سال پہلے گمان تک نہ تھا، میں اس امر کا اظہار کرتے ہوئے بیحد

مسرور ہوں کہ آپ نے میری استدعا پر اپنی اوّلین فرصت میں اس تذکرے کے لئے ایک گراں مایہ مقدمہ لکھ دیا۔

محترمی مولٰینا نیاز فتحپوری کا بے انتہا منت پذیر ہوں کہ باوجود کم فرصتی کے آپ نے سخنوران دکن کے اجزا کو دیکھا اور اپنی انمول طرز میں "پیش لفظ" تحریر فرمانے کی زحمت گوارا فرمائی۔

مولوی میر تراب علی خاں صاحب باز کا بھی رہین منت ہوں کہ آپ نے حالات کی فراہمی میں میری بہت مدد کی اور اس تذکرہ کے سلسلہ میں ہر وقت مسرت کا اظہار کیا۔

مجی اختر قریشی صاحب نے نہ صرف فراہمی مواد اور طباعت میں میرا ہاتھ بٹایا، بلکہ "تعارف" بھی لکھ دیا جس کے لئے میں عزیز اختر کا شکر گزار ہوں،

اس تذکرہ کے کاتب منشی غلام محی الدین خاں اکبر آبادی کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے اس تذکرہ کو بزمانۂ علالت بڑی دل چسپی اور محنت سے لکھا اور مجھے کسی قسم کی شکایت کا موقع نہیں دیا، منشی صاحب ایک کہنہ مشق زود نویس کاتب ہونے کے علاوہ صحیح نویس اور خوشنویس بھی ہیں،

اس تذکرہ کی طباعت ابتداً میں نے کریمی مشین پریس میں شروع کرائی ابتدا کے چند اجزا تو مجھے وقت پر ملے مگر بعد میں "روائتی لیتھوگرافی" نے اس مطبع کو بھی متاثر کر لیا اور مجھے بڑی تکلیف اٹھانی پڑی، آخری اجزا اور پیش لفظ

وغیرہ مطبع عہد آفریں میں طبع ہوئے ہیں جہاں وعدے کی پابندی اور کام کی عمدگی پیشِ نظر رہتی ہے۔

تصاویر کے بلاک ہیں نے فوٹو ہاف ٹون کمپنی لاہور میں بنوائے ہیں البتہ پانچ۵ بلاک مستعار لے کر طبع کئے گئے ہیں اور بس۔

مجھے اپنی کمزوریوں کا احساس ہے۔ ایک فردِ واحد جس قدر کوشش کر سکتا تھا میں نے کی ہے اور ایک کتاب کے لئے جس قدر صعوبتیں برداشت کی جا سکتی تھیں برداشت کی ہیں مگر باوجود اس کے ترتیب اور طباعت میں بعض خامیاں رہ گئی ہیں جس کا مجھے افسوس ہے اگر برادرانِ وطن نے قدر کی اور موجودہ جلدیں جلد ختم ہو گئیں تو انشاء اللہ دوسرا اڈیشن بہت جلد شائع کیا جائے گا جس میں ان فروگزاشتوں کی تلافی کی جائے گی۔

حضور بندگان عالی کی شبیہ مبارک تخت نشینی کے وقت کی ہے جس کا ایک دھندلا سا عکس مجھے بڑی دقت سے ملا اور میں نے پنسل سے انلارج کر کے بلاک بنوایا ہے۔ بندگان عالی کے ایک شعر کو بھی میں نے پنسل میں بنایا ہے جو شریک تذکرہ ہے، بندگانِ عالی کے اشعار دُربار نہ صرف فصاحت و بلاغت کی جان ہوتے ہیں بلکہ محاکات کے عمدہ ترین نمونے بھی انشاء اللہ قریب میں حضور اقدس کے بعض اور اشعار کی تصاویر بھی پیش کی جائیں گی۔

آخر میں ان تمام حضرات کا مکرر شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے قدمے سخنے میری مدد کی اور ان بزرگوں کا بھی رہینِ منت ہوں جو میرے کام سے دلچسپی لیتے رہے۔

۳۰ ستمبر ۱۹۳۸ء
محلہ رسالہ عبداللہ قدیم
حیدرآباد دکن

تسکین عابدی

فہرس

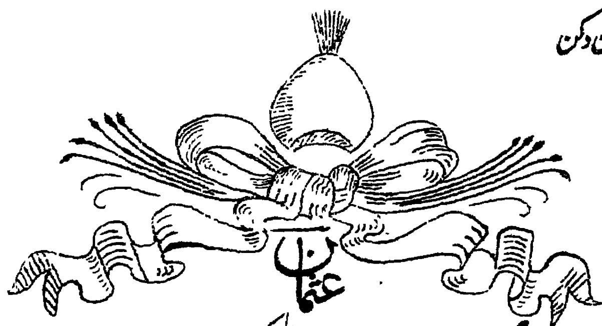
ب

تخلص	نام	صفحہ
ناظم	عبدالمقتدر خاں	۳۵۳
ناظم	ظہیر الحسن	۳۵۴
ناظر	پاپا لال	۳۵۴
نامی	عبدالغفور خاں	۳۵۵
نامی	کرہ سوار	۳۵۵
نثار	سید علی الحسن	۳۵۶
نجم	محمد احمد	۳۵۶
نجم	نجم الدین	۳۵۶
نجیب	نجیب الدین خاں	۳۵۷
نسیم	سلطان محی الدین خاں	۳۵۷
نشتر	عبدالجلیل	۳۵۷
نشتر	محمد شریف	۳۵۸
نظم	نواب حیدر یار جنگ بہادر	۳۵۸
نظم	ٹھاکر پرشاد	۳۵۹
نظمی	نظام الدین علیخاں	۳۵۹
نواز	نوازش حسین	۳۶۰
نور	نور الحق	۳۶۱
نور	محمد شاہ نور خاں	۳۶۱
نور	نور الدین خاں	۳۶۱
نور	عبدالکریم	۳۶۲
نوری	نور اللہ محمد	۳۶۲

تخلص	نام	صفحہ
نہار	سید محمد علی	۳۶۲
نیشاک	شاہن علی	۳۶۳
	و	
واثق	ارشاد حسین	۳۶۴
وارث	عبدالوارث	۳۶۴
واصل	قادر علی خاں	۳۶۵
واصف	محمد علی	۳۶۵
واصفی	عبدالصمد	۳۶۵
واقف	داؤد علیخاں	۳۶۶
وجد	سکندر علی	۳۶۶
وجودی	بادشاہ محی الدین	۳۶۷
وحید	وحید اللہ	۳۶۷
وحید	عبدالوحید	۳۶۸
وحید	وحید الدین خاں	۳۶۸
وفا	رکن الدین احمد	۳۶۹
وفا	غلام محمد	۳۶۹
وفا	حبیب اللہ	۳۷۱
وفا	صدیق الزماں	۳۷۱
وفا	صالح بن عمر	۳۷۲
وفا	عمر خاں	۳۷۲
وفا	ولایت علی	۳۷۳



حضور بندگانعالی



حضرت اقدس و اعلیٰ نواب میر عثمان علیخان بہادر خلد اللہ ملکہ

مدار قدرت، سکندر شوکت، دارا حشمت، فریدوں منزلت، ہز اکزالٹڈ ہائینس

مظفر الملک و ممالک آصف جاہ، نظام الدولہ، نظام الملک، سپہ سالار،

سر میر عثمان علیخان بہادر فتح جنگ، سلطان العلوم آصف سابع، یارِ وفادار،

جی سی ایس، آئی۔ جی سی، ای، شہریارِ دکن و برار ادام اللہ اقبالہ

بندگانِ عالی کی ولادت باسعادت ۲۹۔ جمادی الاول ۱۳۰۳ھ ہجری

(۵۔ اپریل ۱۸۸۶ء) کو ہوئی پانچ سال کی عمر شریف تھی کہ رسمِ تسمیہ خوانی ادا ہوئی

اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوا، بندگانِ عالی نے مولٰنا انوار اللہ خاں المخاطب

بہ نواب فضیلت جنگ بہادر سے عربی اور مذہبی تعلیم پائی، نواب عماد الملک سے اردو

شاد الملک آقا سید علی شوستری سے فارسی کی تحصیل اور مسٹر ایجرٹن سے انگریزی کی

تکمیل فرمائی، کرنل سرافسر الملک بہادر سے فنونِ سپہ گری کی تعلیم حاصل فرمائی، بندگانِ

عالی کی ولیعہدی کا زمانہ علوم متعارفہ کی تحصیل اور امورِ سلطنت کے تجربہ میں بسر ہوا،

سنہ ۱۹۰۶ء میں حضرت غفران مکان کے ہمراہ کلکتہ تشریف لے گئے۔ ۱۹۰۳ء میں شاہ اڈورڈ ہفتم کی تاجپوشی میں شرکت فرمائی۔

۱۳۲۴ھ میں بندگانِ عالی کا عقدِ ہمایون، نواب جہانگیر جنگ بہادر کی صاحبزادی سے ہوا، ۸ر محرم ۱۳۲۵ھ کو والاشان پرنس آف برار نواب اعظم جاہ بہادر ولیعہد اور ۱۵ر ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ کو والاشان شہزادہ معظم جاہ بہادر تولد ہوئے۔

۴ر رمضان ۱۳۲۹ھ (۲۲ر مہر ۱۳۲۰ف) (۲۹ر اگست ۱۹۱۱ء) کو بندگانِ عالی نے ستائیس سال کی عمر میں تختِ سلطنت پر جلوہ فرمایا، ۱۹۱۱ء ہی میں شاہ جارج پنجم کی تاجپوشی میں شرکت فرمائی، ۱۹۱۲ء میں وایسرائے کی دعوت قبول فرما کر شملہ تشریف لے گئے۔ ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم شروع ہوی تو سلطنتِ برطانیہ کو عظیم الشان امداد دی، امداد کے لیئے امپیریل سروس ٹروپس روانہ کی گئی۔ ایک کروڑ چونسٹھ لاکھ روپیہ نقد دیا گیا اور پندرہ لاکھ روپیہ، محکمۂ بحری کے لیئے الگ مرحمت ہوا۔ ان کے علاوہ نو لاکھ روپے کا سامان حرب علحدہ دیا گیا، سرکاری جو افواج جنگ پر بھیجی گئی تھیں ان کے پورے مصارف برداشت کیئے گئے، اور جب حکومت ہند کی مالی حالت خراب ہوگئی تو (۵۰) لاکھ روپے کی چاندی سے مدد کی گئی، ۱۹۱۸ء میں ملک معظم نے "یارِ وفادار سلطنتِ برطانیہ" کا خطاب دیتے ہوئے اپنے ایک دستخطی مکتوب کے ذریعہ سے ان خدمات کا اعتراف کیا۔ جنوری ۱۹۲۲ء میں پرنس آف ویلز حیدرآباد تشریف لائے تو انہوں نے بھی اپنی تقریر میں ان خدمات کا اعتراف فرمایا۔

بندگانِ عالی نے اپنی تخت نشینی کے بعد سے رعایا کی فلاح و بہبود کے لیے پُر
حکمت سعی فرمائی، تعلیم عام کر دی، تعمیرات اور آرائش کے محکمے قائم فرما دئے، مالگزاری میں
رعایا کو سہولتیں بہم پہونچائیں، تقاوی دے کر زراعت پیشہ لوگوں کی امداد فرمائی، زراعت
اور علاجِ حیوانات کے محکموں کی تنظیم بھی انھیں مزارعین کی سہولت کے خیال سے ہوئی۔
بالآخر ذی حجہ ۱۳۳۶ھ میں ایک فرمان کے ذریعہ عثمانیہ یونیورسٹی قائم کر کے حیدرآباد کو
بغداد بنا دیا، ۱۳۳۶ھ میں دار الترجمہ قائم ہوا جس نے علوم و فنون کی سینکڑوں کتابیں
اور کروڑوں علمی اور فنی اصطلاحات کا ترجمہ اردو میں کر دیا۔
نومبر ۱۹۱۹ء میں بندگانِ عالی نے اگزیکیٹو کونسل قائم فرمایا۔ بڑے بڑے تالاب
اور بہترین عمارات بنوائیں، نفیس ترین سڑکیں اور غریب رعایا کے لئے نام پلی، ملک پیٹھ
[illegible] اور علیپور وغیرہ میں مکانات بنوائے اور اناث و ذکور دونوں کی تعلیم کے لئے
روپیہ پانی کی طرح بہا دیا۔
۱۴ مئی ۱۹۳۳ء کو رزیڈنسی مسترد ہو گئی اور اس حصے کی آرائش بھی شروع کی
گئی، سنا جا رہا ہے کہ عنقریب سکندرآباد بھی مسترد ہو جائے گا۔ خدا وہ دن جلد لائے۔
بندگانِ عالی کو اوائل عمر ہی سے لہو و لعب سے تنفر رہا، تخت نشینی کے بعد
سے ملک میں اصلاحیں کیں، اور نہ صرف فرامین ہی جاری کئے بلکہ خود بنفسِ نفیس اپنی
ذاتِ ستودہ صفات کو نمونہ بنا کر پیش کیا اور طبقۂ امراء عہدہ داروں اور رعایا کی اصلاح
کی، بندگانِ عالی نہ صرف ایک مصلح اور مدبّر کی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ ایک مفکر اور ادیب

بھی ہیں امور سیاسی اور مذہبی دونوں میں فکر فرماتے ہیں اور ادب و شعر پر بھی انتہائی عبور رکھتے ہیں۔ نثر کا ایک ایک فقرہ مسجع و مقفیٰ ہوتا ہے تو نظم کا ایک ایک شعر گوہر خوش آب، خوش نصیب ہے دکن کہ اس ملک کو بندگانِ عالی جیسا سلیم الطبع، عالم فاضل، مدبر، متفکر، سیاس، سخنگو، سخنور، سخن فہم، سخن شناس، حلیم، بردبار، فہیم اور عادل سخی اور رعایا پرور بادشاہ نصیب ہوا۔ دعا ہے کہ خداوند عالم بندگانِ عالی کا سایۂ عاطفت ہمارے سر پر ہمیشہ قایم اور برقرار رکھے۔

زندہ کردی چوں مسیحا علم و فن را در دکن
شاد باش اے حضرتِ عثمان علیخاں شاد باش

بندگانِ عالی فارسی، عربی اور اردو تینوں زبانوں میں شاعری فرماتے ہیں۔ فارسی اور اردو میں اس قدر فکرِ سخن فرمائی ہے کہ دونوں زبانوں کے دو دیوان نہایت ضخیم مرتب ہو سکتے ہیں۔

اردو کلام نہایت بلند پایہ اور نفیس ہوتا ہے، زبان نہایت ستھری خیالات بلند تریں اور اچھوتے، روزمرہ بہترین اور صاف، مضامین سادہ اور خوش اسلوب کیا بلحاظِ رفعتِ تخیل اور کیا بلحاظ محاسنِ شعر ہر غزل اپنی آپ جواب ہوتی ہے استادِ جلیل القدر نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل سے مشورہ فرماتے ہیں، اردو فارسی کے علاوہ برج بھاشا پر بھی اعلیٰ عبور ہے، چنانچہ بندگانِ عالی نے اتنی عمدہ اور اعلیٰ ٹھمریاں ارشاد فرمائی ہیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، یوں تو بندگانِ عالی



حُسن کے رُعب سے اے یار شبِ خلوت میں

شمع کی لو ہے وہ لرزاں کہ بجھائے نہ بنے

کا سارا مطبوعہ کلام جو جرائد اور رسائل وغیرہ میں اب تک شائع ہوا ہے ہم تک پہونچا ہے اس قابل ہے کہ سنہری حرفوں میں نقل کیا جائے مگر اس وقت صرف چند اشعار بطور نمونہ تبرکاً نقل کئے جاتے ہیں۔

محبت میں نہ دل باقی نہ یہ تاب و تواں باقی
ابھی جیتے ہیں ہم کیا جانے کیا کیا سختیاں باقی

گل و ریحان و سنبل سب خزاں میں ہوگئے رخصت
مگر بلبل کے لب پر رہ گئی آہ و فغاں باقی

شبِ دوشینہ کی بدمستیاں میں کیا کہوں ساقی
نکل آیا ہے دن اور ہے ابھی خوابِ گراں باقی

زبانِ شمع سے سنتا ہوں قصہ سوزِ الفت کا
شب آخر ہوگئی لیکن ابھی ہے داستاں باقی

خدا ہی کشتیٔ دل کا ہے حافظ بحرِ الفت میں
نہ لنگر جس کا باقی ہے نہ جس کا بادباں باقی

سراغ آخر کو مل ہی جائے گا یارانِ رفتہ کا
غنیمت ہے جو اب تک ہے نشانِ کارواں باقی

؎ سلاطینِ سلف سب ہوگئے نذرِ اجل عثماں
مسلمانوں کا تیری سلطنت سے ہے نشاں باقی

چمنِ دہر عنادل سے کب آباد ہوا
جو نوا سنج ہوا قیدیٔ صیاد ہوا

مثلِ آئینہ ہوئے دیکھ کے صورت تیری
اور کچھ رنگِ رخِ مانی و بہزاد ہوا

اے صبا پوچھ نہ بربادیٔ تربت میری
تودۂ خاک بھی بس حیف کہ برباد ہوا

دیکھ کر قامتِ موزوں کو ترے زیرِ زمیں
اس طرف سرو اُدھر شرم سے شمشاد ہوا

کیا لکھوں حال میں نیرنگِ قفس کا عثماں
ایک پابند ہوا دوسرا آزاد ہوا

دیکھ کر چہرہ ترا ماہِ درخشاں کی قسم
پھنس گئے دام میں ہم زلفِ پریشاں کی قسم

اور ہوں سگے گہر و لعل پہ مرنے والے
ہم مٹے لب پہ ترے لعل بدخشاں کی قسم

مثلِ پروانہ بنے دیکھ کے صورت تیری
جل کے ہم خاک ہوئے شمع شبستاں کی قسم

موسمِ گل کا نیا، تو بھی دکھا دے نقشہ
پی لے اے شیخ تجھے سبزہ و ریحاں کی قسم

پس کے سو بار رہِ عشقِ بتاں میں اکسیر
بن گئی خاک ہماری درِ جاناں کی قسم

دیکھ لے قیس اسے جامہ دری کہتے ہیں
تار باقی نہ رہا جیب و گریباں کی قسم

ہوگئی ختم نبوت جو نبی پر عثماںؔ
ہے یہ ایمان ازل سے مرا قرآں کی قسم

داغِ غم اشک کے چھینٹوں سے مٹائے نہ بنے
چند قطروں سے لگی دل کی بجھائے نہ بنے

رخِ روشن کا نظارہ تو ہے آسان لیکن
شعلۂ حسن سے دامن کو بچائے نہ بنے

موسمِ گل کا یہ ہم سے ہی تقاضا ہے ہم
شیخ کو بھی تو بغیر آج پلائے نہ بنے

غنچۂ دل کو کھلائے گی تو کیا بادِ صبا
تجھ سے جب پردۂ رخسار اٹھائے نہ بنے

حسن کے رعب سے لے یار شبِ خلوت میں
شمع کی لو ہے کہ لرزاں کہ بجھائے نہ بنے

میں ترے عشق میں برباد کچھ ایسا ہوں کہ آج
غمزہ و ناز و ادا سے بھی ستائے نہ بنے

نہیں کچھ کھیل حقیقت کو بدلنا عثماںؔ
یاد رکھ دل ہے ترا اس کو بنائے نہ بنے



والاشان نواب اعظم جاہ بہادر



نواب میر حمایت علی خاں بہادر دام اقبالہٗ — والاشان شہزادہ اعظم جاہ بہادر پرنس آف برار میجر جنرل و کمانڈر انچیف و ولیعہد دولت آصفیہ

والاشان کی ولادت باسعادت ۲۱ محرم ۱۳۲۵ھ کو ہوئی، حضور بندگان عالی نے اپنی نگرانی میں تعلیم و تربیت فرمائی عربی، فارسی اور انگریزی کی بہت باضابطہ تعلیم دی گئی، فنونِ سپہ گری میں بھی خاص مہارت حاصل ہوئی،

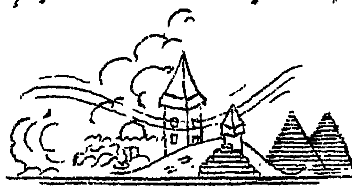
۱۹۳۱ء میں والاشان نے یورپ کا سفر فرمایا اور اسی دوران میں عقد مبارک ۱۲ نومبر ۱۹۳۱ء (یکم رجب ۱۳۵۰ھ) روز پنجشنبہ کو بمقام نیس (جنوبی فرانس) خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالمجید خاں سابق سلطان ترکی کی اکلوتی شہزادی دُرِ شہوار سے ہوا، ۶ اکتوبر ۱۹۳۳ء (۱۵ جمادی الثانی ۱۳۵۲ھ م یکم آذر ۱۳۴۳ف) یوم جمعہ کو نواب میر برکت علیخاں بہادر مکرم جاہ تولد ہوئے۔ ۸ شہر یور ۱۳۴۳ف کو بندگانِ عالی نے حضرت ولیعہد بہادر کو افواج آصفی کے کمانڈر انچیف کے عہدے سے سرفراز فرمایا، دے ۱۳۴۶ف میں ملک معظم نے پرنس آف برار کا لقب عطا فرمایا۔

والاشان کی تعلیم و تربیت نہایت مکمل اور بہت صحیح طریقے پر ہوئی ہے۔

عربی، فارسی، اردو اور انگریزی نہایت اچھی جانتے ہیں۔ امورِ سلطنت سے کما حقہ
باخبر ہیں، فوجی تعلیم بھی بہترین دی ہے اور عموماً کرکٹ اور کھیلوں میں بھی بہت
حصہ لیتے ہیں، رعایا کی فلاح و بہبود اور اہلِ ملک کی ترقی کی فکر سے غافل نہیں رہتے
علمی و ادبی مذاق بھی نہایت پاکیزہ ہے، مطالعہ ہمیشہ رہتا ہے۔ شعر و سخن سے بھی
خاص دلچسپی ہے، اردو میں فکرِ سخن فرماتے ہیں، مگر افسوس ہے کہ ہمیں والا شان کا
زیادہ کلام نہ مل سکا۔ صرف ایک غزل دستیاب ہوئی ہے جو نقل کی جاتی ہے۔

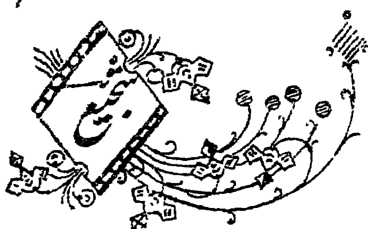
مار ہی ڈالا مجھے ناز و ادا سے پہلے — نہ جان دینا ہی پڑا مجھ کو قضا سے پہلے
آمدِ فصلِ بہاری کی کرامت ہے یہی — گل کھلے جاتے ہیں گلشن میں صبا سے پہلے
نہیں امید کہ ہو دستِ مسیحا سے شفا — کام یاں ہو ہی گیا اپنا دوا سے پہلے
ہو گیا عشق میں اب خونِ جگر بھی اپنا — رنگِ طرفہ ہوا پیدا یہ حنا سے پہلے
لے تقاضے محبت میں تصدق تجھ پر — اثرِ آہ نمایاں ہے دعا سے پہلے
ہائے اس شوخ جفاجو کے ستم کے انداز — اس نے دی مجھ کو سزا بھی تو خطا سے پہلے

زمزم و کوثر و تسنیم سے تو اے اعظم
دھو لے منہ اپنا ذرا حمدِ خدا سے پہلے





والاشان نواب معظم جاہ بہادر



میر شجاعت علیخاں بہادر دام اقبالہٗ — شہزادہٗ والاشان میجر جنرل معظم جاہ
در، صدر نشین آرائش بلدہ۔

والاشان کی ولادت ۱۵۔ ذی قعدہ ۱۳۲۵ھ کو ہوئی حضور بندگانِ عالی نے
ِ نگرانی میں تعلیم و تربیت دلوائی اور عربی و فارسی، انگریزی کی خاصی تعلیم دی گئی۔
۱۹۳۱ء میں نواب والاشان نے شہزادہٗ اعظم جاہ بہادر کے ساتھ یورپ
سفر فرمایا اور اسی مبارک سفر میں والاشان کا عقد ۱۲۔ نومبر ۱۹۳۱ء یکم رجب ۱۳۵۰ھ
ز پنجشنبہ بمقام نحیس خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالمجید خاں سابق سلطان ترکی کی حقیقی بھانجی
ر سلطان مراد خاں دوم کی نواسی شہزادی نیلوفر سے ہوا۔
یکم ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ کو بندگانِ عالی نے صدر نشین مجلس آرائش بلدہ کے
ہدۂ جلیلہ سے ممتاز فرمایا۔
شہزادۂ والاشان، نہایت تعلیم یافتہ اور بہت با مذاق ہیں طبیعت
چھی پائی ہے، مذاقِ شعر نہایت ستھرا اور اعلیٰ ہے فکرِ شعر خوب فرماتے ہیں علمی ادبی
طالعہ جاری رہتا ہے۔ دیوان مرتب ہو چکا ہے جو زیرِ طبع ہے۔ سلام اور غزل

پر زیادہ طبع آزمائی فرماتے ہیں۔

آئے گر اُن کی مہربانی سے — موت اچھی ہے زندگانی سے
ختم یہ ہو تو شورِ حشر اُٹھے — متصل ہے مری کہانی سے
کہہ چکے حالِ دل زباں سے بہت — اب سنا لینگے بے زبانی سے
منزلِ عشق میں نشان تیرا — ہم نے پایا ہے بے نشانی سے
رنگ بخشی بہارِ اہلِ چمن — مانگ لائے تیری جوانی سے
قتل کرتے ہیں وہ کریں کیا غم — پر جلادیں گے مہربانی سے

کیا ہے نسبت کسی خوشی کو شجیع
غمِ الفت کی شادمانی سے

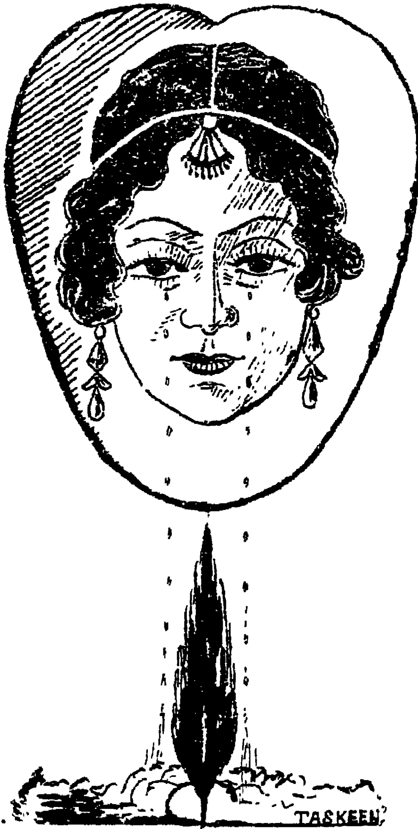
محشر کا تھا سماں تیرے ناز و ادا کے بعد — تلوار چل گئی نگہِ فتنہ زا کے بعد
پیدا پھر ایسے چاہنے والے نہ ہو سکے — نام وفا ہی مٹ گیا اہلِ وفا کے بعد
جب تک نہ ہو فراق مزا کیا وصال کا — مہر و وفا کا لطف ہے جور و جفا کے بعد
ہے بندگی میں اُن کی ہر اک بندۂ خدا — بت بھی خدائی کرنے لگے ہیں خدا کے بعد
کھولے ہیں بند کیا کسی گل پیرہن نے آج — آتے ہیں کیوں نسیم کے جھونکے صبا کے بعد
یہ بھی تھا اُن کے لطف و عنایت کا مقتضا — یہ بھی خطا جو مجھ سے ہوی ہے خطا کے بعد

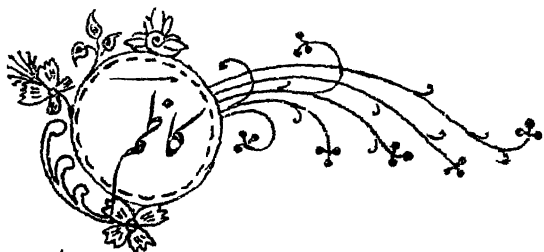
عظمت میں اور شرف میں شجاعت میں فضل میں
حسینؑ ہی شجیع رہے مرتضیٰؑ کے بعد

ہیں یہ الفت کے کرشمے کہ مرے حصّہ میں
زیست ایسی ہے کہ مرتا ہوں قضا سے پہلے

گرچہ بے خود ہوں مگر ہوش ہے اتنا باقی
ہوش اُڑے تھے نگہِ ہوش ربا سے پہلے

مجھ کو وہ چین سے مرنے بھی نہ دیں گے شاید
آگئے ہیں میرے بالیں پہ قضا سے پہلے





نواب میر کاظم علیخان بہادر دام اقبالہٗ — شہزادہ کاظم جاہ آپ کی ولادت ۵ ر شعبان سنہ ۱۳۳۰ھ کو ہوی۔ شاہانہ طور پر نہایت اہتمام کے ساتھ تعلیم و تربیت ہوی عربی، فارسی، انگریزی اچھی طرح جانتے ہیں، شاعری کا شوق ہے، غزل خوب فرماتے ہیں۔

عجب انداز عجب ناز سے آئی ہے بہار — شاخ پر بار بھی ہے پھولوں کا انبار بھی ہے
جام پر جام پلانے کا ہے موقع ساقی — ابر دُربار بھی ہے بادہ گلنار بھی ہے

یاد آگئیں ہماری وفائیں جو بعد قتل — قاتل بھی شرمسار ہے جور و جفا کے بعد
صدمے اٹھائے لاکھ مرے دل نے عشق میں — قایل وہ کب ہوئے مرے صبر و رضا کے بعد

اب علاجِ دلِ بیمار کہاں ممکن ہے — لا دوا ہو گیا درد اپنا دوا سے پہلے
دیکھنا شانِ حقیقت کا اگر ہے منظور — دل کو آئینہ بنا ذکرِ خدا سے پہلے

ہزار نغمے سنائے چمن چمن لیکن — ستم کے شکوے پہ کھلتی نہیں زباں صیاد
ابھی بہار ہے مجھ کو چمن میں رہنے دے — چلا ہے لیکے یہاں سے مجھے کہاں صیاد

تجھ کو خوفِ خدا نہیں آتا — فائدہ کیا ہے جاں ستانی سے
دل ہوا ہے مرا بحمد اللہ — مطمئن دورِ آسمانی سے

یہ دل ہے گوہرِ یکتا کے مانند — یہ سینہ مثلِ آغوشِ صدف ہے
یہ کہتا ہے تجھے سارا زمانہ — شہا تو فخرِ شاہانِ سلف ہے

شاہِ دکن کہ علم کا دریا کہیں جسے — وہ ذات ہے کہ دہر میں یکتا کہیں جسے
کاظم یہ شہ کی شان میں کہتا ہے آسماں — ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

خمسہ بر غزلِ بندگانِ عالی

دین کے ساتھ کسی کو زر و دینار کے ساتھ — ذوقِ میخوار کو ہے خانۂ خمار کے ساتھ
عشق پروانہ کو ہے شمعِ پُر انوار کے ساتھ — اُنس ہے بلبلِ شیدا کو جو گلزار کے ساتھ
وہی نسبت ہے مجھے کوچۂ دلدار کے ساتھ

پھر بہار آ گئی منہ اپنا خزاں نے موڑا — میکدے میں مئی گلگوں کا نہیں اب توڑا

موسمِ گل نے نیا آج شگوفہ چھوڑا   خوب رندوں کو ملا بنتِ عنب کا جوڑا

کہ اڑی جاتی ہے مئے ساغرِ گلنار کے ساتھ





نواب میر حشمت علیخاں بہادر دام اقبالہٗ ـــــ شہزادہ حشمت جاہ، آپکی ولادت ۱۴ صفر ۱۳۲۳ھ کو ہوئی، تعلیم و تربیت بڑی اچھی ہوئی، شاعری کا ذوق ہے فکرِ سخن خوب فرماتے ہیں،

اب عہد کرلیا ہے یہ میں نے سزا کے بعد — منت پذیرِ عذر نہ ہوں گا خطا کے بعد
دربارِ حسن و عشق میں دل پہلے نذر ہے — سیکھا یہ ابتدائے کتاب وفا کے بعد
پژمردہ گل پہ وہ تو ہے ماتم کناں مگر — روئے گا کون بلبلِ خونیں نوا کے بعد
آیا ہوں راہزن کے تہ دامنِ اماں — بے اعتنائی نگہِ رہنما کے بعد

سامنا حسن و ادا میں کوئی کرسکتا نہیں — ہاں ترا مدِ مقابل خود ترا آئینہ ہے

(قطعہ)

معمورِ طرب شاہ کا کاشانہ ہو — ہر روز فزوں شوکتِ شاہانہ ہو
پڑتی ہے میں گرہوں پہ یہاں تک گرہیں — ہر ایک گرہ سبحۂ صددانہ ہو



نواب میر ہاشم علیخاں بہادر دام اقبالہٗ ـــــ شہزادۂ ہاشم جاہ، ولادت ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ کو ہوی، تعلیم و تربیت نہایت عمدہ ہوی ہے، شاعری کا شوق ہے فکرِ سخن خوب فرماتے ہیں :-

حضرت کی ذات پاک ہے ذاتِ خدا کے بعد
پیدا ہوا نہ کوئی نبی مصطفےٰ کے بعد

اگر تیرے در کی ملے خاک خواجہ
تو ہو جاؤں میں خاک سے پاک خواجہ

یہ پائی ہے گنبد نے تیرے بلندی
کہ خم جس کے آگے ہیں افلاک خواجہ

چھوٹ جائے نہ کہیں گیسوئے مشکیں ستی تیرا
باندھ لے دل کو مرے زلفِ دوتا سی پہلے

ہم کو معلوم ہے دنیا کو فنا ہے ناصح
لوٹ لیں کیوں نہ مزے روزِ جزا سی پہلے

چار دن کی ہے حقیقت میں بہارِ ہستی
زندگی پر کسی انسان کو دھوکہ کیوں ہو

شاہِ عثماں کا پسر دل کا غنی ہو ہاشم
دولت و جاہ و حشم کی مجھے پروا کیوں ہو

ترانہ سازِ عشرت کیا ہی ہر انجمن میں ہے — کوئی لذت اگر ہے تو مئے توبہ شکن میں ہے
یہ موسم یہ گھٹا اور یہ ہوائے سرد کیا کہنا — کھلے ہیں پھول ہر سو نغمہ زن بلبل چمن میں ہے
نسیمِ صبح اتراتی ہوئی پھرتی ہے عالم میں — وہ بوئے عطر افشاں آج گل کے پیرہن میں ہے
ہوئے بے پردہ جلوے جم گیا رنگِ نشاط ایسا — نئی تاثیر ساقی جامِ صہبائے کہن میں ہے
گلستانِ مسرت کا نہ عالم پوچھ اے ہاشم — گماں ہوتا ہے جنت کا بہار ایسی چمن میں ہے

کوئی کیا خوش ہو زندگانی سے — سب کو جانا ہے دارِ فانی سے
ہے منور یہ عالمِ امکاں ؎ — روئے انور کی ضوفشانی سے





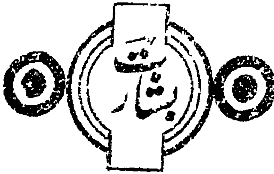
نواب میر تقی علیخاں بہادر دام اقبالہٗ ——— شہزادۂ تقی جاہ، آپ ۲ رجب ۱۳۲۱ھ کو تولد ہوئے، تعلیم و تربیت اعلیٰ ہوی ہے فکر شعر بھی فرماتے ہیں، غزل اور سلام خاص طور پر خوب فرماتے ہیں،

دل کی وہی تڑپ رہی زیرِ مزار بھی — کچھ مل سکا سکون نہ ہم کو فنا کے بعد
سرخی ہو گیا حنا کی حسینوں کے ہاتھ میں — رنگِ وفا ہی اڑ گیا اہلِ وفا کے بعد

شربتِ دید کا طالب ہوں قضا سے پہلے — کاش بھر جائیں مری آنکھوں کے کاسے پہلے
کوئی تدبیر ہو اے پیرِ مغاں ایسی بھی — کہ ملے جامِ بقا جامِ فنا سے پہلے

قطعہ

نام کیا کیا گل و شمشاد و سمن کے نکلے — ناز پروردہ سب آغوشِ چمن کے نکلے
اور بھی رنگ تقی جشنِ گرہ میں دیکھا — جھومتے مست بو صہبائے کہن کے نکلے



نواب میر بشارت علی خاں بہادر ——— شہزادہ بشارت جاہ،

آپ کی ولادت ۱۰ رجب ۱۳۱۳ھ کو ہوئی، تعلیم و تربیت نہایت اعلیٰ پیمانہ پر ہوئی، غزل گوئی کا شوق ہے، فکر سخن خوب فرماتے ہیں۔

شرم کیوں آتی ہے میخانہ میں واعظ تجھ کو — سب ہیں مدہوش یہاں کیا کوئی ہشیار بھی ہے
اے صبا کچھ تو دکھا شان مسیحائی کی — کہ ہوا خواہ ترا نرگس بیمار بھی ہے

بے پر و بال ہو کے ہم آزاد — ہو گئے بند پر فشانی سے
دے اثر اے جلوۂ شاہد مے کو — تجلۂ جام ارغوانی سے

رکھ دیا بارِ محبت تیرے شیدائی پر — جو کبھی اٹھ نہ سکا ارض و سما سے پہلے
دردِ دل کم جو ہوا درد بڑھا اور جگر — حال بیمار کا اچھا تھا قضا سے پہلے

بانیِ دین نے کیا کفر بشارؔ باطل — منہدم کر کے بت خانہ کیا خوب کیا



نواب سعادت علیخاں بہادر دام اقبالہٗ ــــــ شہزادۂ سعادت جاہ

ولادت ۷ ، صفر ۱۳۳۶ھ کو ہوئی، تعلیم و تربیت اعلیٰ ہوئی ہے، مذاقِ شعر نہایت اچھا ہے، فکرِ سخن خوب فرماتے ہیں ۔

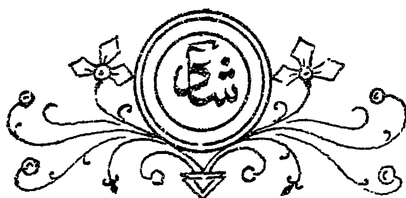
ہر شئے کی فکر ہوتی ہے اُس کی فنا کے بعد ۔۔۔ یاد آئے گی وفا انہیں اہلِ وفا کے بعد
کیوں مغتنم نہ ہم اسے سمجھیں کہ کوئی اور ۔۔۔ غمخوار ہوگا کیا دلِ دردآشنا کے بعد
اچھا ہوا کہ اُن کی اداؤں پہ مر مٹے ۔۔۔ باقی نہیں ہے موت کوئی اس قضا کے بعد

چارہ گر آج تری شرم خدا نے رکھ لی ۔۔۔ درد جاتا رہا تجویز دوا سے پہلے
لب تک آیا نہ تھا نالہ کہ ہوئے اشک رواں ۔۔۔ کارواں چلنے لگا بانگِ درا سے پہلے

جلوۂ عشرت نسزا دکھلائیے ۔۔۔ اب نہ شوقِ دید میں تڑپائیے
صاف کہدیجئے نہیں مطلوب دل ۔۔۔ یوں نہ پائے ناز سے ٹھکرائیے
دل سی شئے اور اس طرح پامال ہو ۔۔۔ قدردانی دیکھ لی بس جائیے



مہاراجہ یمین السلطنت سرکشن پرشاد بہادر



راجہ کشن پرشاد مدظلہ العالی —— راجہ راجایان ہز اکسلنسی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنت کے ، سی ، آئی ، ای ، جی ، سی ، آئی ، ای پیشکار و صدر اعظم باب حکومت ۔

آپ راجہ راجایان ہری کشن بہادر کے صاحبزادے اور راجہ نرائن پرشاد نرندر بہادر کے نواسے ، راجہ چندو لال دیوان دکن کے خاندان سے اور راجہ ٹوڈرمل کی یادگار ہیں ، ۱۸ - جمادی الآخر ۱۲۷۹ھ کو آپ کی ولادت حیدرآباد ہی میں ہوئی ، راجہ نرندر بہادر نے آپ کا نام کشن پرشاد رکھا اور اپنی آغوش عاطفت میں پرورش کی ، عربی ، فارسی ، ہندی ، سنسکرت اور انگریزی کی تعلیم باضابطہ ہوئی مرہٹی اور تلنگی بھی آپ نے سیکھ لی ، ان زبانوں کو آپ بے تکلف بولتے ہیں ، فارسی اردو اور سنسکرت پر آپ کو ادیبانہ عبور ہے ، اور ان زبانوں میں شعر بھی کہتے ہیں ،

۱۳۱۹ھ میں حضرت غفران مکان نے آپ کو راجہ بہادر خطاب سے معزز فرمایا ، ۱۳۰۶ھ میں آپ اپنے نانا راجہ نرندر بہادر سرگیاشتی کے جانشین اور ۱۳۱۰ھ میں پیشکاری سے سرفراز ہوئے اور راجہ راجایان مہاراجہ بہادر خطاب بھی سرفراز ہوا ،

اسی کے ساتھ وزارتِ افواج بھی عطا ہوئی۔ ۱۳۱۵ھ میں مجلسِ امرا کے رکن مقرر ہوئے
سنہ ۱۳۱۹ھ میں منصرم مدارالمہام اور ۱۳۲۰ھ میں مستقل ہوئے۔ ۱۳۲۱ھ میں گورنمنٹ آف
انڈیا نے آپ کو نائٹ ہڈ اور کے۔ سی۔ آئی۔ ای۔ اور ۱۳۲۸ھ میں جی۔ سی۔ آئی۔
ای کا اعزاز اور تمغہ عطا کیا۔ ۱۳۲۰ھ میں آپ کو یمین السلطنت کے خطاب سے
معزز کیا گیا۔ گیارہ سال تک آپ نے قلمدانِ وزارت سنبھال کر ۱۳۳۰ھ میں
استعفا دیا۔ ۱۳۳۵ف میں آپ صدرِ اعظم بابِ حکومت ہوئے اور تادمِ تحریر اسی
عہدۂ جلیلہ پر نازہیں۔

آپ نہایت زندہ دل، سادہ مزاج، منکسر الطبع، حد درجہ پابند وضع، ہمدرد،
ملنسار، اور امیرانہ وضعداری کے پابند ہیں۔ ملک و مالک کے حد درجہ وفادار،
غربا اور امرا کے شفیق اور غمگسار، ماتحتین پر لطف و کرم کرنے میں یکتا ہیں۔
ادبیات سے بہت لگاؤ ہے، کم و بیش پچاس کتابیں آپ کے قلم سے نکل چکی
ہیں۔ جو طبع ہو کر نہایت مقبول ہوئیں، افسانہ، ناول، تصوف، عروض، تاریخ،
تاریخ، سفرنامہ، ادب وغیرہ پر آپ کے بلند پایہ معلومات کا حال ان تصانیف کے
مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کلام کے کئی ایک مجموعے، رباعیات کے مجموعے،
کئی ایک مثنویاں بھی طبع ہو چکی ہیں۔ فنونِ لطیفہ سے نہایت اچھا ذوق ہے، مصوری
اور خطاطی میں بھی یدِ طولیٰ حاصل ہے۔ مشرقی اور آئل رنگ [illegible] ہندوستانی ڈھنگ میں
آپ بڑی اچھی تصویریں بناتے ہیں۔ آپ کے قطعات خوش نویسی کے بہترین نمونے

ہوتے ہیں۔

باوجود انتہائی مصروفیت کے اردو اخبارات اور رسائل اور جدید مطبوعات اردو کا مطالعہ جاری رہتا ہے، علما، فضلا اور شعرا سے صحبتیں گرم رہتی ہیں، انشا پردازوں، شاعروں اور اہل علم کی امداد و اعانت ہمیشہ فرماتے ہیں، مدت سے اپنی ڈیوڑھی پر ماہوار مشاعرہ فرماتے ہیں حیدرآباد کے ہر ایک علمی ادبی کام میں نہایت فراخدلی سے حصہ لیتے ہیں۔ ابتداً حضرت غفران مکان، اور استاد داغؔ سے مشورہ کیا کرتے تھے، یوں تو تمام اصناف سخن پر کامل عبور رہے مگر غزل، قطعہ اور مثنوی بڑی اچھی کہتے ہیں، طبیعت بڑی اچھی پائی ہے نزاکت و بلندی تخئیل ہر شعر سے نمایاں رہتی ہے۔ نہایت جلد اور سیر غزل کہتے ہیں اور اپنے خاص رنگ کے مالک ہیں۔

فنا کہتے ہیں جسکو؟ موت سے پہلے ہی مرجانا
بقا ہے نام کس کا؟ اپنی ہستی سے گزر جانا

جو رو کا راہ میں حرُ نے تو شہ عباسؑ سے بولے
مرے بھائی نہ غصے میں کہیں حد سے گزر جانا

کہا اہل حرم نے رو کے یوں اکبرؑ کے لاشے پر
جواں ہونے کا شاید تم نے رکھا نام مرجانا

بقا میں تھا فنا کا مرتبہ حاصل شہیدوں کو
وہاں اس پر عمل تھا موت سے پہلے ہی مرجانا

نہ لیتے کام گر سبط نبیؐ صبر و تحمل سے
لعینوں کا نگاہ خشم سے آسان تھا مرجانا

دکھائی جنگ میں صورت اُدھر جا پہنچے کوثر پہ
یہ اصغرؑ ہی کی تھی رفتار ادھر آنا ادھر جانا

یہاں کا زندہ رہنا موت سے بدتر سمجھتا ہوں
حیات جاوداں ہے کربلا میں جا کے مرجانا

خیال اتنا ہے اے شاد برپا جب قیامت ہو
غمِ سبطِ نبی میں پیشِ داور نوحہ گر جانا

اب وہ تیغ و دل میں وہ قوت نہیں وہ دل نہیں
شاد اب اشعار میرے درخورِ محفل نہیں

تو میرے اشکِ ندامت کی حقیقت کچھ نہ پوچھ
اس کا ہر قطرہ وہ دریا ہے جہاں ساحل نہیں

گھر خدا کا تھا مگر بت اس میں آکر بس گئے
اب مرقع ہے حسینوں کا ہمارا دل نہیں

نکتہ چیں ہو میری رندانہ روش پر کیوں کوئی
میں کوئی زاہد نہیں، واعظ نہیں عاقل نہیں

پردہ داری کرتی ہے در پردہ لیلیٰ عشق کی
جذبۂ دل قیس کا ہے پردۂ محمل نہیں

انقلابِ دہر سے الٹا زمانے کا ورق
اہلِ محفل وہ نہیں وہ رونقِ محفل نہیں

ہند میں چلنے لگی ہے اب ہوائے انقلاب
شاد سچ ہے یہ جگہ رہنے کے اب قابل نہیں

ساغرِ مے پیش کر کے شیخ سے کہتا ہوں میں
ہدیۂ احقر ہے یہ گو آپ کے قابل نہیں

حق میں اب عاشق کے دیکھیں فیصلہ ہوتا ہے کیا
عشق کا دعویٰ حضورِ حسن تو باطل نہیں

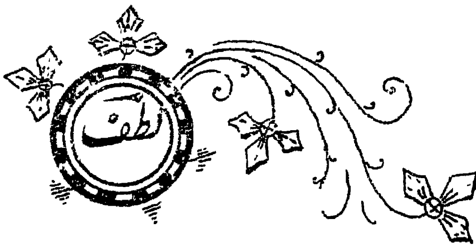
مضمر ہے بقا ہستیِ عالم کی فنا میں
اک جادۂ وحدت بھی ہے کثرت کی فضا میں

آوازۂ الست آپ کی میں سن تو چکا تھا
اپنے کو پھنسایا ہے بلا کہہ کے بلا میں

نیرنگیِ اندازِ نظر دیکھ رہا ہوں
ڈوبی ہوئی ہے شوخ نظر شرم و حیا میں



نواب لطف الدولہ بہادر مرحوم



نواب لطف الدولہ بہادر مدظلہ العالی ــــــ نواب شمس الملک ظفر جنگ بہادر کے فرزند اور نواب سر خورشید جاہ بہادر کے پوتے ہیں، ۱۰ ر رمضان سنہ ۱۳۰۰ھ ۱۸۸۲ء کو حیدرآباد میں پیدا ہوئے، محمد لطف الدین خاں نام رکھا گیا، مکان پر تعلیم و تربیت ہوتی رہی، بچپن سے شعر و سخن کا شوق تھا اور اسی زمانے میں شعر کہنا شروع کیا،

اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد ۱۱- ذی حجہ سنہ ۱۳۲۴ھ کو پائیگاہ سر خورشید جاہ کے والی مقرر ہوئے ۱۰ ر ربیع الاول سنہ ۱۳۲۵ھ سے آپ نے اپنے چھوٹے بھائی نواب محمد اکرم الدین خاں بہادر کو ساتھ لے کر اپنی پائیگاہ کا کام انجام دینا شروع کیا۔ ۱۷- رجب سنہ ۱۳۳۹ھ کو لطافت جنگ اور ۲۹- جمادی الآخر سنہ ۱۳۴۱ھ کو لطف الدولہ خطاب سے سرفراز ہوئے، ۲۹ ر شوال سنہ ۱۳۲۹ھ کو معین المہام افواج مقرر ہوئے اور غرۂ رجب سنہ ۱۳۴۳ھ کو صدرالمہام تعمیرات ہوئے۔ سنہ ۱۳۳۷ف میں صدرالمہام عدالت و امورات مذہبی مقرر ہوئے۔ اور اب تک صدرالمہامی سے سرفراز ہیں، آپ نہایت علم دوست قابل اور ذی حس امیر ہیں، شعر نہایت اچھے

کہتے ہیں۔

اذیتیں دل کو سب سے پہونچیں جنوں سے کیا اک جہاں سے ہمکو
شکایت اپنے نصیب کی ہے گلہ نہیں آسماں سے ہم کو

نہ قول و عہد و قسم سے مطلب غرض نہیں ہے نہ ہاں سے ہم کو
کلام سننا ہے آج کوئی زبان معجز بیاں سے ہم کو

سنائیں کیا حال دل انہیں ہم چھپائیں کیا حالِ دل کو ان سے
سکوت سے فائدہ نہ کوئی نہ کچھ ہے حاصل بیاں سے ہم کو

یہ صاف معلوم ہو رہا ہے عدو سے ملنا غلط نہیں ہے
تمہارے اندازِ گفتگو سے تمہاری طرزِ بیان سے ہم کو

بھلے سہی غیر ہم نے مانا بھلا کہو تم بلا سے ان کو
بُرے سہی ہم مگر نہ بولو بُرا تم اپنی زباں سے ہم کو

وہ جانے والے ہیں غیر کے گھر مدد کرا ے شورِ نالۂ دل
جگانا ہے فتنۂ قیامت کو آج خوابِ گراں سے ہم کو

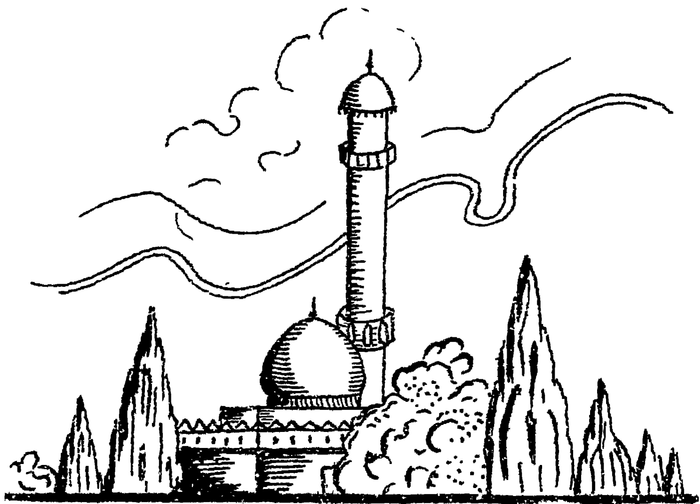
وفا شعاری و جاں نثاری یہی ہے طرزِ روش ہماری
تمہاری چالیں عدو کی گھاتیں بھلا یہ آئیں کہاں سے ہم کو

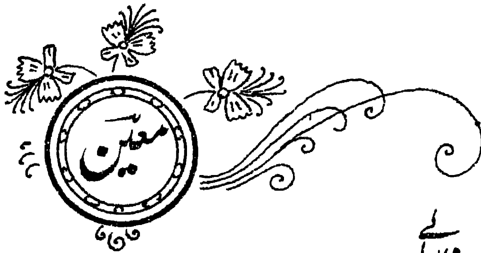
ازل سے ہے سجدہ گاہ ہماری یہیں گزاریں گے عمر ساری
مٹا و خط جبین کو پہلے اوٹھاؤ پھر آستاں سے ہم کو

انھیں کا ہے نام حضرتِ لطف یہی تو مشہور پارسا ہیں
دکھائی دیتے ہیں میکدہ میں جنھوں کے وہ درمیاں سے آ کبھو

ہے نورِ الٰہی کی جلوہ گہ تم ہے کونین منور ہے یا مدنی تم سے
ہے باغِ دو عالم کی تم سے چمن آرائی پھبتی ہے گلوں کو بھی گل پیرہنی تم سے

الٰہی وسعتِ رحمت کو دیکھ کر تیری گناہ اتنے کئے ہیں کہ کچھ حساب نہیں
ہمیں سے شرم ہمیں سے حجاب ہے سارا حیا نہیں تمھیں غیروں سے کچھ حجاب نہیں
یہ کوئی رنگ ہے بیٹھے ہو منہ بنائے ہوئے یہ کوئی بزم ہے ساغر نہیں شراب نہیں





نواب معین الدولہ بہادر مدظلہ العالی

نواب سر آسمان جاہ بہادر کے فرزند ہیں ، ۷ ذیقعدہ ۱۳۰۱ھ کو حیدرآباد میں تولد ہوئے اور خانگی طور پر تعلیم ہوتی رہی ، ۱۳۱۷ھ میں آپ کے والد نے خلعت یتیمی دیا تو حضور غفران مکان نے اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا ۱۳۲۲ھ میں آپ کی والدہ شہزادی پرورش النساء بیگم صاحبہ نے انتقال کیا تو حضور نے پائیگاہ سر آسمان جاہ کا والی آپ کو مقرر فرمایا ۱۳۲۳ھ میں آپ نے محکمۂ مال کے کام کا تجربہ حاصل فرمایا ، ۱۳۳۰ھ میں اعانت جنگ اور ۱۳۴۱ھ میں معین الدولہ خطاب سے سرفراز ہوا ۔ ۲۵ صفر ۱۳۴۲ھ کو آپ صدرالمہام صنعت و حرفت مقرر ہوئے ، غرۂ رجب ۱۳۴۳ھ کو صدرالمہام افواج مقرر ہوئے مگر بعد میں آپ سبکدوش ہوگئے ،

آپ کو بچپن ہی سے شاعری اور شکار کا شوق ہے دونوں میں آپ نے خصوصیت حاصل کی ہے نہایت اچھے شاعر ہیں اور بڑے شہسوار اور قادر انداز ، ۱۳۳۱ھ میں آپ بغرض شکار کشمیر تشریف لے گئے جہاں بڑے معرکہ کے شکار کئے ہیں جو مدت تک حیدرآباد کے بچے بچے کی زبان پر تھے



آپ حد درجہ سادہ مزاج، ہمدرد، شفیق اور نیک طینت امیر ہیں۔

بوالہوس عشق میں اے شعبدہ گر کچے ہیں — گو ترے چاہنے والے ہیں مگر کچے ہیں
آتش سوزِ نہاں اور بھڑک تھوڑی دیر — سیخ مژگاں پہ ابھی لخت جگر کچے ہیں
یہ چھیڑ اچھی نہیں اس ناوک بیداد کے ساتھ — تیرے انگور ابھی زخم جگر کچے ہیں
غیر کے فقروں میں آجائیں تو کچھ دور نہیں — لاکھ پختہ ہیں وہ کانوں کے مگر کچے ہیں
چھٹ گئے کنج قفس سے بھی تو کیا اے صیاد — تاب پرواز کہاں ہے ابھی پر کچے ہیں
بڑھ کے شیشہ سے بھی عشاق کے دل ہیں نازک — اے بتو رہتے ہو تم جن میں وہ گھر کچے ہیں

اے معینؔ اہل حسد میں نہیں دور اندیشی
پختہ کاری کا تو دعویٰ ہے مگر کچے ہیں

رلا رہا ہے زمانہ ہنسا ہنسا کے مجھے — بگاڑتا ہے مقدر بنا بنا کے مجھے
تم اپنی طرز میں یکتا میں اپنے رنگ میں فرد — جفا کے ڈھنگ تمھیں یاد ہیں وفا کے مجھے
گلہ کروں کسی ناآشنا کا کس منہ سے — کہ یاد ہیں ستم و جور آشنا کے مجھے
بتوں کا عشق ہے دل میں مگر یہ خوف بھی ہے — کہ انفعال نہ ہو روبرو خدا کے مجھے

عدو کا ہوں میں عدو اور دوست کا ہوں دوست
معینؔ دیکھ لیا سب نے آزما کے مجھے

غیروں کی دوستی پہ عبث اعتبار ہے — یہ رنگ کیا سمجھتے ہو تم پائیدار ہے
وہ ہے عدو کی بزم ہے اور سو طرح کے رنگ — میں ہوں سکوت شب ہے غم انتظار ہے

چاہا جو اُس نے مجھ کو عدو کٹ کے مر گئے
تلوار ہے کوئی کہ ستمگر کا پیار ہے

ہے داغ عشق ہی سے مرے دل کی حسرتیں
یہ ایک پھول لالۂ چمن کی بہار ہے

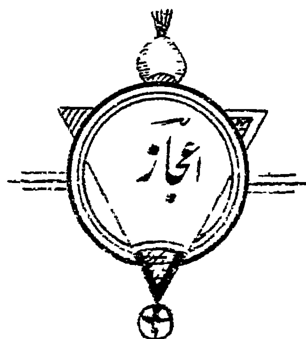
میرا کوئی رفیق نہیں شام ہجر میں
دل ہے تو وہ بھی اس کے لئے بیقرار ہے

دل جس کا خوش ہوا اسکو ہے ہر حال میں خوشی
باد خزاں بھی رشکِ نسیم بہار ہے

کیا غم ہے اے معین مجھے میزان حشر کا
پلّے پہ میرے رحمت پروردگار ہے







حضرت ملکۂ دکن دلہن پاشاہ مدظلہا — آپ نواب جہانگیر جنگ بہادر ابن نواب حیدر الدولہ حیدر جنگ بہادر بن حیدر الملک رفیع الدولہ بہادر کی صاحبزادی ہیں، آپ کی دادی راحت النساء بیگم صاحبہ قبلہ نواب روشن الدولہ بہادر خلفِ غفران منزل نواب ناصر الدولہ بہادر کی صاحبزادی تھیں، آپ کے والد اعزاز مرشد زادگی، جاگیر، منصب اور خطاب سے سرفراز تھے، آپ کی تعلیم و تربیت والد بزرگوار ہی کی نگرانی میں ہوئی، اور آپ کا عقدِ مبارک حضور بندگانِ عالی اعلیحضرت نواب میر عثمان علیخاں بہادر خلد اللہ ملکہ سے ۱۹ صفر سنہ ۱۳۲۴ھ (۱۳۱۵ف) کو (جبکہ بندگان عالی ولیعہد تھے) حضرت نواب میر محبوب علیخاں بہادر نے فرمایا، والا شان پرنس آف برار نواب میر حمایت علیخاں بہادر اعظم جاہ ولیعہد و سپہ سالار عساکرِ آصفی آپ ہی کے بطنِ مبارک سے ۸ محرم سنہ ۱۳۲۵ھ کو اور والا شان شہزادہ معظم جاہ بہادر ۲۵ ذیقعدہ سنہ ۱۳۲۵ھ کو تولد ہوئے، آپ نے ۱۳۵۴ھ میں فریضۂ حج و زیارت بھی ادا فرمایا ہے، شعر و سخن سے

آپ کو نماص، بچپن ہی سے گانے کا شوق ہے اور فکرِ شعر بھی فرماتی ہیں۔

ان کو عہد وفا کی لاج نہیں — دردِ دل کا کوئی علاج نہیں
حالِ عاشق کبھی سنا تو کرو — کیا حسینوں میں یہ رواج نہیں
دو ہی دن میں بدل گیا نقشہ — کل جو تھا لطف مجھ پہ آج نہیں
بوئے گیسو صبا جو لائی ہے — دل کو تسکین ہے اختلاج نہیں
سچ ہے سب خسروِ دکن کے سوا — کوئی شایانِ تخت و تاج نہیں
سارا عالم ہے بندۂ اخلاق — کوئی سلطان سا خوش مزاج نہیں
درد دینے لگا مزا دل کو — اب دوا کی کچھ احتیاج نہیں

کیا نبھے عشق ان سے اے اعجاز
سنگ و شیشہ میں امتزاج نہیں

میرا مولا درِ اقدس پہ مجھے لایا ہے — آج کیا اخترِ طالع نے شرف پایا ہے
پڑھ کے جب میرِ علیؑ سے نظر آیا گنبد — مرحبا صلِّ علیٰ لب پہ مرے آیا ہے
ہے وہ در آپ کا دربان ہیں جسکے جبرئیلؑ — اور اسی باب سے خالق کا سلام آیا ہے
روضۂ پاک پہ دیکھی وہ تجلی جس سے — طور پر حضرت موسیٰ نے بھی غش کھایا ہے
کیا بشر کی ہے حقیقت جو کوئی وصف کرے — شان میں آپ کے لولاک لما آیا ہے
عرضِ مقصد جو کیا بیٹھ کے جالی کے قریب — کس زباں سے کہوں دل میں جو جواب آیا ہے

اے مسیح دو جہاں لطف ہوا اعجاز پہ بھی
سب مریضوں نے یہاں جامِ شفا پایا ہے

ادا

ف بیگم ——— حیدرآباد کی رہنے والی ہیں اکثر نسوانی رسائل میں آپ کا کلام طبع ہوتا ہے بڑے اچھے شعر کہتی ہیں۔

گرا کر دل پہ اک بجلی سی وہ چلتے ہوئے آخر
تڑپتے رہ گئے ہم رہ گذر پر نیم جاں ہو کر

ادا اب خیر ہو دل کی ہمارے بزم جاناں میں
نگاہیں بانکی دلبر کی گئیں برق تپاں ہو کر

کامیاب ایک مدعا نہ ہوا
نخل امید کا ہرا نہ ہوا

آپ وعدہ تو ہم سے کر لیتے
اس سے کیا وہ وفا ہوا نہ ہوا

ادا

اسحق احمد کی اہلیہ اور بڑی اچھی شاعرہ ہیں، عموماً مشاعروں کی طرحوں میں غزلیں کہتی ہیں،

فخر جہاں ہمارا شہ ذی وقار ہے
یکتائے روزگار یہی شہریار ہے

گلشن مہک رہا ہے دکن میں بہار ہے
بلبل چہک رہا ہے کھلا لالہ زار ہے

ہر نخل باغ جھوم رہا ہے خوشی سے آج
نکہت گلوں کی آج گلوں پر نثار ہے

عثمان علی کے سایہ میں پھولے پھلے دکن
تجھ سے دعا یہی مرے پروردگار ہے

ادا

ابوالحامد نظامی کی اہلیہ حیدرآباد کی رہنے والی اور بڑی اچھی شاعرہ ہیں۔

اب کیوں نہ رہے اوج ثریا پہ مقدر
قسمت سے ملا ہے شہ دیندار دکن کو

ہر سمت سے آتی ہے ہوا عطر میں ڈوبی ۔ پھولوں نے کیا غیرتِ گلزار دکن کو
ہر سبزہ ہوا غیرتِ بوٹا ہے یہاں کا ۔ بوٹوں نے بنایا ہے چمن زار دکن کو
ہر جا یہ طرف دیکھ کے جاں بخش فضائیں ۔ فردوس نشاں کہتے ہیں اغیار دکن کو
اے ابرِ سخا جود و کرم عام ہے تیرا ۔ بخشش نے تری کر دیا گلزار دکن کو
روشن ہیں ترے چہرے سے جلواتِ سیاست ۔ جلووں نے کیا جنگلے پر انوار دکن کو

ادیب

حمایت النساء بیگم —— ہمیشہ بیمار رہتی اور شعر بھی خوب کہتی تھیں معلوم نہیں اب کہاں ہیں حیدرآباد ہی کی رہنے والی تھیں۔

قوم ہر مشکل تری ہو کر رہے آساں رہے ۔ تیرا ہر ہر فرد ہمدردی کا جب خواہاں رہے
اب بھی ہمت گر رہے تو ہو کشایش پھر نصیب ۔ پھر نگاہوں میں ہی اگلی سی تیری شاں رہے
چھوڑ دے اب تو نفاق اور کر لے باہم اتفاق ۔ تیری کلفت دور ہو پھر عیش کا ساماں رہے
کام لو اتحاد سے ہمت کرو ہمت کرو ۔ قوم کے کام آؤ لوگو تن میں جب تک جاں رہے

اسیر

رحمت بیگم —— حیدرآباد کی رہنے والی ہیں رسالہ شہاب میں آپ کا کلام اکثر طبع ہوتا ہے شعر خوب کہتی ہیں۔

دیکھنا پیدا ہوا اس سے کسی کو اشتباہ ۔ روئے زیبا پہ نگاہِ شوق جم جاتا نہیں
ناصحا اس لطف سے بالکل ہے تو نا آشنا ۔ خوب ہم سمجھے ہوئے ہیں ہم کو سمجھاتا نہیں

اشتیاق دید میں ہر دم گزرتا ہے اسیر   تم نے کب ملنے کا وعدہ کبھی فرمایا نہیں

انسیم

ام النجیر عزیز فاطمہ ——— حیدرآباد کی رہنے والی ہیں محبوبیہ گرلز اسکول میں تعلیم پائی ہے شعر بھی خوب کہتی ہیں۔

اے میرے وطن کے بھائی بہنو!   آؤ میری ایک بات سن لو!
ہے علم کا اب جہاں میں چرچا   بجتا ہے ہر اک جگہ یہ ڈنکا
ہمت سے کرو جو کام اپنا   روشن ہو جہاں میں نام اپنا
ہے تم میں ضرور ہوش مندی   پیدا ہو خیال میں بلندی
ہمت سے بنے ہیں سینکڑوں کام   ہمت والوں کا ہے بڑا نام
کہنے کا مرے برا نہ مانو   مجھکو اپنی رفیق جانو

انجم

نواب حیدر یار جنگ طباطبائی مرحوم کی دختر ہیں شعر بھی خوب کہتی ہیں۔

سختی کے بعد آتی ہے سرحد مراد کی   یہ شاہراہ ملتی ہے دشتِ بلا کے بعد
انجم یہ ہے یہ آصف سابع بعز و جاہ   فتح و ظفر جلو میں ہو فضلِ خدا کے بعد

ایجاد

کمال النساء ——— نواب خسرو جنگ بہادر (فرزند کرنل افسر الملک مرحوم) کی اہلیہ سکندر جہاں بیگم کی والدہ ہیں، سکندر بیگم نے ۱۳۴۰ھ میں بائیس سال

کی عمر میں انتقال کیا، تو آپ کو اپنی جواں مرگ بیٹی کا بے انتہا غم ہوا چنانچہ اسی سلسلہ میں آپ نے ایک مثنوی "غمگسار بیوہ" کے نام سے شائع [illegible] حیدرآباد کے شریف اور معزز گھرانے سے ہیں، سکندر بیگم مرحومہ کی قبر [illegible] رہتی ہیں ساری دنیا کو چھوڑ کر بیٹی کی گور پر بیٹھی رہتی ہیں۔

حمد باری میں سر جھکا کے قلم ۔۔۔ شاخِ طوبیٰ کا بن گیا ہمدم
بارور کیوں نہ ہو وہ ذی پایہ ۔۔۔ حمد حق ہے اسی کا سرمایہ
نَے میں گویا زباں اسکی ہے ۔۔۔ ہر رگِ گل میں جان اسکی ہے
یہی خامے سے آرہی ہے صدا ۔۔۔ حیّ و قیوم تیری ذات سدا
دو جہان تیرے اختیار میں ہے ۔۔۔ عقل انسان کی کس شمار میں ہے
یاں نہیں عجز کے سوا چارہ ۔۔۔ حمد لکھنے کا ہے کسے یارا

سرورِ کائنات فخرِ رسل ۔۔۔ باغِ عالم کے سرسبد ہیں گل
بے حساب ان پہ ہو درود و سلام ۔۔۔ کہ وہ ہادی ہیں اور خیر انام

اے سکندر جہاں کہاں ہو تم ۔۔۔ دخترِ مہرباں کہاں ہو تم
کس نے تمکو جدا کیا ہم سے ۔۔۔ نہ رہا لطفِ زندگی غم سے
میری نورِ نظر کہاں ہو تم ۔۔۔ رنج فرقت سے مرے ہوش ہیں گم
عدم آباد کو کیا آباد ۔۔۔ مجھ ضعیفہ کو کر دیا برباد

باطن

حسینی بیگم ـــــ حیدرآباد کی رہنے والی ہیں اور شعر بھی خوب کہتی ہیں، قرأت بھی بڑی اچھی جانتی ہیں، ایک کتاب "حمایت الاسلام" کے نام سے شائع کر چکی ہیں جس میں فرائض اور اخلاق پر چند سبق ہیں نظم اور نثر دونوں لکھتی ہیں۔

شاہِ دکن کی ہم پہ عنایت عظیم ہے ۔۔۔ اہلِ دکن کے ساتھ محبت عظیم ہے
خاک کا پتلا ہے باطن آدمی ۔۔۔ دل کو وے کے آزمایا کون تھا

باقرہ

عصمت النساء بیگم ـــــ حیدرآباد کی رہنے والی اور صاحبزادی سعادت النساء بیگم (بنتی سرو قار الامراء بہادر) کی اتالیقہ تھیں، شعر بھی بڑے اچھے کہتی تھیں، چند سال سے معلوم نہیں کہاں ہیں۔

عیب سے خالی نہیں کوئی بشر ۔۔۔ دوسرے کے عیب پر مت کر نظر
مان لو میرا کہا اے صاحبو ۔۔۔ یاد رکھو یہ نصیحت دوستو!
تم کرو ضائع نہ ان اوقات کو ۔۔۔ کام میں لاؤ انھیں دن رات کو
آج کا جو کام ہے ہو جائے آج ۔۔۔ کامیابی کا رہے تا سر پہ تاج

بدر

بدر النساء بیگم ـــــ کیپٹن سید محمد صاحب مرحوم کی صاحبزادی اور آغا شیخ نادر علی صاحب اول تعلقدار ضلع کریم نگر کی اہلیہ ہیں، تعلیم یافتہ خاتون

اور شعر بھی بڑے اچھے کہتی ہیں،

گلدستۂ ریاضِ رسولِ خدا علیؑ — مشکل کشا علی و شہ لافتیٰ علیؓ
نفسِ نبیؐ و قاسمِ فردوس ظلِ رب — کشتیٔ دینِ حق کے ہو تم ناخدا علیؓ
سب دُور ہو بلا اللہ ہے کچھ بھی خوف و بیم — جب ڈر کے وقت مُنہ سے نکلتا یا علیؓ
سردارِ انبیا رو وصیِ رسولِ حق — سالارِ اولیا و شہِ دوسرا علیؓ

برق

بشیر النساء بیگم ——— نواب محمد عمر خاں وقار مرحوم کی صاحبزادی اور نواب سر افسر الملک کی نواسی تھیں، شعر بڑے اچھے کہتی تھیں عین جوانی میں فوت ہوئیں۔

ہم ترے بندے ہمارا تو خداوند کریم — دستِ قدرت میں ترے دونوں جہاں کی تنظیم
بن ترے حکم کے پتا نہیں ہلتا ہرگز — اذن سے تیرے ہی چلتی ہے زمانے میں نسیم
تجھ سے پوشیدہ نہیں راز کسی کا کوئی — کہ تری ذات ہے اسرارِ نہانی کی علیم
تیرے کوچے کی گدائی کی تمنا ہے مجھے — میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ ملے باغِ نعیم
کردئے برقِ تجلی نے مگر حوصلے پست — تم کو واللہ بڑی دُور کی سوجھی تھی کلیم

بشیر

بشیر النساء بیگم ——— مرزا ضامن علی غازی کی رفیقۂ حیات ہیں حیدرآباد ہی کی رہنے والی اور بڑی اچھی شاعرہ ہیں، جامعہ عثمانیہ سے بی، اے کرچکی ہیں۔

ضبط کلفت ہو کہاں تک جان مشکل میں ہے
اب تو ناممکن ہے میرا راز دل دلمیں رہے

جان جاتی ہے چلی جائے بلا سے مجھ کو کیا
آبرو میری جو چشم ناز قاتل میں رہے

الٹ جاتی ہے قسمت بھی زمانہ جب پلٹتا ہے
جواب دشمن ہے اپنا وہ کبھی تھا ہر باب اپنا

بشیر امید کیا رکھیں چمن میں ہمصفیروں سے
لگائی آگ انھوں نے جب جلایا آشیاں اپنا

تمر

اقبال بیگم ــــــ گرامی کی بیوی ہیں شعر بھی اچھے کہتی ہیں سرکار کی طرف سے کچھ وظیفہ مقرر ہے۔ گرامی کے انتقال تک حیدرآباد میں تھیں اب غالباً لاہور میں ہیں۔

گرفتاری کا سودا عاشق دلگیر رکھتے ہیں
کہ گردن میں کمند اور پاؤں میں زنجیر رکھتے ہیں

ہے کیا حاجت بھلا کوشش علم کی ہم فقیروں کو
کہ ہم آہ سحر اور نالہ شبگیر رکھتے ہیں

تراب

تراب النساء بیگم ــــــ حیدرآباد کی رہنے والی ہیں شعر بھی خوب کہتی ہیں۔

چشم بد دور آج مرکز بن گیا
حیدرآباد دکن تعلیم کا

جانتے ہیں سب حقیقت علم کی
علم کیا شے ہے کہوں کیا میں بھلا

آدمی بنتا ہے اس سے باتمیز
اور آتا ہے سلیقہ کام کا

چاہیئے تعلیم نسواں میں ضرور
ہم کریں عربی کا جاری سلسلہ

پڑھتی ہیں انگریزی اردو فارسی
لڑکیاں اپنی بصد صدق و صفا

کیسی غفلت کیسی نادانی ہے یہ　　مطلقاً جانیں نہ وہ عربی ہے کیا

تقیہ

تقیہ بیگم ـــــ حیدرآباد کی رہنے والی اور مدرسہ انجمن خواتین دکن کی اُستانی نہایت شریف، پاکباز اور تعلیم یافتہ خاتون تھیں انجمن کے مدرسہ میں مفت تعلیم دیتی تھیں انہیں کی کوشش اور محنت سے مدرسہ نے اس قدر ترقی کی تھی کہ اسکی تعلیمی حالت کی عمدگی کی وجہ سے سررشتۂ تعلیمات نے ماہوار چالیس روپیہ کی امداد منظور کی تھی، اسی مدرسہ کی خدمت کرتے کرتے ۱۹۲۵ء میں مریں، شعر بھی خوب کہتی تھیں، انجمن کے سالانہ جلسہ میں ایک نظم پڑھی تھیں جس کے چند شعر نقل کئے جاتے ہیں۔

پھولا پھلا رہے یہ باغ دکن ہمارا　　یہ ہے چمن ہمارا یہ ہے وطن ہمارا
دل تیر جہل سے تھے مدت سے اپنے مجروح　　اب بھر چلا ہے کچھ کچھ زخم کہن ہمارا
ہم نفس بد کو ماریں اس سے مراد یہ ہے　　اے بی بیو اسی سے ہے نام زن ہمارا
خذ ما صفا کے معنی دع ما کدر کا مطلب　　یہ چال ہو ہماری یہ ہو چلن ہمارا

ثریا

ثریا بیگم ـــــ حیدرآباد کی رہنے والی اور آج کل ورنگل میں مقیم ہیں، شعر خوب کہتی ہیں۔

وفور جوش عقیدت سے شاخ شاخ ہے خم　　کہ باغباں نے نیا خلعت کتاں بدلا

حیاتِ نو متبسم ہے پھول پھول پہ آج — کلی کلی کا جنم گیا ہی دلستاں بدلا
شجر شجر پہ بہارِ زمردیں چھائی — روش روش پہ نیا فرش کہکشاں بدلا

جہاں

جہاں بانو نقوی — مسٹر ابو رضا بیرسٹر مرحوم کی دختر نواب دولت یار جنگ فدائی کی نواسی اور نورالحسن نقوی بی، اے کی شریکِ حیات ہیں، جامعہ عثمانیہ سے بی، اے کامیاب کیا ہے، فوقانیہ گرلس اسکول کی صدر معلمہ ہیں آج کل اعلیٰ تعلیم کے لئے یورپ گئی ہوئی ہیں نظم و نثر خوب لکھتی ہیں، افسانوں کا ایک مجموعہ "رفتارِ خیال" کے نام سے طبع ہو چکا ہے۔ شعر بھی خوب کہتی ہیں،

صبا کی چال پہ نکہت کی بادہ پیمائی — عجب نہیں جو روش شیخ ناگہاں بدلا
چٹک چٹک کے بنے رشکِ کہکشاں غنچے — چمک چمک کے ستاروں نے آسماں بدلا
جبیں سائی کا سودا اُدھر ہی لے کے گیا — جہاں جہاں وہ صنم سنگِ آستاں بدلا
نگاہِ ناز اُدھر سے ادھر کو پھرتا تھا — کہ مثلِ قبلہ نما طالعِ جہاں بدلا
صبحِ ہستی آشنائے شامِ ہستی ہو چلی — مہرِ تاباں کی درخشانی میں سستی ہو چلی
شاہدِ انجم چھپ گیا تاروں کی بستی ہو چلی — اور مسلط چار سو یک گونہ مستی ہو چلی
شام کے آغوش میں مہرِ تاباں روپوش ہے — شب کی تاریکی میں دنیا عمل روپوش ہے

جیلانی

نواب سردار نواز جنگ بہادر سابق ناظم ٹپہ سرکارِ عالی کی صاحبزادی اور نواب ظہیر یار جنگ بہادر اول تعلقدار گلبرگہ شریف کی اہلیہ ہیں، شعر و سخن سے بڑی دلچسپی ہے، بڑے اچھے شعر کہتی ہیں رسالہ النساء میں ایک معمہ شائع ہوا تھا جسے آپ نے حل کر کے بھیجا تھا اُسی کو نقل کیا جاتا ہے،

آپ کا اُردو رسالہ النساء ۔۔۔ مجھ سے تعریف اسکی ہو کیونکر ادا
صفحہ انتیس کا مضمون بھی ۔۔۔ غور سے میں نے اسے دیکھا پڑھا
کیا عبارت اور کیا اچھا سوال ۔۔۔ آپ ہی کی عقل تھی دل آپ کا
عرض جو کچھ ہے اسے کیجے قبول ۔۔۔ گر قبول افتد زہے عزّ و علا
بات تو یہ ہے ذرا سی فکر میں ۔۔۔ بھید جو کچھ تھا وہ سارا کھل گیا
خط سے جیلانی کا دل کہتا ہے یہ ۔۔۔ واہ کیا اچھا معمّہ حل ہوا

جیلانی

جیلانی

جیلانی بیگم ——— حیدر آباد کی رہنے والی خواجہ حسن نظامی سے بیعت ہیں شعر بھی خوب کہتی ہیں۔

اے شاہِ کربلا تو ہمارا سلام لے ۔۔۔ اے آلِ مصطفیٰ تو ہمارا سلام لے
دی جان اپنے نانا کی امت کیواسطے ۔۔۔ فرزند مرتضیٰ تو ہمارا سلام لے

شمر سے شہ نے کہا کیسی ستمگاری ہے ۔۔۔ سر کے لینے کی میرے ہوتی یہ تیاری ہے
ہائے افسوس چمن لوٹ لیا زہرہ کا ۔۔۔ ہوئی کو تن میں کسطرح تری خواری ہے

حافظہ

افسر النساء بیگم —— حیدرآباد کی رہنے والی ہیں شعر بھی اچھے کہتی ہیں

بیٹھے بیٹھے آگیا اک دن خیال — بہنے آنسو ہوا بیحد ملال
یاد تڑپانے لگی ماں باپ کی — زندگی میں قدر جنکی کی نہ تھی
چل بسے دنیا سے آیا ہوش تب — رنج کرنا اس گھڑی تھا بے سبب
جاکے گورستان میں پڑھ لیجئے — حالِ اُن سے بتا کہہ سن لیجئے
الغرض شہرِ خموشاں کو رواں — ہو گئی بیدل نہ تھا کچھ ناتواں
جب پڑی مرقد پہ پیاروں کے نظر — خاک میں سوتے پڑے تھے بیخبر
ایک برچھی آن کر دل پر لگی — تھام ہاتوں سے کلیجہ میں جھکی

حجاب

امۃ الزہرا —— نواب شہید یار جنگ بہادر کی شریک حیات ہیں شعر بھی خوب کہتی ہیں۔

ستارہ اوج پہ ہے دورِ آسماں بدلا — گرہ کے جشن نے پھر رنگِ بوستاں بدلا
مجھے بھی دھن تھی کہ کچھ مدح نقشِ پا لکھوں — جو یوں ضمیر پکارا کہ دھر گماں بدلا
یونہیں ہو جشنِ مسرت سدا بجاہ و حشم — ہو جوش گل میں یونہی رنگِ بوستاں بدلا
حضور عالیہ شہزادگانِ والا تبار — شباب سی رہے ہر بخت نوجواں بدلا

حیا

صغرا بیگم ـــــ ڈاکٹر صفدر حسین مرزا مرحوم کی صاحبزادی اور ہمایوں مرزا بیرسٹر ایٹ لا کی اہلیہ اور بڑی قابل خاتون ہیں، سارے ہندوستان اور یورپ کا سفر کر چکی ہیں، کئی ایک تصانیف شائع ہو چکی ہیں مدت تک رسالہ النساء بھی نکالتی رہیں، قومی کاموں کا بڑا شوق ہے کچھ نہ کچھ کرتی ہی رہتی ہیں۔

گل میں شجر میں تو ہے شمس و قمر میں تو ہے ‏ ہر جا چمک رہا ہے ہر جا پہ تیری لو ہے

الٰہی تو دے اپنی الفت مجھے ‏ ہو دنیائے فانی سے نفرت مجھے

میں دنیا میں جب تک کہ زندہ رہوں ‏ عطا کر خدایا تو صحت مجھے

آنکھ میں نور ہو دل میرا منور ہو جائے ‏ جز تجلی کے ترے اور نظر کچھ بھی نہ آئے

بے خبر سب سے رہوں محو تصور ہو کر ‏ یاد تیری مجھے دنیا کے بکھیڑوں سے چھڑائے

ناز کیونکر نہ کروں اپنے مقدر پہ بھلا ‏ کھل گئی دل کی کلی روضۂ خواجہ دیکھا

میرے خواجہ مری بگڑی کے بنانیوالے ‏ مقصدوں اور مرادوں کے دلانیوالے

کوئی کیوں آئیگا تربت پہ بھلا مرے بعد ‏ خاک آ آ کے اڑائیگی صبا میرے بعد

جیتے جی قدر کسی نے بھی نہ جانی افسوس ‏ روئیگا کون میرے غم میں بھلا میرے بعد

حیا

کسی مدرسۂ نسواں کی معلمہ اور مفید صاحب سے مشورہ کرتی ہیں حیدرآباد کی رہنے والی ہیں، مشاعروں میں اپنی غزل بھی بھیجتی ہیں۔

شہِ انبیا پہ میرا جو نہ دل نثار ہوتا | تو حیا جہان بھر میں نہ میرا وقار ہوتا
یہ کرم کا تیرے خالق نہ امیدوار ہوتا | نہ گناہ بندہ کرتا نہ گناہگار ہوتا
میرے دل پہ کاش پڑتا جو نبی کے رُخ کا پرتو | میری جان میں جان آتی مجھے کچھ قرار ہوتا
شہِ دیں کی آج الفت جو نہ ہوتی اپنے دل میں | یہ محال تھا حیا کہ کوئی پردہ دار ہوتا

رابعہ

رابعہ بیگم —— رقیہ بیگم کمتر مرحومہ کی دختر اور رساؔ کی بہن ہیں، رابعہ اور عاصیہ دونوں تخلص کرتی ہیں، خاصی تعلیم یافتہ ہیں، محبوبیہ گرلز اسکول میں معلمہ ہیں شعر خوب کہتی ہیں۔

میں ہوں چہکنے والی بلبل ہے نام میرا | پھولوں کی ڈالیوں پر ہر دم قیام میرا
اس گل پہ جا چہکنا اس گل پہ جا پھدکنا | میٹھے سروں میں گانا بس ہے یہ کام میرا

زلف برہم ہی مزاجِ یار اگر برہم نہ تھا | بخت یاور تھا دلِ وحشی مگر بے رم نہ تھا
آئے ہیں کس وقت یارب وہ مریضِ غم کے پاس | لب میں گویائی نہ تھی آنکھوں میں باقی دم نہ تھا
عاصیہ جب سے طبیعت خوگرِ حرماں ہوئی | تھا ہجومِ یاس لیکن دل یہ بندِ غم نہ تھا

رعنا

رعنا بیگم —— حیدرآباد کی رہنے والی ہیں شعر بھی خوب کہتی ہیں، رسالہ زیب النساء لاہور میں آپ کا کلام اکثر طبع ہوتا ہے مضمون بھی لکھتی ہیں۔

لگاتے دل نہ تم سے ہم، اگر معلوم یہ ہوتا | تمہاری چاہ ہمکو رنج دیگی آسماں ہو کر

کیا اگر دیدہ تم نے محسن سے اس سے تو بہتر ہے | کرو تسخیر اک عالم کو تم شیریں زباں ہو کر

زہرہ

زہرہ بیگم ـــــ سید امیر حسن صاحب وظیفہ یاب اول تعلقدار کی دختر اور علم دار حسین صاحب کی اہلیہ ہیں۔

دیکھ کر تاج محل ہو گئی حیرت مجھ کو | کیا کہوں کیسی ہوئی پھر تو مسرت مجھ کو
ایک ہی دفعہ جو دیکھی ہے عمارت اسکی | دیکھوں کچھ جاکے یہی ہوتی ہے خواہش دل کی
محفل کو دخل نہیں اس میں یہ تعمیر اسکی | ساری دنیا میں یہ جو یاد ہو تو ہو توقیر اسکی
صبح سے شام تلک لوگ چلے آتے ہیں | ہو کے حیرت زدہ سیاح چلے جاتے ہیں
دیکھنا جس کو ہو قدرت کا نمونہ دیکھے | چاندنی راتیں بھی ہوں تو بھی دیدنا دیکھے

زہرا

زہرا بیگم ـــــ ڈاکٹر محمد عبد الرب وظیفہ یاب سنٹرل جیل یا سرجن گلبرگہ کی صاحبزادی اور مولوی سید محمد یوسف الدین مرحوم صوبہ دار گلبرگہ کی ہمشیرزادی کے بطن سے ہیں تعلیم یافتہ اور شاعرہ ہیں، نظم اور نثر دونوں خوب لکھتی ہیں مضمون نگاری کا بھی شوق ہے بڑے اچھے شعر کہتی ہیں، واقعہ ہجرت کو نظم کیا ہے جس کے چند شعر نقل کئے جاتے ہیں۔

مشرکوں نے جو کیں گستاخیاں آنحضرت سے | آپ نے ترک وطن کا کیا قصد اکتا کر
وقت دوپہر کا شدت کی تپش گرم ہوا | آپ اس دھوپ میں تنہا گئے صدیقؓ کے گھر

اور فرمایا کہ اے یارو وفادار سنو! تم بھی اب چھوڑنے کیواسطے تیار رہو گھر
اس قدر انکو ہوئی اپنی معیت کی خوشی آگئے آنکھوں میں صدیق کے آنسو بھر کر
اور ادب سے یہ کیا عرض کہ ماں باپ فدا خدمت پاک میں دو او نٹنیاں ہیں حاضر
یہ دشت بلا میں ہوے سامان مہیا نور نظر سید ابرار کی خاطر
خنجر جو بچھے زہر میں تلواریں چڑہیں باڑ لخت جگر حیدر کرار کی خاطر
مٹ گئے سارے نشانِ اہلبیت لٹ گیا سب خاندانِ اہلبیت
دھوپ میں پیاسے لڑے بھوکے مرے پر نہ کھوئی آن بان اہلبیت
ہے یہ حسرت جی میں دیکھوں کربلا میں رہوں اور آستانِ اہلبیت

سارا

سارا بیگم —— رقیہ بیگم کمتر مرحومہ کی دختر ہیں خاصی تعلیم یافتہ اور اچھی شاعرہ ہیں مدت تک محبوبیہ گرلز اسکول کی معلمہ رہ چکی ہیں،

جوشش گریہ نے کردیا خاموش قصۂ غم انھیں سنا نہ سکے
کی دمِ نزع اسنے پرسشِ حال لب کو جنبش ہوئی بتا نہ سکے
یوں سما جاؤ میری نظروں میں پھر کوئی دوسرا سما نہ سکے
اگر اس نے پوشاک بدلی ہے دھانی میرا زخمِ دل کیوں ہرا ہو رہا ہے
یہاں خون ہے چشمِ گریاں سے جاری وہاں اس کو شوقِ حنا ہو رہا ہے

سلمٰی

جمال النساء بیگم ——— مولوی نادرالدین کی دختر اور جناب امجد کی اہلیہ تھیں، نثر اور نظم دونوں لکھتی تھیں چار چھ سال ہوئے کہ آپ نے انتقال کیا، شعر بہت اچھے کہتی تھیں،

وہ یوسفِ گم گشتہ کس جائے نہاں ہوگا ۔۔۔ کس پہلو میں پوشیدہ وہ راحتِ جاں ہوگا
یہ عالمِ کثرت کب توحید نشاں ہوگا ۔۔۔ اس جسم کی مسجد میں کب شور اذاں ہوگا
میرا عربی آقا اللہ کہاں ہوگا

نہ ہو کوئی ہمرہی ہمرہی ہے ۔۔۔ نہ ہوں بے خبر میں یہی آگہی ہے
کبھی ہے قیام اور کسی وقت سجدہ ۔۔۔ کبھی سرکشی ہے کبھی عاجزی ہے
کبھی ٹیس دلمیں کبھی لب پہ آہیں ۔۔۔ مری جان کو اک نہ اک دل لگی ہے
نہ میری سنیں گے نہ بولیں گے مجھسے ۔۔۔ عجب بیکسی ہے عجب خامشی ہے

سلطانہ

اکبر النساء بیگم ——— نواب باقر نواز جنگ مرحوم کی پوتی اور ڈاکٹر مرزا رضا خاں وظیفہ یاب سیول سرجن کی اہلیہ ہیں شعر بھی خوب کہتی ہیں۔

طریقہ آپ نے اپنا جو مہرباں بدلا ۔۔۔ ادھر زمانہ اُدھر رنگ آسماں بدلا
ہوا کچھ ایسی چلی رنگِ دوستاں بدلا ۔۔۔ زمانہ بدلا زمیں بدلی آسماں بدلا
چمن میں سیر کو آیا جو وہ گلِ رعنا ۔۔۔ بہار آئی نئی موسمِ خزاں بدلا

سلطانہ

نواب ذوالفقار جنگ بہادر کی صاحبزادی اور مسٹر محمد اللہ خاں سسشن جج اورنگ آباد کی شریک زندگی ہیں، شعر بھی خوب کہتی ہیں۔

آپ کی دید ہے خدا کی دید ۔ مظہر کبریا سلام علیک
عید میں آکے آج سلطانہ ۔ کہہ رہی ہے شہا سلام علیک
عیاں بوٹے بوٹے سے ہے شانِ رحمت ۔ ہے کیا جا لفزا مرغزارِ مدینہ

سکینہ

سکینہ بیگم ——— نواب خدیو جنگ بہادر مرحوم کی صاحبزادی نواب عماد الملک مرحوم کی نواسی سید رحمت اللہ صاحب قادری کی اہلیہ ہیں نہایت اچھی تعلیم ہوئی ہے شعر بھی خوب کہتی ہیں، اپنے نانا عماد الملک کی مدح میں ایک قصیدہ کہا تھا جس کے چند شعر یہ ہیں۔

عالم ہو تم شفیق ہو تم نکتہ داں ہو تم ۔ فاضل ہو تم ادیب ہو تم خوش بیاں ہو تم
فخرِ دکن ہو باعثِ فخرِ جہاں ہو تم ۔ باذل ہو تم لطیف ہو تم مہرباں ہو تم
اُستادِ شاہِ ملکِ دکن ہو فہیم ہو ۔ عاقل ہو تم عزیز ہو تم قدرداں ہو تم
اقبال و عمر میں ہو ترقی دعا یہ ہے ۔ مونس ہو تم شفیق ہو تم نانا جان ہو تم
مدح و ثنا سکینہ کہاں تک رقم کرے ۔ یکتا ہو تم زمانے میں فخرِ جہاں ہو تم

ش بیگم

حیدرآباد کی رہنے والی تھیں نظم و نثر دونوں لکھتی تھیں، غزل بھی خوب کہتی تھیں افسوس ہے کہ جوانی میں وفات پائی۔

سینہ چھلنی ہو گیا سن کر فغانِ عندلیب ۔ آہ کیا حسرت بھری تھی داستانِ عندلیب
روز لیجاتا ہے لاکھوں توڑ کر بیدرد پھول ۔ باغباں لینے لگا اب امتحانِ عندلیب
آسماں ہے ایک اور مہر منور بے شمار ۔ لو اُبھر آئے ہیں اب داغِ نہاں عندلیب

شاکرہ

شاکرہ بیگم ــــــ یو پی کے ایک قدیم اور شریف گھرانے کی خاتون اور مشہور علی صاحب وکیل کی بیوی ہیں، مدتوں حیدرآباد میں رہیں اب غالباً اپنے والد کے ہمراہ وطن چلی گئی ہیں، سالگرہ مبارک سنہ ۱۳۵۳ھ کے مشاعرہ میں غزل کہی تھی۔

ٹھیری جو تیری دید ہماری قضا کے بعد ۔ کیونکر جئیں گے وعدۂ صبر آزما کے بعد
دست طلب دراز ہیں کس کی جناب میں ۔ آمین کہیں فرشتے ہماری دعا کے بعد
غفلت میں کھو دیا عہد جوانی ہزار حیف ۔ ہے فکر زادِ راہ کی بانگ درا کے بعد
جدت پسند ہو تو ستم ہوں نئے نئے ۔ ہاں اور کوئی تازہ جفا اس جفا کے بعد

شریف

شریف بانو ــــــ حیدرآباد کی رہنے والی ہیں اور شعر بہت ہی خوب کہتی ہیں، آپ کی نظمیں اکثر رسائل میں طبع ہوتی رہتی ہیں۔

سُنتے ہیں ہر خوشی کیلئے یہ ضرور ہے ۔۔۔ سینے میں دل ہو دل میں سکون صبر سے مزید
گھر ہو، وطن ہو، دوست ہوں خاطر ہو مطمئن ۔۔۔ گلشن ہو آشیانہ ہو اور ہو گلوں کی دید
جب یہ نہیں تو عیش و مسرت ہیں سب الگ ۔۔۔ فرقت میں ذکر وصل بھی ہے کلفت شدید
اندوہگیں دلوں کو مسرت سے کیا غرض ۔۔۔ انکی بلا سے عید قریب آ گئے یا بعید
دل ہی نہیں کہ جس سے گلے مل کے شاد ہوں ۔۔۔ کس کی نگاہِ لطف کو دکھلائیں شوقِ دید
کنجِ قفس میں کون ہے بلبل کا ہم نفس ۔۔۔ پھولوں کو کیا پڑی جو سنائیں نوید عید
کیفِ شبابِ عمر میں یوں مست عیش ہو ۔۔۔ ہر شب شبِ برات ہو ہر روز روزِ عید

شہزاد

حیدرآباد کی ایک خاتون ہیں شعر بھی نہایت اچھے کہتی ہیں ان کا ایک لاجواب سہرا ہمارے پاس ہے جس کے چند شعر نقل کئے جاتے ہیں اور حالات معلوم نہ ہو سکے۔

گڑیا کا سہرا

سرِ اقبال پر باندھا گیا ہے گلفشاں سہرا ۔۔۔ لڑی مقیش کی کیا ہی بنا ہے کہکشاں سہرا
یہ بیلا ہے یہ گینڈا ہے یہ ہے بٹ موگرا دیکھو ۔۔۔ دھتورے کی ہیں پھول اس میں ہے یکتائے زماں سہرا

چنبیلی موتیا جوہی وغیرہ کی حقیقت کیا
بنایا ہے فرنگی گل سے تیرا باغیاں سہرا

تری شادی کی محفل کیا ہوا اک طرفہ تماشا ہو
کہ سارنگی بجائیں خوک گائیں مچھلیاں سہرا

عجب طبلے کی دیتا تھا ہے شہرتال کیا کہنا
کہ جس سے مست ہو کر کہا رہا ہے تتلیاں سہرا

مبارک باد دیئے شہزاد دلہا اور دلہن کو
ہوا ان دونوں کے سر تاجوں کا سر پر گلفشاں سہرا

عصمت

عصمت النساء بیگم —— حیدرآباد کی رہنے والی اور تعلیم یافتہ خاتون ہیں شعر بڑے اچھے کہتی ہیں۔

ہم اپنے دل میں آپکا جو گھر بنائیں گے
کعبہ کو توڑ دیر مقدر بنائیں گے

قوس قزح تو آپکی بن جائے گی کماں
کیا اب ہلالِ عید کو خنجر بنائیں گے

قصرِ بہشت آپکے لائق ہے واعظو!
ہم اپنا کوئے یار ہی میں گھر بنائیں گے

لکھیں گے گل بدن کو جو خط برگِ گل پہ ہم
رگ ہائے گل کو کھینچ کے مسطر بنائیں گے

صغرا

صغرا بیگم علیخاں —— محبوبیہ گرلز اسکول میں تعلیم پا رہی ہیں بڑی اچھی طبیعت پائی ہے، خوب شعر کہتی ہیں۔

خموشی سی عالم پہ جب چھا رہی تھی
میں ہستی سے سوئے عدم جا رہی تھی

عجب وحشت انگیز تھا وہ سماں بھی
میں صحرا نوردی سے گھبرا رہی تھی

اکیلی تھی میں اور دل میں مرے ڈر
مجھے اپنی تنہائی دہلا رہی تھی

سُہانا تھا دشت اور اُجلا سماں تھا جہاں بادِ صرصر بھی منڈلا رہی تھی
اور اسوقت میں مجھ کو رحمت خدا کی خوش آیند لوری سے بہلا رہی تھی
غرض شانۂ لطف سے شانِ رحمت مری اُلجھی زلفوں کو سلجھا رہی تھی

صفیہ

صفیہ بیگم ـــــــ کیپٹن شہرت مرحوم کی دختر ہیں شہرت نے بڑی محنت سے تعلیم دی تھی شعر بھی خوب کہتی ہیں،

ہوائے عیش چلی رنگ بوستاں بدلا چمن میں بلبلِ شیدا نے آشیاں بدلا
پلا دے بادۂ گلرنگ توڑ دے توبہ ہمارا طور بھی ساقی مہرباں بدلا
رہ گیا ہے ہر زباں پر ایک افسانہ تیرا یوں بنا کر عالمِ ہستی کو چھپ جانا تیرا
اصل مقصد سب کا تو ہی گو جدا گانہ ہو راہ ہے کلیسا تیرا کعبہ تیرا بت خانا تیرا

عابد

عابد النساء ـــــــ سید عارف الدین صاحب کی دختر ہیں محبوبیہ گرلز اسکول میں تعلیم پارہی ہیں شعر بھی خوب کہتی ہیں،

الفت ہے اے خدا کیا ہم کو ذرا دکھا دے الفت ہے نام کسکا الفت ہمیں سکھا دے
دُنیا کا ذرہ ذرہ الفت سے باخبر ہے الفت سے کیا ہے مطلب ہمکو بھی کچھ بتا دے
الفت کی لذتوں سے محروم ہو گئے ہیں الفت کی نعمتوں کا ہم کو مزا چکھا دے
دُنیا کی فرقہ بندی بڑھتی ہی جارہی ہے آپس کے بیر کو سب دل سے خدا بُھلا دے

عزیز

عزیز النساء بیگم ——— مدرسۂ رحمانیہ کی صدر معلمہ تھیں، مدارس نسواں کے مصنوعات کی نمائش ہوئی تو آپ نے ایک نظم کہی بڑے اچھے شعر کہے ہیں، معلوم نہیں یہ مخدرہ اب کہاں ہیں،

یہ لوگ آج ہزاروں کدہر کو جاتے ہیں | عیاں ہے صاف ہمایوں نگر کو جاتے ہیں
لگائی ہے جو نمائش مسز ہمایوں نے | معلمات و نسواں ادہر کو جاتے ہیں
نہیں ہے یہ کوئی مینا بازار یا میلا | جہاں یہ عورتیں سب شور و شر کو جاتے ہیں
یہ طالبات کی ہے دستکاریوں کا نمود | ہزاروں دیکھنے جنکے ہنر کو جاتے ہیں
یہاں یہ جانا ہمارا ہے قوم کی خدمت | نہ سینما کو نہ ہم ناچ گھر کو جاتے ہیں
مسز ہمایوں مبارک ہو آپ کو یہ کام | ہم آئے خوش ہوئے اب اپنی گھر کو جاتے ہیں

عسکری

حکیم میر نادر علی رعد کی دختر بلند اختر ہیں شعر بھی خوب کہتی ہیں،

جشن ہر سال شادمانی سے | ہو فزوں عمر جاودانی سے
حیدرآباد مامنِ عالم | شاہِ عثمان کی قدردانی سے
آپ سلطانِ ملک و علم و کمال | رحمتِ حق ہیں مہربانی سے
تاقیامت ہو جشن سالگرہ | شادمانی سے کامرانی سے

فاطمہ

فضل النساء ــــــ محمد درویش خاں صاحب کی صاحبزادی اور شمس الدین محمد صاحب علم کی اہلیہ تھیں افسوس ہے کہ سال گذشتہ عین شباب میں فوت ہوئیں شعر بھی کہتی تھیں،

یاد احمد میں بس اب اے دلِ مضطر نہ مچل ۔۔۔ چل مدینہ کی طرف چل تجھے لے چلتے ہیں چل

قمر

صفیہ بیگم ــــــ حیدرآباد کی رہنے والی ہیں آج کل ورنگل میں رہتی ہیں، شعر بھی خوب کہتی ہیں،

زمانے کی گردش کو دیکھا کئے ۔۔۔ مقدر کے لکھے کو رویا کئے

چلا کچھ بھی تقدیر پر جب نہ زور ۔۔۔ تو لاچار قسمت کو رویا کئے

جو کہا تم نے سب بجا نکلا ۔۔۔ جو کہا ہم نے ناسزا نکلا

ظلم تیرا کہ میری مظلومی ۔۔۔ جو ہوا حد سے وہ سوا نکلا

چاک کر ڈالا نامۂ عصیاں ۔۔۔ تری رحمت کا آسرا نکلا

کریم

کریم النساء ــــــ حیدرآباد کی رہنے والی ہیں شعر بھی خوب کہتی ہیں،

بہار آئی شگوفے کھلے سماں بدلا ۔۔۔ نکل قفس سے او بلبل اب آشیاں بدلا

ہر ایک ذرہ ہی خورشید فیض سلطاں سے ۔۔۔ دکن میں دورِ ترقی کا بے گماں بدلا

حرم میں جلوہ اسی کا ہے بتکدہ میں وہی　　مکین ایک ہے دونوں کا پر مکاں بدلا
کہانی قیس کی قصہ مرا نہیں ہے جدا　　حقیقت ایک ہے اندازِ داستاں بدلا

کمتر

رقیہ بیگم ـــــ سید احمد مدنی صاحب کی اہلیہ اور محبوبیہ گرلز اسکول کی معلمہ تھیں، شعر بھی خوب کہتی تھیں؛

تجھ کو دیکھا تو نہ آنکھوں میں سمایا پھر عرش　　واہ کیا شان ہے اے گنبدِ خضرا تیری
جان اُن پر فدا کئے ہی بنی　　تیغِ قاتل کو سر دیئے ہی بنی
دل کے ہاتھوں سے ہو گئے مجبور　　یارِ الفت کو سر لئے ہی بنی
زمانے نے پیسا ہے کمتر کو ایسا　　کہ مرنے سے پہلے فنا ہو رہی ہے

کنیزہ

کنیز فاطمہ ـــــ حیدرآباد کی رہنے والی ہیں جنگل گوڑہ میں رہتی ہیں شعر بھی خوب کہتی ہیں ایک ولولہ انگیز نظم کے چند شعر نقل کئے جاتے ہیں؛

وہ ہمت کیا ہوئی ہم میں جو تھی اسلام کی بہنو!　　مسلمانی ہماری رہ گئی اب نام کی بہنو!
فلاکت چھا رہی ہے چار سو ہم پر زمانے کی　　خبر لیکن ہمیں اب تک نہیں انجام کی بہنو!
تباہی اک طرف اور پھر شماتت اہلِ دنیا کی　　تسلی ہو تو کیونکر ہو دلِ ناکام کی بہنو!
زمانہ میں کبھی پلہ ہمارا سب سے بھاری تھا　　نہ تھی مطلق ہمیں پرواہ کبھی آرام کی بہنو!
کہیں بہتر ہے اک دم ڈوب مرنا ایسی خواری سے　　یہ ذلت کی بھی آخر زندگی کس کام کی بہنو!

کیمبر مہ قوم کی بہبود ہے تعلیم نسواں پر ⁂ انہیں پر منحصر ہے اب بقا اسلام کی بہنو!

گوہر

کلثوم بیگم ـــــ سید علی رضا صاحب منصب دار کی صاحبزادی ہیں
تعلیم یافتہ ہیں اور شعر بھی خوب کہتی ہیں۔

دکن کے شاہ کو یہ جشن شاہانہ مبارک ہو ⁂ شہ عثمان علیخاں جوبلی آنا مبارک ہو
ہر اک دل میں یہی تھی آرزو کہ جوبلی دیکھیں ⁂ مرادیں دل کی اپنی آج بر آنا مبارک ہو
دکن کے رہنے والو قدر جانو اپنے مالک کی ⁂ خدا نے تم کو دی یہ نعمت عظمیٰ مبارک ہو
تجھے عثمان علیخاں تا قیامت شمس دوراں تک ⁂ ہنسی سے اور خوشی سے حکمراں رہنا مبارک ہو

لطیف

لطیف النساء بیگم ـــــ سید مظفر الدین صاحب مہتمم کوتوالی کی صاحبزادی
اور پروفیسر سید یوسف کی اہلیہ اور منشی فاضل، مولوی فاضل، میٹرک کامیاب
ہیں، محبوبیہ زنانہ کالج نامپلی کی معلمہ ہیں شعر بھی بڑے اچھے کہتی ہیں، اپنی
سہیلی افضل النساء بنت نظام الدین مرحوم تحصیلدار کی شادی میں یہ سہرا کہا تھا۔

رخ افضل پہ یہ سہرا مبارک ہو مبارک ہو ⁂ سماں یہ عیش و عشرت کا مبارک ہو مبارک ہو
مہکتی پھول کی کلیاں لٹکتی گوہریں لڑیاں ⁂ چمک سہرے کی کیا کہنا مبارک ہو مبارک ہو
ادھر مادر پدر شاداں ادھر بھائی بہن خنداں ⁂ تمام احباب ہیں گویا مبارک ہو مبارک ہو
سماں ہے شادمانی کا خوشی کی دھوم ہے ہر جا ⁂ جہاں میں شور ہے برپا مبارک ہو مبارک ہو

یہی دلکی دعائیں ہیں یہی سب کی صدائیں ہیں
یہی ہے ہر طرف چرچا مبارک ہو مبارک ہو
خدا کی رحمتیں چھائیں صدائیں عرش سے آئیں
بہار گلشن دنیا مبارک ہو مبارک ہو

لیلیٰ

لیلیٰ بیگم —— حیدرآباد کی رہنے والی ہیں، خوب شعر کہتی ہیں،

الٰہی توبہ قیامت فراق کا غم ہے
تمہارے ملنے سے جتنی خوشی ہو کم ہے
نگاہ شوق سے گستاخیاں ضرور ہوئیں
مناؤں کیسے وہ نازک مزاج برہم ہے
نئی جفا کوئی پیش نظر ہوئی شاید
ستم رسیدہ پہ کیوں آج لطف پیہم ہے
نہ سہی مجھ سے ملاقات جو منظور نہیں
دور ہو مجھ سے مگر دل سے مرے دور نہیں
قدرداں دل ہے تری جلوہ نمائی کا ضرور
کیا ہوا گر نگہ شوق جو مشکور نہیں
مذہب عشق میں آسان ہے ہر دشواری
میں بھی مجبور نہیں آپ بھی مجبور نہیں

محمودہ

ڈاکٹر رضا خاں کی صاحبزادی ہیں شعر بھی خوب کہتی ہیں محمودہ اختر کے نام سے آپ کے مضامین بھی سفینۂ نسواں میں طبع ہوتے رہتے ہیں،

موسم بہار کا ہے چمن پر بہار ہے
بلبل فدائے گل ہے گلوں پر نکھار ہے
پھولو نہیں تل رہی ہیں سبھی گل کی ڈالیاں
ہر نخل باغ رشک صد لالہ زار ہے
میلاد شہ کا دن ہے کہ یہ روز عید ہے
اک بادہ خوار کا سا صبا میں خمار ہے
بلبل چہک کے کہتی ہیں مدت کے بعد پھر
گلشن میں آج آمد فصل بہار ہے

مدنی

شہناز بیگم ——— حیدرآباد کی رہنے والی ہیں آج کل ورنگل میں رہتی ہیں، ہندوستان کے اکثر زنانی رسائل میں آپ کا کلام طبع ہوتا ہے شعر خوب کہتی ہیں،

جہاں کا رنگ پلٹا اک زمانے کی ہوا بدلی | اثر تہذیب مغرب کا یہ ہے ساری فضا بدلی
فقط تعلیم نسواں ہی نہ اک پردہ ہوا رخصت | مسلمانوں کی طرز زندگی حد سے سوا بدلی
ہمیں آزادیٔ مشرب نے بے پردا کیا اتنا | کہ جس فیشن کو دیکھا اپنی نیت برملا بدلی
ہمارا خلق بدلا ڈھنگ بدلا ہر عمل بدلا | ہماری چال بدلی طرز بدلی ہر ادا بدلی
ہوائے مغربی نے جوشِ غیرت تک کیا ٹھنڈا | کہ حتی آج اپنی فطرتی شرم و حیا بدلی
خلوصِ باطنی کو ظاہری اخلاق نے بدلا | زمانہ کی ہوائے فطرت از سر تا بپا بدلی
جسے دیکھو وہ شیدائی ہے تہذیبِ مغرب ہے | یہی وہ دور جس نے سارے مشرق کی فضا بدلی

مریم

مریم بیگم ——— کپتان سید علی رضا مرحوم کی صاحبزادی اور ڈاکٹر صفدر حسین مرزا مرحوم کی اہلیہ تھیں ایرانی الاصل اور شاہان مصر کے خاندان سے بلکہ ہز ہائنس سر آغا خان کی بنت عم تھیں، اردو فارسی پر عبور تھا، شعر بھی خوب کہتی تھیں صغرا بیگم صاحبہ ہمایوں مرزا حیا، آپ ہی کی صاحبزادی ہیں،

قیس کا کیا ذکر ہے ہر افسانہ چاہیئے | حال پرغم پر مرے آنسو بہانا چاہیئے

میرے مرنے کی خبر سنکر وہ بولے طنز سے — مرنے والے کیلئے کوئی بہانا چاہیئے
اس جہاں میں جا کے بیٹھیں ہم کہاں خبر گو ہو دوست — کوئی اپنا بھی تو آخر اک ٹھکانا چاہیئے
قبر میں تنہا ہی مریم امتحاں کا وقت ہے — یا علیؑ امداد کو اس دم تو آنا چاہیئے

مریم

مریم بیگم ــــــ محمد اسحٰق صدیقی کی ہمشیر اور بڑے اچھے شعر کہنے والی ہیں حیدرآباد کے تعلیم یافتہ طبقہ سے ہیں، کسی کی شادی میں ایک مبارکباد کہی تھی جس کے چند شعر یہ ہیں:

یہ تجمل تجھے یہ شان مبارک ہووے — عیش و عشرت کا یہ ساماں مبارک ہووے
خانہ آباد رہے شادی سے دل شاد رہے — پیارے نوشاہ کو مہماں مبارک ہووے
بعد شادی کے تمنائے دلی بر آئے — اچھے ارمانوں کا ارماں مبارک ہووے
تہنیت کی در و دیوار سے آتی ہی صدا — جشن شادی کا یہ ارمان مبارک ہووے

اسی زمین میں ایک غزل بھی کہی ہے جس کا ایک شعر ہے:

ہم قفس ہی میں رہے اور رہیں گے مریم — بلبلو تم کو گلستاں مبارک ہووے

منعم

امتہ الفاطمہ ــــــ عبدالسلام صاحب مرحوم تحصیلدار کی اہلیہ اور نواب صاحب ارکاٹ کے خاندان سے تھیں، اپنے شوہر کی وجہ سے حیدرآباد آگئیں اور یہیں عمر گزاری، مضامین بھی اچھے لکھتی تھیں جو النساء وغیرہ میں

طبع ہوتے تھے، ایک کتاب نظم نامۂ خواب طبع ہو چکی ہے، شعر بھی خوب کہتی تھیں
چند ہی سال ہوئے کہ وفات پائی،

مبارک عید قرباں آئی ہر ایک شاداں ہے — خدا کی رحمتوں سے شادماں ہر ایک انساں ہے
رکھے قائم خدا دائم میرے سرکار عالی کو — سخی اور پاک نیت شاہ عثمان علیخاں ہے
گرانی سی پراگندہ تھے محتاج و غنی سارے — کیا خالق نے فضل اپنا یہ سبکا لطف و احساں ہے
نہ کیونکر اپنے دلکو ہو خوشی اس عید قرباں کی — ادہر خالق کی رحمت ہے ادہر شہ حال پرساں ہے
تقاوی دیکے دفع قحط کر ڈالا میرے شہ نے — رعیت ہے دعا گو عید کا ہر گھر میں ساماں ہے
الٰہی ملک و مالک کو مبارک عید قرباں ہو — رہیں آباد سب باہم یہی منعم کا ارماں ہے

نسیم

رع بیگم —— حیدرآباد کی رہنے والی اور بڑی اچھی شاعرہ ہیں، زیب النسا میں
آپ کا کلام اکثر نظر آتا ہے،

یہی پوچھا تھا کیا ہے رنگ صحبت ان دنوں صاحب — مرے پہلو سے اُٹھکر چل دئے وہ بدگماں ہوکر
اثر جذب محبت کا نسیم ان پر ہوا آخر — گلے آکر ملے عاشق سے اپنے شادماں ہوکر

تیر ان کا کبھی خطا نہ ہوا — دل بچایا یا جگر نشانہ ہوا
آزمایا ہے کرکے ترک وفا — وہ جفا پیشہ باوفا نہ ہوا
جان دے دی تمہاری فرقت میں — موت آنے کا اک بہانہ ہوا

نفیس

ن بیگم ـــــــ حیدرآباد کی رہنے والی ہیں شعر بھی خوب کہتی ہیں اکثر رسائل میں آپ کا کلام شائع ہوتا ہے،

جو تجھکو لطف تھا مجھسے تو سب موافق تھے ۔۔۔ تری نگاہ جو بدلی تو اک جہاں بدلا
بیتابئ فراق نہ پوچھو کہ رات بھر ۔۔۔ لب پر تمہارا نام تھا نام خدا کے بعد
ہمارا حال دل اور تذکرہ انکی محبت کا ۔۔۔ ہوا مشہور اس دنیا میں آخر داستاں ہوکر

کہاں ہوں کیا کہوں کیا ہوں جہاں ہوں میں پریشاں ہوں
میں فریاد عنادل ہوں میں دود شمع سوزاں ہوں

نالۂ دل مرا رسا نہ ہوا ۔۔۔ نامہ بر یہ بھی کام کا نہ ہوا
مثل موسیٰ کے ہوش اڑ جاتے ۔۔۔ خیر گذری کہ سامنا نہ ہوا

نکہت

ع بیگم ـــــــ حیدرآباد کی رہنے والی ہیں، شعر بھی بڑے اچھے کہتی ہیں۔

جفائیں تھیں جو وطن میں وہی ہیں غربت میں ۔۔۔ زمیں بدل گئی لیکن نہ آسماں بدلا
مریض غم کی دوا بھی ہوئی دعا بھی ہوئی ۔۔۔ یہ سب ہوا نہ مگر حال ناتواں بدلا
گئے بھی رہرواں کوئی دلبر شادماں ہوکر ۔۔۔ بچھڑ کر رہ گیا میں ہائے گرد کارواں ہوکر
صبا چلتی بنی لیکر چمن سے بوئے گل آخر ۔۔۔ کہا تو نے نہ کچھ بھی ہائے ظالم باغباں ہوکر

کب لگایا نہ اس نے ہاتھوں میں ۔۔۔ خون عاشق کا کب حنا نہ ہوا
موسم گل کے آتے ہی نکہت ۔۔۔ میکدہ کی طرف روانہ ہوا

نوشابہ

نوشابہ خاتون قریشیہ ——— حبیب الحق صاحب قطیفہ یاب مددگار ناظم تعلقداری اضلاع کی دختر ہیں، حیدرآباد ہی میں تولد ہوئیں اور یہیں تعلیم و تربیت پائی ۱۹۲۴ء میں جامعہ عثمانیہ سے بی۔ اے کامیاب کیا آپ حیدرآباد کی ایک ممتاز اور مشہور شاعرہ ہیں نظم بڑی اچھی کہتی ہیں، زنانہ کالج نامپلی کی معلمہ ہیں۔

آہ اے آفت زدہ مجروح و مظلوم ستم — آہ اے تصویر حسرت اے مجسم درد و غم

اے اسیر صد مصیبت اے گرفتار الم — یعنی وہ لاچار جس کا ہو لقب خیر الامم

زور و طاقت مٹ گئی دم خم گیا کس بل گیا

اے مریض نیم جاں کیوں تیرا ڈھنگ ڈھل گیا

مسلم بیکس تیری وہ شان و شوکت مٹ گئی — ظلم کا چرچا ہوا حق کی حمایت مٹ گئی

سلطنت جاتی رہی افسوس طاقت مٹ گئی — ہائے کس منہ سے کہوں یارب خلافت مٹ گئی

ہے ہجوم جور بے جا دامن اسلام پر

برق آفت گر نہ جائے خرمن اسلام پر

وفا

افسر سلطانہ ——— حیدرآباد دکن کی رہنے والی ہیں جامعہ عثمانیہ سے بی۔ اے کیا ہے، کلیۂ اناث جامعہ عثمانیہ کی لکچرار ہیں، شعر بڑے اچھے کہتی ہیں۔

ہے قہر بھی عتاب بھی لطف و عطا کے بعد — ملتا ہے روز زہر بھی مجھکو دوا کے بعد

کافر تری نگہ مرا ایمان لے چکی | جاتی رہیگی جان بھی ناز و ادا کے بعد
پیدا ہوا نہ ہم سا کوئی جان نثار پھر | رسمِ وفا بھی مٹ گئی اہلِ وفا کے بعد
عصیاں کے داغ دہو گئے یہ اشکِ انفعال | رحمت کو جوش آئیگا عذرِ خطا کے بعد

ہاجرہ

ہاجرہ بیگم ——مولوی سید عبدالرحیم مرحوم اول تعلقدار سرکارعالی و ناظم اسٹیٹ غالب جنگ بہادر کی صاحبزادی اور سید یوسف الدین مرحوم صوبہ دار گلبرگہ کی ہمشیر زادی حضرت تجلی کی بیوی اور تمکین کاظمی صاحب اور رشید کاظمی صاحب کی والدہ تھیں کم سنی ہی میں والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا تھا، یوسف الدین صاحب نے تعلیم و تربیت دی تھی، اُردو و فارسی کا اچھا ذوق تھا، ایک ناول بھی لکھا تھا جو ضائع ہو گیا شعر بھی کہتی تھیں، تمکین صاحب کی انشا پردازی مرحومہ ہی کی تربیت اور محنت کا نتیجہ ہے، فروردی ۱۳۲۸ف میں بعارضۂ پلیگ انتقال کر گئیں۔

نا برداری ہم جو کرتے ہیں | تو وہ کرتے ہیں ہم سے نفرت اور
جتاؤ نہ صاحب محبت زیادہ | وگرنہ تمہیں ہو گی نفرت زیادہ
تمہیں ہے کچھ انہیں قول و قسم کا پاس نہیں | وہ جھوٹ کہتے ہیں لیکن انہیں ہراس نہیں

یہ دُنیا مکر کی دُنیا ہے یہ بستی پاپ کی بستی ہے
یاں دشمن بھائی بھائی کا یاں پھوٹ کی آگ برستی ہے





آفت

جمشید جی ستن جی ——— آبکاری کے متاجر ہیں، پارسی ہیں مگر عروسِ اردو کے دلدادہ شعر بھی اچھے کہتے ہیں،

اہلِ محشر سے ہمیں کچھ بھی تعلق نہ رہا ——— دل نے فتویٰ دیا جب سے تیری یکتائی کا

آہ کے ساتھ دھواں ابتو نکلتا ہے مگر ——— دم نکل جائیگا اک دن یونہی شیدائی کا

آنف

میر جہانگیر علیخاں ——— حیدرآباد کے قدیم شرفا اور جاگیرداروں میں سے ہیں، نسباً انصاری اور سلسلۃً کلیمی ہیں، شعر خوب کہتے ہیں، پرگو اور کہنہ مشق ہیں،

رہا نہ عشق کے ہاتھوں سے بے نیاز کوئی ——— یہ نازنیں بھی پرستارِ ناز ہوتے ہیں

تمہاری ناز پرستی کی انتہا یہ ہے ——— نیاز مند سے ہم بے نیاز ہوتے ہیں

دہن تیرے وصل کی ہے غم ترے ہجر کا ہے ——— میں کیا ہوں کچھ نہیں ہوں حسرت کی داستاں ہوں

بندۂ عشق سے میں بندۂ درگاہ ہوا ——— اب کسے سجدہ کروں آپ کو سجدہ کرکے

ناز بردارِ محبت بہی ہیں گستاخ عجب عذر کر لیتے ہیں تقصیر ہمیشہ کر کے

آرزو

نواب میر جعفر علیخاں ــــــ رئیس کرنول؛ جناب محفوظ شاگردِ داغ کے شاگرد تھے۔

شوق تھا تیغ آزمائی کا کہئیے کیا حال ہے کلائی کا
بخدا ان بتوں کے ہاتھوں سے تنگ ہے قافیہ خدائی کا

بن ٹھن کے پیشِ داورِ محشر چلے تو ہو ہو جائے سامنا نہ کہیں دادخواہ کا
ہو گی جاتی ہیں وہ ترچھی نگاہیں پار سینوں کے دلِ خوں گشتہ پر تیروں کی یہ بوچھار کیسی ہے

آرام

قاضی غلام احمد شریف ــــــ کلیۂ جامعۂ عثمانیہ کے طالب العلم ہیں؛ شعر ہی کہتے ہیں اور نثر نگاری کا شوق بہی ہے۔

دستِ جفا سے دامنِ حسرت ہے تار تار منزل گہِ سکون کہیں تیرا پتہ بہی ہے
میدہ ہے حرارتِ سیمابِ زندگی پوشیدہ ہے سکون غمِ لازوال میں
کیا ہو سلوکِ ہستیِ ناکام کا گلہ اسکے سبب کہیں بہی یارب نہیں رہی
آرام ماسوا سے نہ پائیگا توصلہ کیوں آستانِ غیر پہ تیری جبیں رہے

آزاد

محمد حسین ــــــ حیدرآباد کے رہنے والے اور پرانے شاعر ہیں ۱۲۹۰ھ میں

تولد ہوئے، منشی فاضل اور رشتہ تعلیمات میں ملازم ہیں شعر خوب کہتے ہیں،

ہے مصطفیٰ کا رتبہ عالی خدا کے بعد — لکھتے ہیں نعتِ پاک بھی حمد و ثنا کے بعد
کیا مرتبہ تھا یہ کہ ہے مصطفیٰ کے بعد — یہ بھی تو رہنما تھے اسی رہنما کے بعد
ہم عاصیوں پہ رحمتِ عالم کا ہی کرم — انکے سوا ہے کون ہمارا خدا کے بعد
غارِ حرا سے نکلے چھپے غارِ ثور میں — نمبر ہے غارِ ثور کا غارِ حرا کے بعد

آزاد

رائے گوبرن بلی ــــ رائے راجان راجہ شیو راج دھرم ونت کے خاندان سے تعلق ہے پہلے محکمۂ مال میں ملازم اور شاید پیشکار تھے اب کسی اسٹیٹ میں ملازم ہیں، نہایت زندہ دل مرنجان مرنج شاعر ہیں، شعر خوب کہتے ہیں،

خدایا خیر جانِ ناتواں کی — کڑی ہوتی ہے منزل امتحاں کی
زباں پر حرفِ مطلب بن کے نکلی — کہاں پر بات آئی ہے کہاں کی

رباعی بھی بہت اچھی کہتے ہیں، حکیم عمر خیام کی رباعیوں کا ترجمہ رباعیوں ہی میں کیا ہے،

آئی یہ ندا سحر کو میخانے سے — اور تھا یہ خطاب اپنے دیوانے سے
اٹھ جام کریں پُر اپنا پہلے کہ یہاں — چھلکے مئے عمر اپنے پیمانے سے

آزاد

آزاد انصاری ــــ یو پی کے رہنے والے اور بڑے پرانے شاعر ہیں بارہ ایک سال

سے حیدرآباد میں مقیم ہیں، غزل اور نظم خوب کہتے ہیں، آپ کے کلام کا مجموعہ
تراب علی خاں صاحب نادر نے چھپوایا ہے جو زیرِ اشاعت ہے، آپ کی نظمیں آجکل
کے رسائل کی جان ہوتی ہیں نہایت اچھا کہنے والے ہیں،

پھر دل میں یاس و حسرت و ارمان کا جوش ہے | پھر دل کی آرزو ہے کہ گم کردہ ہوش ہے
نشتر ہے ابہارِ رخِ گلفشانِ دوست | دامانِ ہر نظر سبدِ گلفروش ہے
یہ جلوۂ جمال، یہ موسیقیٔ مقال | القصہ وقت فیصلۂ چشم و گوش ہے
حالِ تمام ستم غمِ الفت نہ پوچھئے | اک بحر ہے کہ آٹھ پہر گرمِ جوش ہے
جانِ اب بھی جسم میں ہی مگر مثلِ خار جسم | سر اب بھی دوش پر ہی مگر بارِ دوش ہے
جو دل کہے ہمیشہ اسے گوشِ دل سے سن | غافل! صدائے دل بھی صدا سروش ہے
وہ دن گئے کہ معتکفِ خانقاہ تھے | اب ہم ہیں اور سنگِ درِ مئے فروش ہے
آزاد اور فکرِ پس و پیش سب غلط | آزاد فارغِ غمِ فردا و دوش ہے

آزاد

عبد البصیر —— سیوہارہ ضلع بجنور کے متوطن اور حضرت ناظم سیوہاروی
کے بھتیجے ہیں، جوان العمر شاعر اور انشا پرداز ہیں، نظم و نثر دونوں خوب لکھتے ہیں،
محکمۂ صدر محاسبی سرکار عالی میں ملازم ہیں،

شاہِ عثمان ظلِ یزداں ہے | جم خدم ثانیٔ سلیماں ہے
ملک شاداب ہے رعایا شاد | جنسِ راحت یہاں فراواں ہے

ابر رحمت محیطِ عالم ہے — جشن سیمیں شاہِ عثماں ہے
کیوں ڈرے دورِ چرخ سے آزاد — زیر ظلِ حضور سلطاں ہے
امجد

محمد اصغر صدیقی —— حیدرآباد کے رہنے والے اور بڑے اچھے شاعر ہیں تاریخ گوئی میں بڑی مہارت ہے جشن سیمیں کی تاریخیں کہی ہیں:

جلوۂ عثماں سے روشن ہے دکن — ہاں یہ نور دیدۂ محبوب ہے
سالِ ہجری تم بھی اے امجد کہو — جشن سلور جوبلی کیا خوب ہے
۱۳۴۵ ف

بر آیا مقصدِ دل آج امجد — نہ کیوں حاصل مسرت ہو خوشی ہو
یہی تھی آرزو تاریخ کے ساتھ — شہ عثماں کی سلور جوبلی ہو
۱۳۵۴ھ
امجد

محمد اسمٰعیل —— کہنہ مشق شاعر ہیں:

جو قائل ہو نہ وحدت کا مسلماں ہو نہیں سکتا — بجز حُبِ محمد کامل ایماں ہو نہیں سکتا
کرے جو بندگی حق کی محمد کا جو پیرو ہو — وہ خوفِ حشر سے ہرگز ہراساں ہو نہیں سکتا
لب و دندانِ حضرت کو بھلا تمثیل کس سے دوں — مقابل لعل و گوہر اور مرجاں ہو نہیں سکتا
چھپائے سے نہیں چھپتا ہے عشقِ احمدِ مرسل — یہ پنہاں ہو نہیں سکتا یہ پنہاں ہو نہیں سکتا

آبر

غلام دستگیر ــــــ نائب ناظر عدالت دیوانی بلدہ، تخمیناً پچاس سال کی عمر ہے۔ فن عروض پر آپ کی تصانیف بھی ہیں، پرانے شعر کہنے والے ہیں، حبیب کنتوری سے تلمذ ہے۔ خوب شعر کہتے ہیں، آپ کے شاگرد بھی بہت ہیں،

خدا کو پالیا حُب تسیم حوضِ کوثر سے ۔۔۔ مٹا یا خودی کو اس شرابِ روح پرور سے
تاسف مجھ پہ گرا یوس پھر جاؤں ترے در سے ۔۔۔ برہمن جب مرادیں اپنی پالیتا ہے پتھر سے
نہ تھا جلوہ کسی کا ہم نے ماناطور پر لیکن ۔۔۔ صدائیں لن ترانی کی نہیں آتی ہیں پتھر سے
ترے جلوے کی فیض عام نے یہ مرتبہ بخشا ۔۔۔ گہر نیساں کے قطرے سے بنے یاقوت پتھر سے

طلسمِ وہم تھا نیرنگِ آفریں برسوں ۔۔۔ رہا حجاب ہی میں جلوۂ یقیں برسوں
ستم ہے لطفِ نہاں کو نہ مدتوں سمجھے ۔۔۔ رہا ہے نیش کے پردے میں انگبیں برسوں

اَبرار

ابرار احمد ــــــ حضرت ضامن کنتوری کے شاگرد اور نوجوان شاعر ہیں،

غرض تجھسے ہی ساقی کام ہے سے ہی نہ ساغر ہی ۔۔۔ کہاں جاؤنگا اٹھ کر میں ترے میخانہ کے در سے
جہاں مل جائیں دو ظالم وہاں فتنہ بپا ہو گا ۔۔۔ نکلتے ہیں شرر پتھر جو ٹکراتے ہیں پتھر سے
رقیب روسیہ جل جلکے کیا کیا خاک ہوتے ہیں ۔۔۔ نکلتے دیکھتے ہیں جب تجھے ایجاں مرے گھر سے
گرے گا ایک عالم مثلِ موسیٰ غش میں کھا کر ۔۔۔ اٹھا دو گر نقاب اے جانِ جاں تم رُخ کے انور سے

ابوظفر

ابوظفر عبد الواحد ـــــ سٹی انٹرمیڈیٹ کالج کے لکچرار ہیں، غالباً علی گڈھ سے ایم، اے کیا ہے۔ غزل بھی کہتے ہیں اور نظم بھی، بعض انگریزی نظموں کا ترجمہ کیا ہے۔

نہیں معلوم بہتر کیا ہے جینا یا کہ مر جانا
ہے بہتر ناوک اندوہ سے یا دل سے تڑپانا

یونہی یا غوطہ زن بحرِ حوادث میں رہیں پیہم
بالآخر اس کشاکش میں رہیں یا اسطرح غائب ہم

کہ گم ہو جائیں اس دارِ فنا سے چین سے سوئیں
لحد میں پر خیال ناگہاں آتا ہے یہ دل میں

اجل کی نیند کیا خواب پریشاں ہمکو دکھلائے
جب اپنا طائرِ روح مقیّد تن سے اُڑ جائے

ابراہیم حسینی

ابو الخیر سید شاہ ابراہیم حسینی ـــــ حیدرآباد کے سادات اور مشائخ گھرانے کے چشم و چراغ ہیں، جامعہ عثمانیہ کے فارغ التحصیل اور اچھے شاعر ہیں۔ "بیمار کے آخری لمحات" ایک نظم ملاحظہ ہو۔

ضیاءِ روزِ روشن کی گھٹنے لگی تھی
سیاہی شب غم کی بڑھتی چلی تھی

رُخِ مہرِ گردوں اُدہر فق ہوا تھا
زمانہ پہ اندھیر چھانے لگا تھا

دعاہائے صحت ادہر تھیں زباں پر
ادہر صرفِ جنگ جدل تھے عناصر

ادہر پڑ رہی اقربا پر نظر تھی
نگاہِ اجل اس طرف منتظر تھی

کبھی آس تھی اور کبھی نا امیدی
اطبّا کے چہروں پہ سب کی نظر تھی

گئی رات آدھی تو سب نے یہ دیکھا
مرض میں یکایک ہوا کچھ افاقہ

افاقہ تھا ظاہر یہ باطن میں کیا تھا — لیا مرنے والی نے تھا کچھ سنبھالا
کھلی آنکھ تو اس نے شوہر سے اپنے — کہا کان میں اسکے یہ چپکے چپکے
چلی ہیں تو دنیا سے تم غم نہ کرنا — مگر یاد دل سے مری کم نہ کرنا
مجھے ہے یقیں اب نہیں ہوگی صحت — اجل ہی مجھے دیگی کلفت سے راحت
یہ کہہ کر چھوا اس نے بچے کو اپنے — لگے چشم پرنم سے آنسو ٹپکنے
بس اک آنِ واحد میں یوں نقش بگڑا — ہوئی نبض دھیمی تو بس سانس پھولا
چلی جب نہ پیشِ اجل کچھ کسی کی — طبیبوں نے اپنے نشیمن کی راہ لی

آثم

صدیق احمد —— استاد جلیل (نواب فصاحت جنگ بہادر) کے بڑے فرزند اور ناظم عدالت ضلع ہیں، نہایت ذی خلق صاحب ذوق اور سنجیدہ شاعر ہیں شعر خوب کہتے ہیں،

زلف انکی پریشاں جو صبا کر کے چلی ہے — کتنوں کو گرفتارِ بلا کر کے چلی ہے
غمزہ ہو کہ عشوہ ہو ادا ہو کہ نگہ ہو — ہر تیغ تری خونِ وفا کر کے چلی ہے
لائی تھی صبا کس گلِ رخسار کی خوشبو — ہر پھول کو تصویرِ حیا کر کے چلی ہے
آئی ہے مگر رنگ یہ اب فصل بہاری — رنگیں جو ہر اک گل کی قبا کر کے چلی ہے

آثر

مرزا احمد اللہ بیگ —— ذوالفقار علی شاہ سجادہ حسینی علم کے بیٹے اور

آغا شاعر کے شاگرد تھے،

فصلِ گل تو جا چکی کمبخت چھُٹ کر کیا کرے ۔۔۔ تھی رہائی میں اسیری بلبلِ ناشاد کی
پاؤں سے مرے دلکو نہ مل اے بتِ کافر ۔۔۔ اللہ کا گھر ہے ارے اللہ کا گھر ہے

اثرؔ

سید جلال الدین شطاری ——— حیدرآباد کے مشائخ زادے اور اچھے شاعر ہیں،

تم آؤ تو آباد ہو ویرانہ کسی کا ۔۔۔ تم چاہو تو گلشن بنے کاشانہ کسی کا
لنڈھادے خم کے خم محفل میں پیارے ۔۔۔ تہی میخانہ ہو خالی سبو ہو

اثرؔ

احمد علی خاں ——— حضرت عیشؔ سے تلمذ ہے۔ حیدرآباد کے رہنے والے ہیں، شعر اچھے کہتے ہیں،

بس گئی جب سے ستمگر تری صورت دلمیں ۔۔۔ چٹکیاں لیتی ہے دن رات محبت دلمیں
مجھکو مرنا ہے تو مر جاؤں ترے کوچہ میں ۔۔۔ کچھ اگر ہے ہی تو بس ہے یہی حسرت دلمیں
کب تری چال زمانہ کی دورنگی سے ہے کم ۔۔۔ تیری باتوں میں محبت ہے عداوت دلمیں
کیوں نہ داغِ غمِ فرقت کو رکھوں جان کے ساتھ ۔۔۔ کیوں چھپا کر نہ رکھوں انکی امانت دلمیں

اثرؔ

محمد عزیز اللہ ——— اکثر مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں، رسائل میں بھی

آپ کا کلام نظر آتا ہے

شوق اپنا ہے خوشی اپنی ہے مرضی اپنی — جان اپنی ہے گلا اپنا ہے خنجر اپنا
شکر کی جا کہ نہیں حضرت زاہد کی طرح — دل خراب ہوس لذت کوثر اپنا
زندگی واقف انداز سکون کیا ہوگی — چرخ کے ساتھ ہے گردش میں مقدر اپنا
سودا اپنا ہے جنوں اپنا ہے وحشت اپنی — ہاتھ اپنے ہیں، سر اپنا ہے۔ یہ پتھر اپنا

اثر

میر افتخار علیخاں ـــــــ خلف میر مظہر علی خاں عرف مہدی نواب، آپ کو حضرت ضامن سے تلمذ ہے

تری الفت کا سودا جائیگا کیونکر مرے سر سے — بنا کر مجھکو دیوانہ نکالے گا یہی گھر سے
نہ ہے تم سے گلہ کوئی نہ شکوہ آسماں سے ہے — اگر ہے بھی شکایت تو شکایت ہے مقدر سے
وہ تیرا حسن ہے کوئی مقابل ہو نہیں سکتا — نہیں بڑھکر چمک خورشید کی بھی روئے انور سے
عنایت دیکھ لی ساقی ترا لطف و کرم دیکھا — کہ جو ہوں مستحق محروم ہوں وہ ایک ساغر سے

اجلال

سید علی محمد ـــــــ سادات بارہہ سے ہیں، آپ کے اجداد بجنور کے مضافات کے پرگنہ دار تھے لکھنؤ میں پیدا ہوئے وہیں عربی، فارسی کی تعلیم پائی، مجلس بڑی اچھی پڑھتے ہیں، شاعری سے خاص شغف ہے۔ تقریباً جملہ اصناف سخن پر عبور ہے

نکلکے شہر نبی سے باہر خدائی بھر میں پڑا پھرا کر — علی سا بندہ کہاں ملیگا خدا خدا کر خدا خدا کر

گھٹایا جس نے ہوا منافق بڑھایا جس نے بنا نصیری
یہ وادیٔ معرفت ہے اسمیں قدم کو رکھو بچا بچا کر

علی کی الفت نبی کی الفت نبی کی الفت خدا کی الفت
خدا کے عاشق نبی کے شیدا علی کی الفت کا دم بھرا کر

لہو علی کا لہو نبی کا جو گوشت انکا وہ گوشت انکا
علی کو پالا ہے مصطفےٰ نے زباں اپنی چسا چسا کر

احمد

احمد علیخاں —— نواب صولت جنگ بہادر مرحوم کے فرزند ہیں، شعر خوب کہتے ہیں،

محفل یار میں گر مجھ سے مقابل ہو عدو
گر پڑے نظروں سے اور شرم سے پانی ہو جائے

لب جو چوسے تو کہا شوخ نے اس شوخی سے
ارے ناداں نہ کوئی ان پہ نشانی ہو جائے

دل عشاق کو پہلو سے اڑا لیتے ہیں
وہ جسے دیکھتے ہیں اپنا بنا لیتے ہیں

دید کا اسکی تصور میں مزا لیتے ہیں
بے خبر فتنوں کو سوتے سے جگا لیتے ہیں

چٹکیاں لیتا ہی بیٹھا ہوا دل میں کوئی
درد اٹھتا ہی تو پہلو میں دبا لیتے ہیں

لذت سوز جگر پوچھ نہ ہمدم ہم سے
آگ لگتی ہے تو سینہ میں بجھا لیتے ہیں

احمد

امیر احمد —— مشاعروں کے گلدستوں میں آپکا کلام نظر آتا ہے،

عشق کے واسطے یہ چاہیئے ساماں ہونا
داغ سوزاں، غم پنہاں، دل بریاں ہونا

اجی لاحول ولا قوۃ الا باللہ
حضرت شیخ کا ہم پایۂ انساں ہونا

احمد

احمد علی شاہ ــــــ قادری اور چشتی گھرانے کے واعظ ہیں شعر بھی خوب کہتے ہیں،

چمن آرا نے دکن کی چمن آرائی کی — حور و غلماں ہیں جناں سے اتر آنے کیلئے
کہیں لالہ کہیں نسریں کہیں سوسن کی بہا — قدرِ رعنا ہے کہیں دل کے لبھانے کیلئے
نکہتِ گل کی ہی تقسیم میں مصروف نسیم — آج ہر چیز کی خوشبو میں بسانے کیلئے
آج میخانۂ ساقی کے ہیں ابواب کھلے — جام پر جامِ مسرت ہیں پلانے کے لئے

احمد

سید احمد ــــــ حیدر آباد کے رہنے والے تحصیل چیتاپور علاقہ پائیگاہ کے صیغہ دار ہیں، شعر اچھے کہتے ہیں،

آج ساقی کی مہربانی سے — مست ہوں جامِ ارغوانی سے
تا ابد ہو یہ جشنِ سالگرہ — عیش و عشرت سے شادمانی سے
عدلِ عثمان سے ظلم ہے معدوم — آگ ٹھنڈی ہوئی ہے پانی سے
تاجدارِ دکن رہیں احمد — جاوداں عمر جاودانی سے

احقر

احقر صدیقی ــــــ جالنہ (اورنگ آباد) میں قیام ہے۔ رسائل میں آپکا کلام طبع ہوتا رہتا ہے،

اے رازِ کامیابی — اے نازِ کامیابی

ہے یاس انتہائی — آغازِ کامیابی
پیدا کئے جنوں نے — اندازِ کامیابی
سنئے کہ ہیں یہ آہیں — آوازِ کامیابی
ناکامیوں میں مضمر — ہے رازِ کامیابی

اختر

اختر یار جنگ بہادر ——— (لطیف احمد مینائی) حضرت امیر مینائی کے فرزند ہیں ۱۲۸۷ھ میں لکھنؤ میں تولد ہوئے، اپنے والد ماجد کے پاس تعلیم و تربیت پائی، حضرت امیر حیدرآباد تشریف لائے تو آپ بھی آ گئے اور حیدرآباد ہی کو وطن بنا لیا، ابتداً مددگار معتمد عدالت کوتوالی امور عامہ ہوئے اور ناظم و معتمد امور مذہبی کی خدمت پر رہ کر وظیفۂ حسنِ خدمت حاصل کیا، نہایت شریف النفس، کم سخن اور بڑی خوبیوں کے بزرگ ہیں شعر بھی خوب کہتے ہیں،

قرار آئے کسی دم دوا اضطراب نہیں — جو دن کو چین نہیں ہے تو شب کو خواب نہیں
شباب میں نہ ہو غفلت تو وہ شباب نہیں — شراب سے ہو جدا نشہ تو شراب نہیں
وفا کی قدر محبت کا لطف کیا جانو — تمہارے کھیل کے دن ہیں ابھی شباب نہیں
ذرا سا ہنس کے ہرے ہو گئے زخمِ دل پر یوں — یہ پھول وہ ہیں کہ جنکو ہنسی کی تاب نہیں

اختر

سید علی اختر ——— حضرت باغ کے فرزند ہیں نظم خوب کہتے ہیں، آبکاری

سے ملازمت کا تعلق ہے۔ آپ کے کلام میں "یاسیت" بہت غالب ہے۔ کبھی کبھی غزل بھی کہہ لیتے ہیں، علیگڈھ یونیورسٹی سے انٹرنس کامیاب کیا ہے۔ اردو فارسی ادب پر بھی عبور ہے۔ نہایت نیک دل اور شریف الطبع، آشنا پرست، مخلص ہیں،

قدرِ وفا ہوئی انہیں عرضِ وفا کے بعد ۔۔۔ رکھ لی خدا نے شرم مری التجا کے بعد
اس حسنِ اعتماد کے قربان جائیے ۔۔۔ بیٹھا ہوں انتظارِ اثر میں دعا کے بعد

دمِ زندگی سے رہا ہوا، غمِ زندگی سے گزر گیا ۔۔۔ یہ حیات قابلِ شک ہے وہی جی رہا ہی جو مر گیا
وہی سوز، سوزِ حیات ہے جو رگوں میں گرمیٔ خوں ہوا ۔۔۔ وہی نالہ نالۂ درد ہے جو کسی کے دل میں اُتر گیا
جو بہار آئی بھی اب تو کیا کہ وہ دل میں ذوقِ طرب کہاں ۔۔۔ وہ جو روحِ لذتِ دید تھا وہ لطیف کیفِ نظر گیا
اثر بہار طرب فزا، یہ حسین دائرۂ فضا ۔۔۔ دلِ زار تو بھی ہو شادماں کہ وہ غم کا وقت گزر گیا

چلا ہوں سوئے مدینہ اختر دلِ شکستہ کی نذر لیکر ۔۔۔ یہ کیوں کہوں میں کہ میری فریاد آشنائے اثر نہیں ہے
حضور کا التفات پیہم اب ان غلاموں کی شرم رہنا ۔۔۔ جنہیں نہ تاب و توانِ شرح ہے یہاں خود اپنی خبر نہیں ہے
بہار آئی بھی اور گئی بھی جلی بھی شمعِ طرب بجھی بھی ۔۔۔ قفس میں ہے دردمند بلبل اُسے کچھ اسکی خبر نہیں ہے

زندگی خواب سہی خواب کی تعبیر تو ہو ۔۔۔ بہرِ آسائشِ منزل کوئی تدبیر تو ہو
کٹ کے گر جائینگی اے قیدیٔ زندانِ ستم ۔۔۔ تجھ کو احساسِ گراں باریٔ زنجیر تو ہو

اختر

اختر قریشی ـــــــ حیدرآباد کے تعلیم یافتہ اور پُرجوش نوجوانوں میں سے ہیں،

فنونِ لطیفہ سے بڑی دلچسپی ہے۔ جشن کارانہ معلومات بہت کافی ہیں، نظم و نثر خوب لکھتے ہیں۔ غزل، نظم، سلام، مرثیہ وغیرہ اچھا کہتے ہیں، تقریباً پانچ سال سے رسالۂ سفینۂ نسواں کامیابی کے ساتھ شائع کر رہے ہیں، نہایت کم سخن، زندہ دل، آشنا پرست مخلص اور راقم الحروف کے خاص کرم فرما ہیں۔

کیجئے مشقِ ستم ہاں بندہ پرور کیجئے — کب میں کہتا ہوں کہ سمجھیں رحم کے قابل مجھے
پیر کر پہونچوں وہاں تک آہ یہ ممکن نہیں — تک رہا ہوں پاس سے ساحل کو میں ساحل مجھے
بچ رہا اور دل کے حصے سے یہ درد و رنج و غم — سب اکٹھا کر کے دے ڈالا سجائے دل مجھے
پھونک دی ہستی مری او سوزِ الفت پھونک دے — ناامیدی ہاں سے اب کرنے لگی غافل مجھے
پاؤں تھک جائیں تو سر کے بل لئے جائیگا شوق — کیا ڈرا سکتی ہے اختر دوریٔ منزل مجھے
لطف تو جب ہے کہ قلبِ سنگ سے ٹپکے لہو — نالہ و شیون میں بلبل یہ اثر پیدا تو کر

اختر

احترام احمد اسرائیلی ——— اورنگ آباد کے رہنے والے ہیں، کبھی کبھی مقامی اخبارات میں آپ کا کلام نظر آتا ہے،

واقفیت تھی کسے نور و ضیا سے پہلے — دہر تاریک تھا محبوبِ خدا سے پہلے
سب یہ کہتے ہیں حضور آپ پہ قربان ہو کر — کچھ خبر تھی نہ ہمیں راہِ ہدا سے پہلے
صدق بوبکرؓ سے اور عدل عمرؓ سے چمکا — کیا عثمان نے خبردار حیا سے پہلے
جس شجاعت کا ہوا ہی درِ خیبر پہ ظہور — کس سے ظاہر ہوئی وہ شیرِ خدا سے پہلے

ادیب

محمد حسین ـــــ بی، اے، ای ڈی۔ اور کسی مدرسہ کے ہیڈ ماسٹر ہیں مدت سے دکن میں ہیں معلوم نہیں کہاں کے متوطن ہیں نظم بھی کہتے ہیں، نثر پر اچھا عبور ہے مضامین خوب لکھتے ہیں،

آج ہے فضلِ داوری — بخت نے کی ہے یاوری
لائی بہارِ جاں فزا — رشتۂ ابر آ ذری
ہونے لگی بصد ادا — صبح امید رونما
پھول کھلے ہیں جا بجا — پھولی ہے ہر طرف کلی
ژالہ ہوا میں گھل گیا — لالہ کا داغ دھل گیا
بلبل کا گل پہ شور ہے — مستِ خرام مور ہے

ارمان

سید قادر محی الدین ـــــ پندرہ ایک سال پہلے آپ کا کلام اکثر گلدستوں اور رسالوں میں نظر آتا تھا، حیدرآباد ہی کے رہنے والے اور اچھے شاعر تھے شعر بڑے اچھے کہتے تھے معلوم نہیں اب کہاں ہیں۔

مزا دکھائیگی کیا کیا بہار عید کے دن — ملینگے ان سے گلے بار بار عید کے دن
گلے لگا کے انہیں بار بار عید کے دن — یونہیں نکالیں گے دلکا بخار عید کے دن
خوشی کے یوں تو ہیں سامان بیسیوں لیکن — مزا تو جب ہے کہ آجائے یار عید کے دن

یہ مانا سینکڑوں ہیں کاروبار عید کے دن
ابھی تو آئے ہو لو عطر و پان بیٹھو بھی

آزل

حافظ محمد اسمٰعیل شریف ——— منشی فاضل، مولوی فاضل، مولوی کامل

آنرز، مدرس مدرسہ فوقانیہ پرہنی ۱۳۰۵ھ میں تولد ہوئے مدرسۂ محبوبیہ اور مدرسہ نظامیہ میں تعلیم پائی، حیدرآباد کے بڑے بڑے علماء سے استفادہ کیا، مدت سے اُردو، فارسی شعر کہتے ہیں، اُردو شعر حضرت مائل کو دکھاتے تھے اور فارسی حضرت ترکی کو، کہنہ مشق ہیں،

کیا شیخ کیا برہمن جپتے ہیں نام تیرا
بھرتے ہیں دم ہمیشہ سب خاص و عام تیرا
ہر قطرہ میں نہاں ہے یارب پیام تیرا
ہر ذرہ سے عیاں ہے قدرت تیری الٰہی

سیہ بختی میں ہے عالم یہاں حب سنگ اسود کا
جلائے گا حشر میں دلدادہ کیا گیسوئے احمد کا

زنجیر درِ عرش ہے گیسوئے محمدؐ
قندیلِ سرطور ہے گردِ رُخِ محمدؐ

بس ایک ہی غزل میں گلستاں تمام ہے
منظور وصف روئے بتِ لالہ فام ہے
اس کا اگر ہے کوچ تو کس کا مقام ہے
مرگِ عدو خوشی کا بھلا کیا مقام ہے

مرا یہ حال دشمن مہرباں ہے
ترا وہ ظلم بیگانہ یگانہ

مجھے اب زندگی بار گراں ہے
تم آؤ یا پیام موت آئے

اس مہر وش کا جلوۂ عز یزو کہاں ہے
ہر ذرہ ذرہ میں ہے تجلیٔ برق طور

افسانے یاد آئیں گے میری وفا کے بعد
مانا کہ زندگی میں نہیں قدر و منزلت

یہ مل گیا جسے اسے سب کچھ ہی مل گیا	کیا چاہیئے بہلا دلِ دردآشنا کے بعد

اسد

میر صدیق علی ——— ہز اکسیلنسی سر مہاراجہ بہادر کے کتب خانہ کے مہتمم ہیں نومشق ہیں مگر شعر اچھے کہتے ہیں،

اسکی بزمِ عیش میں جانے کی میں قابل نہیں	سچ ہے ناکام تمنا لائقِ محفل نہیں
اک دمِ امید سے قائم ہے میری زندگی	ورنہ بیمارِ محبت زیست کے قابل نہیں
میں اسے دیکھوں تو میرے دردِ دل میں ہو سکون	وہ اگر پردہ کرے تو اسکو کچھ حاصل نہیں
بستے ہیں یوں تو سبھی اپنے پرائے ای اسد	بستیٔ دنیا میں لیکن رازدارِ دل نہیں

اسد

احتشام احمد ——— اسرائیلی، سیلو (اورنگ آباد) میں قیام ہے۔ وکالت کرتے ہیں اور شعر بھی کہتے ہیں۔

گر تمنا ہے کہ پُر ہوں تیرے کاسے پہلے	بے نوا ہاتھ اُٹھا مانگ خدا سے پہلے
وقف تھے کوثر و تسنیم کے چشمے لیکن	آب خنجر سے نوازے گئے پیاسے پہلے

ہو رہی ہے دیکھئے قدرت سے تائیدِ صدف	مائل گوہر فشانی ابرِ نیساں کیوں نہ ہو
کھلتے ہی جاتے ہیں بابِ نصرتِ فتح و ظفر	لائقِ فخر و مباہات عہدِ عثماں کیوں نہ ہو

اسد

محمد صفی اللہ خاں ——— فاروقی حضرت ضیغم کے بڑے فرزند ہیں شعر

اچھے کہتے ہیں،

جنوں کی دست درازی ہی یونہیں برسوں
کہ نذرِ جیب رہی اپنی آستیں برسوں

رقیب جور و جفا کی نہ تاب لائے گا
اٹھائیں گے تیری ظلم و ستم ہمیں برسوں

اسعد

محمد سعید الرحمٰن —— محمد حبیب الولی صاحب کے فرزند اور محمد وزیر صاحب وزیر کے پوتے ہیں حیدر آباد میں پیدا ہوئے مدرسۂ نظامیہ سے مولوی عالم کامیاب کیا، طب بھی جانتے ہیں، پائیگاہ آسمان جاہی کے مقبرہ جات کے منتظم ہیں، حامد قریشی سے تلمذ شعر بھی کہتے ہیں،

داغِ فرقت سے شگفتہ غنچۂ دل ہوگیا
پھول اب یہ گیسوی جاناں کے قابل ہوگیا

یادِ روئے یار نے کیا کیا دکھائیں گرمیاں
پھر ہجوم یاس میں دل شمع محفل ہوگیا

کون ہی عالم میں جو اسکا شناسائی نہو
اسکو سودا ہی جو اس ظالم کا سودائی نہو

کسی کے چار پھولوں کا یہ مجھپر بوجھ کیوں آخر
اڑا دے خاکِ تربت بھی کسیدن آسماں میری

اسمٰعیل

محمد اسمٰعیل —— قصبۂ دہارور کے باشندے اور وہاں کے قاضیوں میں سے ہیں، مدرسہ طبیہ کے سند یافتہ اور مولینا حکیم وحیدالدین عالی کے شاگرد ہیں ۱۲۹۶ھ میں تولد ہوئے، ۱۳۱۸ف میں طبیب یونانی کی حیثیت سے ملازم ہوئے علمی قابلیت اچھی ہے۔ بعض چھوٹی چھوٹی کتابوں کے مولف بھی ہیں فارسی

اور اُردو میں خوب شعر کہتے ہیں، طعام المحمود کے نام سے قواعد خورونوش اُردو میں نظم کیا ہے جس کے چند شعر نقل کئے جاتے ہیں،

حفظ صحت کا ہی لازم علم بہر خاص عام — اسلئے لکھتا ہوں میں اقوال اطبائے کرام
اشتہا صادق جو پیدا ہو تو فوراً کہائے — جمع ہو نگے ورنہ معدے میں رطوبت ہائے خام
پیٹ بہر کر خوب کہالینا طعام اچہا نہیں — معدہ تن جائے تو ہوتا ہے قصورِ انہضام
اسقدر کہائیں غذا جس سے نہ ہو کوئی ضرر — سانس اور پانی کا حصہ کچہ تو ہو بعد طعام

سید منظر علی ـــــــ مولانا سید امجد علی اشہری کے فرزند اور کئی ایک کتابوں کے مصنف ہیں۔ حیدرآباد سے ایک رسالہ اولڈ بوائے جاری کیا مگر افسوس ہے کہ زیادہ دن تک رسالہ چل نہ سکا، نہایت زندہ دل اور ظریف النفس بزرگ ہیں شعر بہی خوب کہتے ہیں،

رباعی

یہ صبح کا وقت اور یہ بہولونکی مہک — دیکہیں تو کہیں حل علیٰ آکے ملک
اس منظر خوش کے دیکہنے کو اشہر — سر ننگے ابہی نکلا ہے سیاح فلک

دیگر

اخلاق کسی کے تم جو معلوم کرو — احباب کو پہلے خوب اس کے دیکہو
اچہے جو ہیں تو وہ بہی اچہا ہے ضرور — بد ہیں تو وہ بد ہے اسکی صحبت سے بچو

دیگر

تم میں ہے اگر ترقی کا دل گردہ — غفلت میں ہو کس واسطے اور افسردہ
حاصل کرو علم تم کہ حیدر کا ہے قول — عالم زندہ ہیں اور جاہل مردہ

اشک

محمد جلال الدین ـــــ جامعہ عثمانیہ کے قدیم طالب العلم ہیں مدت تک مجلہ عثمانیہ کے اڈیٹر ۱۳۳۸ھ میں رہ چکے ہیں،

سلطان رضیہ میدانِ جنگ میں

ہاتھ میں تیر و کمان اور کمر میں تلوار ۔۔۔ دوش پر زلفِ سیاہ گوش میں درِ شہوار
زیر ران اسپ سبک سیر و صرصر رفتار ۔۔۔ تمتمائے ہوئے گرمی سے وہ دونوں رخسار

آج میدان میں رضیہ کی سپہداری ہے
کچھ انوکھی یہ زمانے سے طرحداری ہے

غنچے کھلتے ہیں صدا سے تیری ۔۔۔ طور جلتے ہیں ندا سے تیری
گوہرِ اشک صلہ ہے تیرا ۔۔۔ شاہ بھی ایک گدا ہے تیرا
شدتِ غم سے ہو ہر لخت جگر ۔۔۔ دیدۂ تر سے نکلتا باہر
دلِ مضطر میں خلش ہو جس دم ۔۔۔ سوزِ فرقت کی تپش ہو جس دم
ہائے اسوقت ترا کیفِ وجود ۔۔۔ دردمندوں کا ہے تنہا مقصود
تو نہ ہوتا تو جہاں تھا یہ خراب ۔۔۔ گوہرِ اشک یہ ہوتے نایاب

اشرف

میر اشرف الدین علیخاں ـــــ خلفِ میر فرخندہ علی خاں صاحب دوم تعلقدار بیدر شریف، آپ ۱۳۲۷ھ میں تولد ہوئے اسوقت جامعہ عثمانیہ میں تعلیم

پا رہے ہیں، نوجوان صاحب زادے اور اچھے شعر کہتے ہیں،

آنکھ ساقی نہ چرانا کسی مستانے سے — ورنہ اُٹھے گی قیامت ترے میخانے سے

لذت آزار محبت کی ہے راحت افزا — اور آرام ہوا درد کے بڑھ جانے سے

میرے ساقی کی ادائیں ہیں قیامت اللہ — کبھی چلّو سے پلائی کبھی پیمانے سے

کچھ عجب قہر ہے آفت ہے بلا ہے ظالم — ڈر کے رہتی ہے قیامت ترے دیوانے سے

اشرف

سید محمد نصیر ــــــــ منشی فاضل، حیدرآباد کے رہنے والے اور اچھے شاعر ہیں،

اس سوختہ نصیب کی قسمت پہ رو لئے — جینا رہے جو وعدہ صبر آزما کے بعد

اس فتنہ خو کے آگے خدا جانے کتنی بار — آنسو ٹپک پڑے ہیں مرے التجا کے بعد

جی میں ہی کچھ کہوں مگر ایسا ہی رعبِ حسن — منہ بند ہے حکایت رنج و بلا کے بعد

اس باخبر کے جذب کا عالم نہ پوچھئے — جو مسکرا دیا ستم ناسزا کے بعد

اشرف

علی اشرف ــــــــ اخبار صبح دکن کے معاون مدیر ہیں، نظم و نثر دونوں خوب لکھتے ہیں، حیدرآباد کے رہنے والے اور جوان العمر شاعر ہیں،

جو جلوہ تیرے تصور کا ہم جمال نہو — وہ مجھسے گرم تکلم رہے مجال نہو

جلائے جا کہ یہی سوز ہے متاعِ حیات — عروج زیست کہیں بر سرِ زوال نہو

ہنوز ہے دلِ غم آشنا رہینِ کرم — کسی کی سعی وفا سوز کو ملال نہ ہو

ہے اعتمادِ نوازشِ بجا مگر ساقی — مزا تو جب ہے کہ گنجائشِ سوال نہ ہو
ترا فریبِ تقرب ارے معاذ اللہ — یہ فکر ہے کہ مجھے زندگی محال نہ ہو

اشرف

اشرف حسین ——— شعر اچھے کہتے ہیں، کبھی کبھی آپ کا کلام گلدستوں میں نظر آتا ہے۔

زینتِ حسن پسِ پردہ ہے پنہاں ہونا — عصمتِ شمع ہے فانوس میں تاباں ہونا
پڑھ تو لے لوحِ لحد کو کہ مکیں ہیں تہِ خاک — ثبت ہے خانۂ آباد کا ویراں ہونا

اصغر

اصغر یار جنگ ——— محمد اصغر بار ایٹ لا، ڈاکٹر انصاری اور حکیم نابینا کے بھائی ہیں مدت تک حیدر آباد میں بیرسٹری کرتے رہے اب ہائیکورٹ کے جج ہیں، نہایت شریف، زندہ دل، با مذاق شاعر ہیں، شعر خوب کہتے ہیں اکثر مشاعروں میں بھی شرکت کرتے اور خود بھی مخصوص مشاعرے کرتے ہیں۔ بہترین شاعر ہیں، اور اس کے ساتھ ہی ساتھ حاجی الحرمین بھی۔

قیامت تھا مریضِ غم کا وہ خاموش ہو جانا — پھر آ کر ہوش میں بیہوش کا بیہوش ہو جانا
گناہوں کا میری گردن پہ اصغرؔ بوجھ کیا کم ہے — ستم اسیر فرشتوں کا ہے بارِ دوش ہو جانا
مجھے کیفِ جامِ الست ہے جسے چھوڑ کر نہ اتر گیا — یہ نشہ نہیں ہے شراب کا کہ سرور آیا اتر گیا
دلِ زار پر یہ کرم کرو انہیں چٹکیوں میں نمک بھرو — کوئی اور زخم ہیں درد ہو کہ وہ اپنا حدِ جگر گیا

جو میں کہہ رہا ہوں اسے سنو مری ایک بات یہ مان لو
چلو گھر کو بہر خدا چلو کہ سرور آتش تر گیا

نہ دعا یہ پیر مغاں کی تھی نہ یہ میگسار ذکی بد دعا
یہ خدا کی مار تھی محتسب جو شراب خانہ میں مرگیا

کبھی سرخ تھا میرا پیرہن کبھی لال تھی مری آستیں
میری آنکھ سے جو لہو بہا تو وقار دیدۂ تر گیا

وہی شغل ہو گا شباب کا وہی مشغلہ مئے ناب کا
وہی نغمہ ہو گا رباب کا میں بہشت میں بھی اگر گیا

کبھی اشک آنکھوں سے ہیں رواں کبھی آہیں اپنی ہیں ہیں لب
شب و روز رونا پڑا مجھے کہ شعار اہل نظر گیا

اطہر

اعظم اللہ حسینی ـــــــ حیدرآباد کے رہنے والے اور انعام دار ہیں، شعر بھی کہتے ہیں،

چوٹی بھی کیا غضب کی ہے زلف دوتا کے بعد
پیچھے پڑی ہوئی یہ بلا ہے بلا کے بعد

آرام کے لئے ہے قیامت کا سامنا
جنت نصیب ہوگی سزا و جزا کے بعد

دنیا کے مخمسوں سے تو مل جائیگی نجات
دو مرحلے ہیں اور بھی باقی قضا کے بعد

ملتے رہو گے کف افسوس بعد مرگ
عاشق ملے گا کوئی نہ مجھ با وفا کے بعد

اطہر

بشیر احمد ـــــــ حیدرآباد کے متوطن اور اچھے شاعر ہیں، نظم اچھی کہتے ہیں

ایک نظم "پھول" کے چند شعر ہیں،

کیا کہوں اے پھول تو اس باغ عالم میں ہے کیا
کس طرح تیری ہوئی ہستی کی یہ نشو و نما

ہے اسی کا غم کہ تو بھی خاک سے روئیدہ ہے
زندگی کی یہ نئی تعمیر بھی بوسیدہ ہے

گر ریاض دہر میں ہونا ہے تجھکو سرخرو
اے گل رنگیں نہ کرنا رنگ و بو کی جستجو

بے ثباتی کا سبق تو گلشنِ عالم سے لے | پا گُل ہو کر اچھا یہ چند روزہ چھوڑ دے

اطہر

سید محبوب علی ——— حیدرآباد کے مشہور خوشنویس اور کاتب ہیں، دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ سے ملازمتی تعلق ہے۔ کہنہ مشق شاعر اور حضرت ضامن کنتوری کے شاگرد ہیں، شعر خوب کہتے ہیں،

دستِ سوال اپنی نہ اٹھا تھا سوئے کریم | دامن کو آنکھ نے دُرِّ مرجاں سے بھر دیا
اے ساکنانِ دیر و حرم دُور سے سلام | تم نے تو مجھ کو اور گنہ گار کر دیا
دل کے جگر کے سینہ کے بھرتے نہ تھے جو زخم | ان پر نمک چھڑک کر ستمگر نے بھر دیا
اطہر ہمارے دل کو کسی کی نگاہ نے | خالی جو دیکھا حسرت و ارماں سے بھر دیا

اطہر

سید دلدار حسین ——— حیدرآباد کے رہنے والے اور مدرسہ دارالشفا کے مدرس ہیں، حال ہی میں ایک مناجات (۴۳۵ شعر) کی شائع کی ہے۔ جسمیں اسماءِ الٰہی نظم کئے گئے ہیں، یہ کتاب کراؤن سائز کے (۴۸) صفحات پر نہایت حسین و جمیل شائع ہوئی ہے جس پر نواب مہدی یار جنگ بہادر ایم، اے آنرس صدر المہام سیاسیات و تعلیمات نے تقریظ بھی لکھی ہے۔

اے خالقِ بے مثال و ہمتا | اے مالکِ قادر و توانا
اللہ تو ہی تو ہی خدا ہے | ہر چیز کی تجھ سے ابتدا ہے

رحمٰن بھی تو رحیم بھی ہے — اور ذات تیری قدیم بھی ہے
خالق میں تجھی کو جانتا ہوں — رازق تجھے دل سے مانتا ہوں
جب دل سے ہوا میں تیرا قائل — کیونکر درِ غیر پہ ہو سائل
مجھ کو تو غرض نہیں کسی سے — میرا تو سوال ہے تجھی سے

اظہر

منصور علی ——— اکثر مشاعروں میں شریک ہوتے ہیں، شعر بھی اچھے کہتے ہیں،

ایک عالم ہے ترے پردہ سے محوِ حیرت — قہر ہی ڈھائیگا پردہ سے نمایاں ہونا
قمریاں سرو کو بھولیں گے عنادل گل کو — دیکھیں گلشن میں اگر تیرا خراماں ہونا

اعظم

سید یاور علی ——— ذیقعدہ سنہ ۱۳۰۸ھ میں حیدرآباد میں تولد ہوئے، سید داؤد علی شاہ رمال کے خاندان سے تھے، حیدرآباد ہی میں تعلیم و تربیت پائی اور شعر کہنے لگے، اُستاد داغؔ آئے تو ان سے تلمذ اختیار کیا، شاعری کے ساتھ ڈرامہ نویسی کا شوق ہوا اور ڈرامے لکھنے لگے، چنانچہ سخی لٹیرا، حور بانو، آفتابِ شرافت، لکھ کر حیدرآباد کی موون پارسی تھیٹریکل کمپنی کے ذریعہ پیش کیا جنہیں پبلک نے بہت پسند کیا،

امپیریل ناٹک کمپنی اور دوسری کمپنیوں نے بھی آپ کے سینکڑوں ڈرامے

اسٹیج کئے آپ نے بیسیوں ڈرامے لکھ کر فروخت بھی کردئے جو دوسروں کے نام سے اسٹیج ہوئے، آپ کے نام سے حسب ذیل ڈرامے اسٹیج ہوکر بہت مقبول ہوئے۔

ایشیائی ستارہ، فتنۂ محشر، حور بانو، سچی لیٹرا، آفتاب محبت، ڈاکو کی دلہن آج کل، سوتیلی ماں، تیرِ ہوس، لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد، ڈکھیا دلہن، مہتابِ جہاں، قصرِ شیریں، باپ کی بددعا، شاہی ڈاکو، تلوار کا دھنی، بچہ سقہ، دُنیا میں جنت، ایمان کا سودا، سراج الدولہ، فلورنڈا، تقدیر کی تاثیر، زوالِ ہندوستان، فریبِ حسن، شکستہ دل، مظلوم محسن،

عربی فارسی اور انگریزی سے واقف تھے ڈرامہ نگاری کا اچھا ذوق تھا چھچھورے اور جگمگاتے ہوئے سین اور ڈریس کو اسٹیج پر سے نکال دینے اور تک بندی اور مقفع مکالموں کا خاتمہ کرنے کی بڑی کوشش کی مگر اچھے ڈائرکٹروں کے فقدان اور نااہل مالکوں کی وجہ سے کمپنیوں نے آپ کا ساتھ زیادہ نہیں دیا بریں ہم آپ نے فنِ ڈرامہ کی بڑی خدمت کی، آپ حیدرآباد کے پہلے ڈرامہ نویس ہیں جن کے ڈرامے اسٹیج ہوکر کامیاب ہوئے،

اپنی فطری لاوبالیت اور رندمزاجی کی وجہ سے آپ نے اپنے ڈرامے تو ڈرامے کلام بھی فروخت کردیا، اکثر تصانیف اور دیوان لوگوں نے خرید کر اپنے نام سے شائع کرلیا، آپ نے اپنے آخری ایامِ زندگی نہایت عسرت اور تنگدستی

سے گزارے اور اسی عالمِ افلاس میں ۴ رمضان ۱۳۵۱ھ کو افلاس کدۂ جہاں سے ہمیشہ کے لیے نجات پائی۔

یوں مریں اہلِ کمال آشفتہ حال افسوس ہے ای کمال افسوس ہے تجھپر کمال افسوس ہے

آپ کے ایک شاگرد سید قربان علی قربانؔ ڈرامائسٹ نے تذکرۂ اعظم کے نام سے ۱۳۵۳ھ میں آپ کا کچھ کلام اور مختصر حالات چھپوائے ہیں، اس کتاب کے سوا کوئی اور کتاب اس دکنی شکسپیر کی کاغذی صورت میں نظر نہیں آتی کاش قربانؔ صاحب اعظمؔ کے ڈرامے بھی چھپوا دیتے، کلام کا کچھ انتخاب پیش کیا کیا جاتا ہے،

ترا نام مالکِ دو جہاں تو مقام ہے ترا لامکاں
یہ سُنا تھا پر جو تلاش کی نہ ملا کہیں بھی پتا نشاں

نہ نشاں ملا ہوا انجاں لگے کہنے روکو دل و زباں
یہ مجال تیری سوا کسے کہ بھرے غریب کی جھولیاں

جو کبھی غریب رہا نہ ہو وہ کسی غریب کو دیگا کیا
دے کر لیتا

ستارے نور جو بلبل و نہار دیتے ہیں
درخت پھول کے جو ہمکو ہار دیتے ہیں

یہ بحر جو گہر آبدار دیتے ہیں
تو کب کسی کو وہ چیزیں اُدھار دیتے ہیں

خدا کا ہے یہی قانون جو کہ جاری ہے
جو دیکے لیتا ہی کم ظرف ہی بھکاری ہے

کہا جب سے ہم نے دوستی اک برہمن کے ساتھ
تب ہم سے جھک کے ملنے لگی حسنِ ظن کے ساتھ

طرزِ بیاں کو دیکھو اپنی زباں کو دیکھو
ہیں واقعات سارے اپنی ہی داستاں کے

میرے دشمن ہیں میرے دوست یہ دوست دشمن ہیں
زمانے میں کسی کو ایسی قسمت مل نہیں سکتی

یہ زندگی ہی میں مردہ بدست زندہ ہیں
وہ شیخ جی جو ہیں لیٹے ہوئے تہ خانے میں

جو دام ہو دام زلف سوا اس دام کے کچھ بھی دام نہیں
دم دیتے ہیں دام میں لا کے وہ اور پاس ان کے جو دام نہیں

دشمن کو دکھ دینے کا ہرگز نہ کبھی ارمان کرو
جس سے ہو تم سکھی ہو تم ویسی ہی پیدا شان کرو

چندن کو تو آرا کاٹے صندل اسکو خوشبو دے
دشمن کے عملوں پر جا اور ظالم پر احسان کرو

روشنی شام و سحر شمس و قمر دیتے ہیں
کوہ و دریا بھی ہمیں لعل و گہر دیتے ہیں

نخل بے جان ثمر اور گل تر دیتے ہیں
جو سخی داتا ہیں وہ آٹھ پہر دیتے ہیں

ختم دولت کبھی ہو جائے تو گھر دیتے ہیں
اور گھر بھی نہ رہے باقی تو سر دیتے ہیں

زمیں کے پیٹ پر انسان جب کولھو چلاتے ہیں
جگر میں چھید کر کے تخم بھی ڈالتے جاتے ہیں

زمیں اس ظلم کا آدم سے بدلہ کیسے لیتی ہے
وہ اتنے ظلم سہ کر زندگی بھر رزق دیتی ہے

غرض یہ زندگی بھر نیکیاں کرتی ہی جاتی ہے
اگر مرتے ہیں تو آغوش راحت میں سلاتی ہے

نہیں آدم کے سوا کوئی اعظم چراغ انجمن اچھے
زمیں بے جان ہے انسان سے اسکے چلن اچھے

درد سر کی مجھے بیماری ہے پیدائش سے
نام اس شوخ کا چندن ہے خدا خیر کرے

تمہارے واسطے ہے سہل مجھ کو جان دے دینا
مگر مشکل ہے تم کو اک نگا کر پان دے دینا

ساتھ موٹر کے چلا آتا ہے بجلی بن کر
تم تو کیا آپ کا بلڈاگ بھی شیدائی ہے

یہاں سے ہو کے رخصت اب تو ہر تکلیف جاتا ہے
کہ آمد کینک ٹکٹ کی ہر کلکٹان جاتا ہے

ایمان مرا ڈاڑہی منڈانے سے گیا — سنت اور لونڈر کے لگانے سے گیا
اسلام اسی پہ ہے جو زاہد موقوف — تسلیم میں یوں نجات پانے سے گیا

اعظم

خواجہ اعظم علیخاں ـــــ جہانگیر علی خاں آنف کے برادر زادے اور شاگرد ہیں، غزل اچھی کہتے ہیں،

تمہارے دل سے آخر مٹ گیا نقشہ عداوت کا — کبھو دیکھا تماشہ تم نے میرے جذب الفت کا
ہوا حاصل تو یہ حاصل ہوا تیری محبت میں — ہوا ناسور بڑہتے بڑہتے دلمیں زخم حسرت کا

اعجاز

اعجاز حسین ـــــ مہاراجہ بہادر کے مشاعرہ میں عموماً غزل پڑہتے ہیں، اچھے شاعر ہیں،

جسے لذت ملی دردِ نہاں کی — اسے حاجت نہیں آہ و فغاں کی
نگہ پڑتی ہے برق و آسماں کی — الہی خیر کرنا آشیاں کی
ہمارا ہر قدم ہو ایک منزل — مدد کرنا توانی ناتواں کی
نہیں ہے آزمائش صرف میری — غضب میں جان ہے ساری جہاں کی

اعجاز

محمد یعقوب خاں ـــــ بیدر کے متوطن ہیں، ابتداً کسی مدرسہ میں مدرس تھے ۱۳۰۶ف میں امتحان وکالت درجہ اول کامیاب کرکے وکالت شروع کی

اور اب بیدر کے ایک کامیاب وکیل ہیں، وسیع المعلومات اور قابل بزرگ ہیں، گلدستۂ نعت اور اقوالِ حکماء کے نام سے دو کتابیں طبع ہو چکی ہیں، شعر اچھے کہتے ہیں،

ادھر دل ہو گیا بیتاب لب پر جان ادھر آئی
تری فرقت میں یہ نوبت [illegible] آئی

حرم سے دیر کو آیا تو کیا تبدیل ہوا زاہد
طبیعت ہی طبیعت ہے جدھر آئی ادھر آئی

وصالِ یار کی آخر ہوئی شب تو کہا دل نے
مصیبت کی گھڑی آئی قیامت کی سحر آئی

دکھا بہارِ چمن کا ذرا سماں صیاد
[illegible] خبر ہمیں ہمدم کچھ تو شاد [illegible] صیاد

سناؤں کیا کہ نہیں طاقتِ بیاں صیاد
بہت ہے درد بھری میری داستاں صیاد

جو کیفیت تھی بہارِ چمن کی پیشِ نظر
وہ بات کنجِ قفس میں ہے اب کہاں صیاد

افضلؔ

افضل الدین ——— نظامیہ سلسلہ میں منسلک ہیں، شعر اچھے کہتے ہیں،

جو دستِ وحشت کی بن آئی ہے تو میں
گریباں ٹکڑے ٹکڑے کیوں نہ دامن دھجیاں کر لوں

سناؤں گا کسی دن داستانِ دردِ الفت بھی
ذرا میں اپنی نالوں کو تو پابندِ زباں کر لوں

[illegible]
[illegible] کر لوں

[illegible]
زمانہ [illegible] بیاں کر لوں

افسرؔ

میر حشمت علی ——— قادر الکلام نہایت اچھے خوشنویس ہیں معتمدی [illegible] مبارک

سے ملازمتی تعلق ہے۔ اب شاید مطیع رکاب سعادت کے نگراں ہیں شعر بھی خوب
کہتے ہیں،

ہمیں یہ تلتی رہی اسکی تیغ کیں برسوں | ہمیں پراس نے چڑھائی ہی آستیں برسوں
ہے پیاری شکل ہی طفلی بھی بھولی باتیں بھی | رہے الٰہی اسی حسن میں حسیں برسوں

افسر

شیخ محمد ـــــــ اکثر مشاعروں میں غزل پڑھتے ہیں، شعر اچھے کہتے ہیں،

کیا قہر ہے جو اس نے کیا رازداں مجھے | گویا زباں دے کے رکھا بے زباں مجھے
کچھ تخلیہ جو رہا بزم غیر میں | کیا کیا نہیں ہوا ہے شگر گماں مجھے
ناقابلِ جواب سمجھتا ہوں غیر کو | سمجھا ہوا ہے ایک جہان بے زباں سمجھے

اقدسؔ

محمد عباس ـــــــ محکمۂ طبابت سرکار عالی میں ملازم تھے شعر اچھے کہتے تھے
اور وقت واحد میں کئی ایک شعراء سے مشورہ کرتے تھے، چھ، سات سال ہوئے
کہ عین شباب میں انتقال کیا، ایک مجموعہ کلام کا شائع ہو چکا ہے،

عشق کہتا ہے کہ جذبات کا طوفان کہیئے | حسن کہتا ہے کہ غارت گرِ ایمان کہیئے
دلکو اُجڑی ہوئی بستی کا مشابہ کہیئے | خاک اُڑتی ہے تو تصویرِ بیاباں کہیئے
جلوہ ہائے رخِ رنگیں کا تماشائی ہے | نازپروردۂ آغوشِ حسیناں کہیئے
غم کے جذبات کو بیٹھے ہوئے اکساتا ہی | یہ وہ فتنہ ہے اسے فتنۂ دوراں کہیئے

پچھلی راتوں کو جو رونے کی صدا آتی ہے | دلکو ماتم کدۂ سوگ نشیناں سکہیے
پڑہی جاتی ہیں پہر گستاخیاں شوقِ فزا و انکی | دلِ بیتاب سے چہڑیں چلنے لگی حسرت جاتا نکی
دلِ بیتاب کی ہر تڑپ پر دم نکلتا ہے | رگوں میں کوند جاتی ہے جو بجلی دردِ پنہا نکی

اقبال

ملک عبدالوحید خان ــــــ نظام کالج کے قدیم طالب علم اور آجکل فوج باقاعدہ میں لفٹننٹ ہیں، جوان عمر شاعر ہیں نظم خوب کہتے ہیں،

حسن

حُسن سے ہوتا ہے دلمیں ایک ہی محشر بپا | کوئی دنیا میں تو ملتی ہی نہیں اسکی دوا
حسن ہی ہے جو دلِ پُر درد کی تسکین ہے | عشق کیا ہے؟ حسن کی چہوٹی سی اک تلقین ہے
حسن کیا ہے؟ یہ ید قدرت کا اک اعجاز ہے | اور حسینوں کی ادا قدرت کی اک آواز ہے
اس ادا میں کچہ کسی کو اور ہی منظور ہے | یہ وہ جلوہ ہے جو کوہِ طور میں مستور ہے

اکبر

سید اکبر علی ــــــ ۱۳۰۶ھ میں اورنگ آباد میں تولد ہوئے کمسنی ہی میں اپنے والد کے ہمراہ حیدرآباد آگئے اور یہیں تعلیم و تربیت پائی، مدرسۂ دارالعلوم سے مولوی فاضل کامیاب کیا اور پہر صدر محاسبی میں ملازم ہو گئے طبیعت صحافت کی طرف مائل تہی اس لئے ابتداءً رسالۂ صحیفہ ماہوار جسے حضرت کیفی نکالتے تھے آپ نے لے لیا اور مدت تک اسے ماہوار ہی نکالتے رہے،

حضور بندگان عالی کی تخت نشینی کے بعد ماہوار صحیفہ کو روزانہ کر دیا جو اب تک کامیابی کے ساتھ جاری ہے، آپ عربی فارسی کے زبردست عالم ہیں انگریزی بھی بقدر ضرورت جانتے ہیں اُردو بڑی اچھی لکھتے ہیں، ادبی مذاق بڑا اچھا ہے طالب العلمی ہی کے زمانے میں ایک عربی ناول "انسان الغاب" کا ترجمہ "جنگلی انسان" کے نام سے کیا تھا جو بہت مقبول ہوا، حیدرآباد کی سب سے پہلی ڈائرکٹری آپ ہی نے شائع کی اور حضور بندگان عالی کا پہلا سفرنامہ بھی آپ ہی نے مصور فوٹو آفسٹ سسٹم پر شائع کیا، نہایت با مذاق "پختہ مغز" پابند وضع بزرگ ہیں شعر گوئی حال ہی میں شروع کی ہے نعت بڑی اچھی کہتے ہیں ایک بے نظیر قصیدہ نعت میں کہا ہے جو افسوس ہے کہ اس وقت ہمیں مل نہ سکا مولوی سید مبارک صاحب بی، اے کے ناظم معلومات عامہ ہونے پر آپ نے جو مبارک باد کہی ہے اس کے چند شعر نقل کئے جاتے ہیں،

جلسۂ تبریک کی شرکت کی دعوت آئی ہے — کیا عجب میری دعا کی استجابت آئی ہے
یہ مبارک کام تھا جب تو مبارک کو ملا — کیوں نہ سمجھوں اسم بامسموم خدمت آئی ہے
ہو مبارک آپ کو یہ صیغہ معلومات کا — آپ کے سر اس سررشتہ کی نظامت آئی ہے
میں سمجھتا ہوں اسی دن سے ہوا اس کو زوال — جب سے مجھ نااہل کے گھر میں صحافت آئی ہے
انکی تدبیروں سے معلومات کے جاگیں نصیب — نسل سید میں ازل ہی سے سیادت آئی ہے
دور میں سید مبارک کے صحافت ہو وسیع — دور ہو جو کچھ مطابع پر مصیبت آئی ہے

اکبر اب طولِ سخن کے بدلے کچھ دیدیجئے دعا — آپ کے حصے میں فکرِ ملک و ملت آئی ہے

اکبر وفا قانی

سید محمد اکبر ——— وفا قانی، حیدرآباد کے رہنے والے ہیں، جامعۂ عثمانیہ سے بی، اے کیا ہے ۱۳۳۴ف میں مجلۂ عثمانیہ کے مدیر تھے، حسن کار کے نام سے ایک رسالہ مدت سے نکال رہے ہیں، نظم اچھی کہتے ہیں،

تاج محل کو دُور سے دیکھ کر

اک خواب کی دُنیا میں کھڑا دیکھ رہا ہوں — میں دہر میں تعبیرِ فنا دیکھ رہا ہوں
وہ گنبد و محراب وہ مینار نگینہ — یوں مجوِ تبسم کوئی خوابیدہ حسینہ
یوں دُور درختوں میں جو جلوہ نظر آیا — بادل سے کوئی چاند نکلتا نظر آیا
ہر شے متناسب کوئی گوہر کی لڑی ہے — اک حور ہے جو مرمری جالی میں کھڑی ہے
ہر قبہ چمکتا ہوا ہیرے کی کنی ہے — یہ ہند کا احرام زلیخا بدنی ہے
دوشیزۂ اقبال سلاطین کہیں اسکو — تیمور کی اولاد کی تمکین کہیں اس کو
گنبد ہے کہ یہ بختِ دلِ شاہجہاں ہے — جو اپنی تمنا کے لئے خود نگراں ہے

"حُسن کی دیوی"

(وینس آف میلاس (حسن کی دیوی) کا مجسمہ دیکھکر)

نفیس ملبوس مرمریں میں کھڑی ہوئی اک حسین شئے ہے
دلوں کے جو آمر اسکو، مجسم نظر کے حقہم لطفِ شئے ہے

یہ حُسن کلری کی جان شاعر کے دل سے پیدا ہوئی ہے گویا
حسین خالق کی آرزو شکلِ آزری میں چھپی ہوئی ہے
شباب کا جوش کم سنی کی شرارتوں سے نکھر گیا ہے
جو زلف بل کھا کے رُک گئی ہے تو محرمِ ناز اُبھر گیا ہے

اکرم

نواب اکرم الدین خاں بہادر ——— نواب ظفر جنگ شمس الملک بہادر مرحوم کے فرزند اور نواب لطف الدولہ بہادر کے بھائی ہیں، ۴ ذی حجہ ۱۳۰۱ھ کو تولد ہوئے حیدرآباد ہی میں تعلیم و تربیت پائی فارسی، عربی، انگریزی تعلیم گھر پر پائی، مطالعہ بہت اچھا ہے، شاعری سے بڑی دلچسپی اور ادب سے بہت شغف ہے، شعر خوب کہتے ہیں، مدت تک نواب لطف الدولہ بہادر کے ساتھ اپنی پائیگاہ کا کام کرتے رہے انتظامی اور ریاستی امور پر خاصا عبور ہے، بڑے نیک دل، خلیق، اور قابل امیر ہیں،

ہم دیکھیں گے ترا حسنِ عقیدت اے دل	لے تیرے سامنے مصحف بھی ہے زنار بھی ہے
لوٹتے ہیں ترے میخوار برنگِ بسمل	نگہِ مست بھی ساقی تیری تلوار بھی ہے

بقدرِ ظرف مے دیتا ہے ہم کو	بُری نیت نہیں پیرِ مغاں کی
لبِ خاموش میرے کم نہیں ہیں	نہیں طاقت نہ ہو آہ و فغاں کی
تیری صورت ہے پہچانی ہوئی سی	مگر ہوگی شناسائی کہاں کی

بحرِ حسن و عشق یکتائی کے دعویدار ہیں ــــــ تہ نہیں ہے ایک کی تو ایک کا ساحل نہیں
انکی نزدیکی قیامت انکی دوری ہے بلا ــــــ وصل کے لائق نہیں ہیں ہجر کے قابل نہیں

دونوں کے طول میں نہیں اک بال بھر کا فرق ــــــ زلف سیہ جواب شب انتظار ہے
اک دل کو میرے بیچ میں کیا اس نے لے لیا ــــــ کونین پر حکومت گیسوئے یار ہے

اکرم

محمد اکبر قادری ـــــــ قصبہ بھکنور تعلقہ کاماریڈی ضلع نظام آباد کے رہنے والے ہیں۔ سنہ ۱۳۰۱ھ میں پیدا ہوئے کم سنی ہی میں اپنے والد غلام محی الدین صاحب کے ہمراہ حیدرآباد آئے۔ یہیں تعلیم و تربیت پائی، گھڑی سازی کی دوکان کرتے ہیں طبیعت اچھی پائی ہے میر غضنفر علیشاہ قادری بیتاب (شاگرد شائق) سے تلمذ ہے شعر خوب کہتے ہیں:

غیر آئے تو آئے نظر کس طرح ــــــ خود نظر میری مد نظر ہو گئی
عکس آئینہ آئینہ گر بن گیا ــــــ شکل خالق ہی شکل بشر ہو گئی
دعوئے دید موسیٰ غلط ہو گیا ــــــ جب ذرا سی جھلک طور پر ہو گئی
ذات وحدت ہی خود شان کثرت بنی ــــــ تخم ہی سے نمود شجر ہو گئی

الم

میر مہدی حسین ـــــــ رضوی، الم اور علم تخلص کرتے ہیں۔ میر جعفر علی صاحب کے بیٹے ہیں، آپ کے نانا میر محمد حسین خان میر جملہ کے بھتیجے تھے، سنہ ۱۲۸۳ھ میں

پیدا ہوئے، ۱۳۰۵ھ میں استاد داغ کے شاگرد ہوئے، ڈاکٹر ہیں اور سیول سرجن رہ کر وظیفہ لے چکے ہیں، صاحب دیوان شاعر ہیں، گلبن تاریخ وغیرہ کئی ایک تصانیف چھپ چکی ہیں،

اللہ اللہ بے کسی کی موت بھی کیا موت ہے — لے گئیں حوریں جنازہ عاشق ناشاد کا
دیکھا نہیں ہے تم کو گزری ہے اک مدت — دیدار کو تمہارے آنکھیں ترس رہی ہیں
جب دیکھئے بلند سوئے آسماں ہیں ہاتھ — زاہد قبول بھی ہوئی تیری دعا کبھی؟
عشق دلمیں ہے وفا دلمیں ہے چاہت دلمیں — اور ان سب سے ہی بڑھ کر تری حسرت دلمیں
ہو بُرا کثرت ارمان وفا کا یا رب — کیا مچا رکھی ہے مدت سے قیامت دلمیں

امید

ابو الحسنات میر شاہ علیخاں —— آپ نواب صاحب کرنول کے نواسے ہیں، شعر خوب کہتے ہیں، پہلے نظامیہ سلسلہ میں منسلک تھے اب اپنے نام کے ساتھ قادری لکھتے ہیں، محترم شاہ لقب اختیار کیا ہے،

گو دل رہے رہے نہ رہے اس کا غم نہیں — تیغ ادا کی نذر کو اک نقد جاں رہے
قاصد سنادے حال مرا انکو صاف صاف — کیا فائدہ جو الجھی ہوئی داستاں رہے

امین

امین علیشاہ —— چشتی، شاگرد وطن شعر اچھے کہتے ہیں،

عشق احمد میں مجھے غم نہیں رسوائی کا — لطف آتا ہے عجب درد شکیبائی کا

اک نظر او شبِ معراج کے جانے والے — یہ بھی ارمان ہے آخر ترے شیدائی کا

امجد

امجد حسین ——— ۱۳۰۴ھ میں حیدر آباد ہی میں تولد ہوئے، مدرسۂ نظامیہ میں تعلیم اور تربیت پائی، پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کامیاب کیا، اور مدرس ہو گئے، مدرسی پسند نہ آئی تو دفتر صدر محاسبی سرکار عالی میں منتقل ہو گئے اور اب منتظم ہیں، یوں تو آپ کم سنی ہی سے شعر کہتے تھے مگر ۱۳۲۶ء کی طغیانی نے آپ کو آپ کے سارے خاندان کے ساتھ غرق آب کر کے آپکی طبعیت میں واقعی طغیانی پیدا کر دی اور آپ نے عجیب رقت آمیز شاعری شروع کی اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں، فارسی ترکی کو بتاتے تھے اور اردو حبیب کنتوری کو، یوں تو غزل، نظم، قصیدہ وغیرہ سب ہی کچھ کہتے ہیں مگر آپ نے رباعی کو "اپنالیا" ہے اور آج ہندوستان میں "واحد رباعی گو شاعر ہیں" نذر امجد، جمال امجد، حج امجد، وغیرہ آپ کی نثر کے مرقع شائع ہو چکے ہیں، حال ہی میں گلستان امجد کے نام سے گلستان سعدیؒ کے تاثرات کو لفظی نہیں بلکہ تخیلی اور مفہومی حیثیت سے اردو میں منتقل کیا ہے جو آپ کی نثر اور نظم دونوں کی قدرت کا یکساں مظہر ہے، ریاض امجد، خرقۂ امجد وغیرہ ناموں سے آپ کی رباعیات کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں، مولوی نصیر الدین ہاشمی نے آپ کی شاعری پر ایک مستقل کتاب شائع کی ہے، اور آپ کے مکتوبات

بھی شائع کئے ہیں،

تاریکئ دہر میں اُجالا نہ ملا | اس دور میں کوئی ہم پیالا نہ ملا
ہم عید میں کس سے عید ملتے امجد | جب وہ اپنا ہی ملنے والا نہ ملا

چھایا ہوا اک عالم بے ہوشی ہے | کونین کی فکروں سے فراموشی ہے
آنکھیں لذت میں ڈوب کر بند ہوئیں | یہ نیند ہے یا تیری ہم آغوشی ہے

اس ابر کی تہ میں برق خنداں بھی ہے | یہ گوشۂ تنگ محشرستاں بھی ہے
بجلی سی بھری ہوئی ہے اسکے اندر | یہ تن کا پہاڑ آتش افشاں بھی ہے

گیسو لہرا کے ناگ ہو جاتا ہے | نوحہ آخر کو راگ ہو جاتا ہے
ہرچند دیاسلائی اک تنکا ہے | صرف اک رگڑ سے آگ ہو جاتا ہے

کام کیا حسب مدعا نہ ہوا | اسکے فضل و کرم سے کیا نہ ہوا
ہم تو اک بار اس کے ہو جائیں | وہ ہمارا ہوا ہوا نہ ہوا
کیا ملا وحدت وجودی سے | بندہ بندہ رہا خدا نہ ہوا
بندگی میں یہ کبریائی ہے | خیر گذری کہ میں خدا نہ ہوا

برسوں کے بچھڑے ملگئے داغ دلوں کے دھل گئے | لپٹی ہے انکی خاک پا میرے سر نیاز سے
دلکی شکستگی نے آج جوڑ دیا کسی کے ساتھ | دیکھ لیا رخ حسین اس دل نیم باز سے

امیر

حسن علیخاں —— حیدرآباد کے قدیم شرفا سے تھے، ۱۲۷۰ھ میں



أحمد حسين - أمجد

پیدا ہوئے حیدرآباد ہی میں تعلیم و تربیت پائی' استاد داغ کے مخلص دوستوں اور رشید شاگردوں میں سے تھے' صفر ۱۳۵۴ھ میں انتقال کیا' صاحب دیوان تھے اور بڑے اچھے شعر کہتے تھے'

ہمیشہ ہم ٹھہر سکتے نہیں ہیں دیر و کعبہ میں — وہیں جانا پڑیگا ہمکو رہتے تھے جہاں پہلے

بندوں کی پھر کشاکش ہر زنانہ دیکھئے — بندا ایک دن اگر در میخانہ رہ گیا

جنگل ہو کوئے یار ہو یا ہو کوئی مقام — دل لگ گیا جہاں وہیں دیوانہ رہ گیا

رُخ پہ چلمن نقاب کی دیکھو — ان کو سوجھی حجاب کی دیکھو

جوشِ مستی میں محتسب سے ہم — پوچھتے ہیں کدھر ہے میخانہ

دن گزرتا ہے بیقراری میں — رات کو کب قرار آتا ہے

کعبہ کی جو عظمت ہے مرے دل کی وہی ہے — اس گھر کا مکیں اور ہے اس گھر کا مکیں اور

اٹھو امیرؔ تم نے دیا ہے کہیں جواب — کیا بیٹھے باتیں کرتے ہو پتھر کے سامنے

امیرؔ

محمد امیر ——— اورنگ آباد کے مضافات کے رہنے والے ہیں' اورنگ آباد میں تعلیم و تربیت پائی جامعہ عثمانیہ سے بی' اے' اور علیگڑھ یونیورسٹی سے بی' ٹی کامیاب کیا' آجکل ہیڈ ماسٹر ہیں اپنی نظموں کا ایک مجموعہ "من کی بانسری" کے نام سے شائع کر چکے ہیں' پروفیسر وحید الدین سلیم کی حیات انشاء پردازی اور شاعری پر ایک تفصیلی تنقید کتابی صورت میں شائع کی ہے. نظم اچھی کہتے ہیں'

آپ کی ایک نظم جو براؤننگ کی نظم "ربیع بن عذرا" کا ترجمہ ہے "شعیب و شباب" کے نام سے بہت مشہور اور مقبول ہوئی، حیدرآباد کے صاحبِ ذوق اور نوجوان شعرا میں آپ کا شمار کیا جاتا ہے،

سایہ میں جو آئی سورج نکل چکا تھا — منہ ہاتھ اپنے دھوکر کپڑے بدل چکا تھا
جوں ہی کہ ویل ٹھہری گاڑی سے نیچے اترا — دنیا میں آرزو کی پہلو میں لے کے نکلا
ناگاہ دل میں میرے اک تیر آ کے بیٹھا — تھی کچھ خبر نہ مجھ کو کس نے جگر کو تاکا
دیکھا تو ایک لڑکی پیغام جنگ دیکر — مندر کو جارہی تھی خوش رنگ پھول لیکر
دوشیزگی میں ڈوبی شرماتی جا رہی تھی — معصومیت کی گنگا اٹھلاتی جا رہی تھی
جنبش سے ابروؤں کی گردوں ہلا رہی تھی — گردش سے پتلیوں کی فتنے جگا رہی تھی
رخسار تھے شفق کے گویا لطیف ٹکڑے — لب برگہائے گل سے نازک، نفیس اور رسیلے
زلفوں کی وہ بناوٹ وہ مانگ پیاری پیاری — تھی کالی بدلیوں میں بجلی کی ایک دھاری
دیتا تھا اک تبسم پیغام زندگی کا — دل کو پلا رہا تھا اک جام زندگی کا

امیر

ڈاکٹر امیر احمد ــــــ حیدرآباد کے رہنے والے اور دسویں میں ہیں شگفتہ مزاج نوجوان شاعر ہیں خوب شعر کہتے ہیں،

شاد ہوں اپنی کامرانی سے — مست ہوں جامِ ارغوانی سے
میں پریشان ہوں جو رسے تیرے — یا ستم ہائے آسمانی سے

اس محبت میں ہائے دونوں کا　　کام بگڑا ہے بدگمانی سے
آزمائیں گے اپنا بخت امیر　　آج معروضہ زبانی سے

امید

شیخ نبی —— ۱۳۰۹ھ میں قصبہ نارائن پور (ضلع گلبرگہ) میں پیدا ہوئے غلام جیلانی صاحب قادری سے اردو فارسی پڑھی بتیس سال کی عمر میں طب یونانی کی سند لی، ۱۳۲۹ھ سے میر غضنفر علی شاد بیتاب کو کلام دکھانے لگے شعر اچھے کہتے ہیں،

وہ اسطرح سے ہے پوشیدہ میری رگ رگ میں　　گو نہیں رہتی ہے جس طرح گل کی بو روپوش
بجا ہے مجھکو برا اور بھلا جو کہتے ہیں　　بھلا ہی وصف بری بھی ہے مجھ میں خود روپوش
حرم میں دیر میں آنکھوں میں دل میں اے امید　　ہوا ہے اک بت ہرجائی جا بجا روپوش
بلاؤں سے ہوا محفوظ طیبہ جاکے جو آیا　　نبی کا آستان پاک ہے دارالاماں بیشک

انوار

حقیقت نما شاہ قادری —— انوار تخلص کرتے تھے، حضرت افتخار علیشاہ کے خلیفہ تھے "کشف الاسرار" کے نام سے ۱۳۴۵ھ میں آپ کا دیوان چھپا ہے۔ پرانی وضع کے بزرگ تھے، چونکہ حضرت وطن کے خلیفہ تھے اس لئے شاعری بھی انہیں کے رنگ کی ہے،

خدائی کو جان دفتر آسا ہے اسکا انسان گوشوارہ　　یہی ملک کیا ہی مجدہ اسی کا رتبہ ہے سب میں بالا

اسی کو ہے علم معرفت کا بھی تو ہی رازداں حق کا | اسی کو پہچان غور سے تو اسی کا دم کا ہے سب نظارہ
خوبی بخت اسے کہتے ہیں بر مشت غبار | مجھ کو حاصل ہے جمال رخ انور بروز
دیر میں کون ہے کعبہ میں گزر سکتا ہے | برہمن شیخ یہ دونوں میں اثر سکتا ہے

ایجاد

غلام محمد خاں ــــــ حضور بندگان عالی کی پیشی مبارک کے عرائض خواں ہیں، شعر بھی اچھے کہتے ہیں،

امید کیا ہو مہر کی اس سے جفا کے بعد | آئے نہ رحم کچھ بھی جسے التجا کے بعد
قید حیات گر نہ رہے گی قضا کے بعد | پائیں گے بند غم سے خلاصی قتا کے بعد
آئیں گے تعزیت کو ہماری وہ بعد مرگ | ماریں گے آشنائی کا دم آشنا کے بعد
آہ رسا مری سر گردوں پہ ہو گئی | برسے گی کیوں نہ بارش رحمت خدا کے بعد

اوجھڑ

باقر حسین ــــــ پرانی وضع کے دکنی بزرگ اور بہت تیکھے مزاج کے سپاہی منش شاعر تھے، شعر بھی اسی انداز سے پڑھتے تھے، نو دس سال ہوئے کہ نظر نہیں آ رہے ہیں معلوم نہیں زندہ ہیں یا مر گئے،

مراد لب گیا گنگا نہانے | الٰہی تو بچا اس کو مگر سے
نشہ میں یوں ہوا مبہوت زاہد | وضو کرنے لگا آب شجر سے

ہمیں افسوس ہے کہ محمد معظم خان صاحب اختر اور حکیم قاسم علی بیگ صاحب اخگر کا کلام ردیف الف کی کتابت ختم ہونے کے بعد دستیاب ہوا جس کی وجہ سے آخر میں شریک کیا جا رہا ہے۔

اختر

محمد معظم خاں ــــــ اکثر مشاعروں کے گلدستوں میں آپکا کلام نظر آتا ہے۔

سنبھل اے دل نہ کہیں بندۂ جاناں ہونا ۔۔۔ اسکے قبضہ میں کہیں جاکے نہ حیراں ہونا

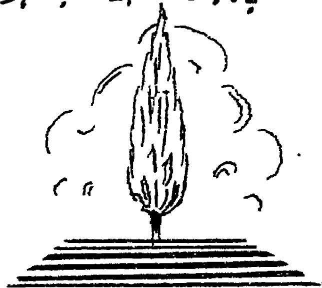
مدد اے جذبۂ عشق اب دمِ آخر ہے مرا ۔۔۔ چاہتا ہوں قدمِ یار پہ قرباں ہونا

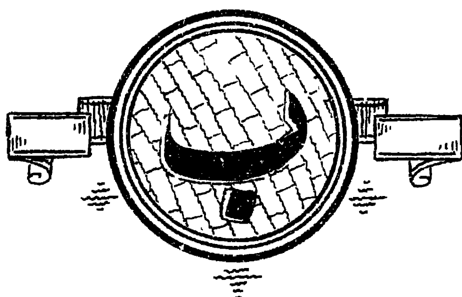
اخگر

حکیم قاسم علی بیگ ــــــ حیدرآباد کے رہنے والے یونانی طبیب ہیں۔ شعر خوب کہتے ہیں۔

زبانِ ناز سے ممکن نہیں کہ ہاں نکلے ۔۔۔ کہ جس کے لب پہ رہی ہی نہیں نہیں برسوں

جنوں کے جوش میں حالت نہ پوچھ مجنوں کی ۔۔۔ ہمیشہ چاک ہی داماں تو آستیں برسوں





باہر

ظہیر الدین احمد ــــــ حیدرآباد کے باشندے جامعۂ عثمانیہ کے بی، ایس، سی ہیں، شعر خوب کہتے ہیں، نظمیں اور گیت بھی بڑے اچھے لکھتے ہیں، ایک گیت "جنگل کا راجہ" کے دو بند یہ ہیں،

جاؤ بیٹا کھیت کو فوراً گیدڑ گھس کر آتے ہیں ۔۔۔ ادہر کی فصل جو کل کھڑی ہی کھا کھا کر بہلاتے ہیں
تیری بوڑہے ہے باپ کے بیٹا دیدی نیند کے ماتے ہیں ۔۔۔ جاؤ بیٹا کھیت کو فوراً گیدڑ گھس کر آتے ہیں

ساری تارے جانتے ہیں فرزند سعادتمند گیا ۔۔۔ کھیت کی مینڈھوں پر ہی ہوتا دہقاں کا دلبند گیا
آنکھ میں اپنی بنسی لیکر شاد گیا خورسند گیا ۔۔۔ ساری تارے جانتے ہیں فرزند سعادتمند گیا

باز

محمد تراب علیخاں ــــــ دکن کے قدیم جمعدار خاندان سے ہیں، حضرت کیفی سے تلمذ تھا اب شاد آزاد انصاری سے کبھی کبھی مشورہ کر لیتے ہیں، طبیعت اچھی پائی ہے، شعر خوب کہتے ہیں، غزل اور نظم دونوں بے تکلف موزوں کر لیتے ہیں،



تراب علی خان - باز

نہایت خلیق، آشنا پرست، علم دوست اور جدت پسند شاعر ہیں، آپ کا کتب خانہ بہترین قلمیات اور مطبوعات سے پُر ہے، اس تذکرہ کیلئے بھی آپ نے اپنے کتب خانہ سے بڑی امداد دی ہے راقم کے کرمفرما اور مخلص ہیں۔

شبِ وصال کی وہ شوخیاں خدا کی پناہ — خمارِ عشق کی انگڑائیاں خدا کی پناہ
شبِ فراق میں کاٹی پہاڑ سی راتیں — کسی کے ہجر کی وہ سختیاں خدا کی پناہ

کعبہ جسے سمجھے تھے اسکی یہ حقیقت ہے — دل کثرتِ عصیاں سے کالا نظر آتا ہے

فرشتوں کا استاد حیراں تھا — یہ مٹی کا انسان کیا چیز ہے
محبت میں چھوٹا بڑا ایک ہے — یہاں شوکتِ شان کیا چیز ہے

ایسی دو دن کی بہار وائے خزاں اچھی ہے — ہم اجڑتے ہوئے دیکھے ہیں گلستاں کتنے

ترے نام لیوا کہیں مٹ نہ جائیں — نگاہِ کرم تاجدارِ مدینہ
خدا نے مجھے خوب دولت عطا کی — محبت کا سینہ میں ہے اک دفینہ

میرے آتے ہی یہ کہکر وہ محفل سے ہوئے رخصت — ابھی تھا ذکر جسکا او وہی خانہ خراب آیا
محبت کو غلط ٹہرا دیا چاہت کو کہا دھوکا — ہمارے خط کے اک اک لفظ کا الٹا جواب آیا

سب کچھ ہے مگر کچھ بھی نہیں ہے جہاں میں — اک خواب ہے حقیقتِ دنیا کہیں جسے
تم گئے، صبر گیا، چین گیا، نیند گئی — ایک دل سے مری بیتابیٔ فرقت نہ گئی

بلوغ

محمد عبد الحی ——— حافظ محمد حسین فروغ سر کردہ کوتوالی بلدہ کے فرزند تھے

حافظ میرزا منیر الدین ضیا گورگانی دہلوی سے تلمذ تھا، حیدرآباد ہی میں تعلیم و تربیت پائی، اچھے تعلیم یافتہ اور صاحبِ ذوق بزرگ تھے، محکمۂ مالگزاری میں ملازم رہ کر وظیفہ لیا اور چند روز ایک سال ہوئے کہ انتقال کیا، بڑے اچھے شاعر اور حیدرآباد کی آج سے بیس سال پہلے کی صحبتوں کی روحِ رواں تھے،

کسی استاد نے یہ بات کیا اچھی بتائی ہے
بھلائی میں برائی ہے برائی میں بھلائی ہے

وہیں صدہا محاسن ہیں جہاں یہ اک برائی ہے
وہیں لاکھوں معائب ہیں جہاں کچھ پارسائی ہے

بُری صورت، ردی حالت پہ کوئی ہی نکو سیرت
تو کوئی منہ کا بھائی پیٹھ پیچھے کا قصائی ہے

مراسم سارے مطلب کے روابط سارے مطلب کے
غرض کا ملنا جلنا ہے غرض کی آشنائی ہے

زمانے کا نہ دیں گر ساتھ تو دشوار ہے جینا
روابط اہلِ دنیا سے نہ رکھیں تو برائی ہے

یاس

کاظم علی ——— کاسگنج ضلع ایٹہ صوبہ متحدہ کے رہنے والے ہیں ۱۸۶۷ء میں علیگڈھ میں پیدا ہوئے گوالیار، رامپور وغیرہ میں ملازمت کی اور پھر حیدرآباد آکر گتہ داری (ٹھیکہ) کرنے لگے، استاد داغ کے شاگرد ہیں، شعر خوب کہتے ہیں، ایک زمانے میں مشاعرے بھی کرتے تھے،

جو غذا ہے وہ غذا ہے اسی اختلاط کا نام ہے
وہ شباب تھا کہ وہ شباب تھا جو بہار بن کے گزر گیا

کہیں طور کی تھی تجلیاں کہیں حسنِ حور کی بجلیاں
شبِ غم تصورِ یار میں کہاں کہاں سے گزر گیا

ترے ناز میں جو نیاز ہے وہ نیازِ حسن [illegible] از ہے
یہ نگاہ شرم سے جب جھکی ترا رنگ و رنگ نکھر گیا

دو چار ہوا نے تھا شکستہ آرزو کے جلتے بھی بچھڑ گئے — گلِ مدعا کا ورق ورق جو بندھا ہوا تھا بکھر گیا

نہیں مجھ سے تجھ سے مناسبت میں زوال ہوں تو عروج ہے — میں وہ حال ہوں جو بگڑ چکا تو وہ حسن ہے جو سنور گیا

کبھی یاس آ کے مٹا گئی تو امید آ کے جلا گئی — تری عمرِ باغؔ یونہی کٹی کبھی جی اٹھا کبھی مر گیا

باقی

عبدالقیوم خاں ——— نواب احمد نواز جنگ بہادر ثاقبؔ کے فرزند، جامعہ عثمانیہ کے ایم اے اور ریسرچ اسکالر ہیں۔ ۱۹۳۹ء میں مجلہ عثمانیہ کے مدیر حصہ انگریزی بھی رہ چکے ہیں، شعر خوب کہتے ہیں، ایک نظم نقل کی جاتی ہے

افسانۂ آدم

ہے چمن میں شورِ مستانہ مرا — ہر گل و غنچہ ہے افسانہ مرا

جاں فزا نغموں کو سن کر عندلیب — چہکتی پھرتی ہے کاشانہ مرا

قطرۂ دل گنگیا دریا ترے سے — بھر نہیں سکتا تھا پیمانہ مرا

اٹھ گئے اے موسیٰ کہ بس اب کچھ نہیں — جلوہ تھا اک بے حجابانہ مرا

سیکھتے ہیں نونہالانِ چمن — عشوہ و انداز ترکانہ مرا

موت ہے اس پر سکوں مستی مری — حشر ہے اک شورِ رندانہ مرا

مجھ میں پنہاں ہیں زمین و آسماں — میرے اندر ہے پری خانہ مرا

خاک سے نیچا ہے میرا آستاں — عرش سے اونچا ہے کاشانہ مرا

باقر

میر باقر علی ـــــ ایم اے، حیدر آباد کے رہنے والے اور محکمہ کروڑ گیری میں ملازم ہیں، اچھے شعر کہتے ہیں،

قتل کرتے ہیں مجھے ناز و ادا سے پہلے
زہر کا کام وہ لیتے ہیں قضا سے پہلے

آپ کہتے تو ہیں عاشق کو نہیں تاب جفا
پوچھ لیتا تھا مگر اہل وفا سے پہلے

بانی

سید محمد حسین ـــــ مجلس بلدیہ حیدر آباد سے ملازمت کا تعلق ہے شعر بھی خوب کہتے ہیں،

ماہ رو ملتے ہیں رک رک کے تو چلتا ہے پتہ
صاف باطن نہیں رکھتے ہیں کدورت دل میں

وہ تصور میں مرے آٹھ پہر رہتے ہیں
روز افزوں ہوئی جاتی ہے محبت دل میں

سرخی اشک یہ کہتی ہے تری فرقت میں
اب تو کچھ حد سے بڑھی جاتی ہے الفت دل میں

بدر

ابو الکلام بدر الدین ـــــ جامعہ عثمانیہ کے فارغ التحصیل ہیں، حیدر آباد کی علمی، ادبی جدوجہد میں پیش پیش رہتے ہیں، شعر خوب کہتے ہیں، خصوصاً نظم بہت اچھی لکھتے ہیں،

آرزو

اے امید دکھلا بہاروں کے جلوے
شب تار میں چاند تاروں کے جلوے

مقابل میں مانگے ہے ترسا ہوا دل
بتوں کے نظارے نگاروں کے جلوے

اسیرِ قفس کو وہ رنگینیاں دے
نظر میں پھریں سبزہ زاروں کے جلوے

شرارِ محبت حقیقت نما ہو
تماشائے سینہ ہو پیاروں کے جلوے

فراقِ وطن نبرد ودمارے ہوئے ہیں
رولائیں جنہیں کوہساروں کے جلوے

خدا یوں کرے بدرؔ پھر ہوں میسر
وہ جنگل کے سبزآبشاروں کے جلوے

غزل کا نمونہ یہ ہے،

غم جو چھا جاتا ہے دلپر تو برس جاتا ہوں
اے فلک تونے سکھایا مجھے نیساں ہونا

کوچۂ یار میں آ دیکھنا منظور ہے گر
خاک کے فرش کا اورنگ سلیماں ہونا

ذرے ذرے میں نظر آتے ہیں تیرے جلوے
چمنِ دہر کی قسمت تھی پرستاں ہونا

بدرؔ

بدرالاسلام ——— حافظ عبدالحیؒ صاحب مرحوم کے فرزند اور مولٰینا کرامت علی صاحب دہلوی کے خاندان سے ہیں علم و فضل خاندانی میراث ہے، قانون سے دل چسپی ہے اسی لئے مدت سے وکالت کرتے ہیں، طبیعت اچھی پائی ہے شعر بھی خوب کہتے ہیں، متوسط العمر شاعر ہیں، حیدرآباد میں قیام ہے،

کچھ بھی ہو صورتاً فقیر تو ہے
گو عبارت نہیں لکیر تو ہے

کوئی دلکا خواہاں کوئی جان کا طالب
زمانے میں ہیں مہرباں کیسے کیسے

طبیبو اٹھو بھی شفا ہو چکی
دوا کر چکے بس دوا ہو چکی

بدیع

سید بدیع الدین احمد ــــــ شعرا جیسے کہتے ہیں، مشاعروں میں بھی شرکت کرتے ہیں،

لب پہ اظہارِ محبت ہے عداوت دلمیں ۔۔۔ شکر ہے انکی زباں پر تو شکایت دل میں
اسکا جلوہ ہے نگاہوں میں بقدرِ دیدار ۔۔۔ اونکی الفت ہے باندازۂ وسعت دل میں
کبھی آباد ہوا تو کبھی ویرانہ ہوا ۔۔۔ کیا رہا کیا نہ رہا تیری بدولت دل میں
چار لوگوں کی نگاہوں سے جو گر جاتا ہے ۔۔۔ ایسے انساں کی ہوتی نہیں عزت دل میں

برتر

نادر علی ــــــ غازیپور کے رہنے والے ہیں، چالیس ایک سال ہوئے کہ حیدرآباد آکر راجے رایان بہادر اور ہز اکسیلنسی سر مہاراجہ بہادر کی ڈیوڑھیوں سے متعلق ہو گئے، حیدرآباد کچھ ایسا دامنگیر ہوا کہ یہیں رہ گئے آپ حیدرآباد کی بڑی بڑی صحبتیں دیکھ چکے ہیں، داغ اور امیر کے معرکوں کا لطف اٹھا چکے ہیں کروڑوں مشاعروں میں شرکت کی ہزاروں شاعر بناڈالے، اب بھی آپ کے سینکڑوں شاگرد موجود ہیں،

حضرت کیفی حضرت تجلی اور حضرت ترکی سے بہت خلوص تھا، حیدرآباد اور حضور بندگانعالی سے آپ کو بڑی عقیدت ہے۔ خدا سلامت رکھے ع

ابھی اگلے بزرگوں کے نمونے پائے جاتے ہیں

ہوئی مشقِ تصور سے جلا کچھ اور حیرت پر ۔۔۔ نظر پڑتی ہے آئینے میں بھی اس بت کی صورت پر

عدو بیزار و برہم بزم وہ نادم ہوئے کیا کیا — میرے اشکوں سے پانی پھر گیا کچھ رنگِ صحبت پر
دکھا دو نگا اثر حسنِ بلاحت خیز کا تم کو — کھلیں گے جب لبِ زخمِ جگر شورِ قیامت پر
برا ہو بدگمانی کا غضب میں جان ہے یوں بھی — کہ وہ محجوب کیوں ہوتے ہیں دشمن کی شکایت پر

برتر

محمد احمد ـــــــ یوپی کے باشندے ہیں، مدت سے حیدرآباد میں رہتے ہیں بلکہ دکن کو وطن بنالیا ہے، ہائیکورٹ کے وکیل اور بڑے اچھے شاعر ہیں، نظم اور غزل پر یکساں قدرت ہے،

دیکھا گیا نہ وہ رخِ روشن حجاب میں — آہوں نے اٹھ کے آگ لگادی نقاب میں
اللہ ری انکی موجِ تبسم نقاب میں — بجلی سی ایک کوند رہی ہے سحاب میں
تصویرِ یار ہے میری چشمِ پرآب میں — دریا کو میں نے بند کیا ہے حباب میں
کیا مجھ کو ہجر و بر کی سناتا ہے داستان — کونین غرق ہیں میرے جامِ شراب میں

برق

سلطان محمود مرزا گورگانی ـــــــ شاہانِ مغلیہ کی یادگار ہیں، آج کل حیدرآباد میں قیام ہے، شعر بھی خوب کہتے ہیں، سرمہاراجہ بہادر کے مشاعروں میں ہمیشہ شریک رہتے ہیں،

پیشکش میں کیا کروں کچھ آپ کے قابل نہیں — نذر دل کرتا مگر دل بھی زیادہ دل نہیں
حضرت یوسف کو کیا نسبت ہے تجھ سے گلبدن — ہمسری تیری تو کرسکتا مہ کامل نہیں

طالب امن و اماں ہی آپ سے شاہِ دکن | پوتا عالمگیر کا ہے غیر سے سائل نہیں
برق جب چاہیں گے وہ تجہیر کرم فرمائیں گے | عقدۂ لاحل کا حل بھی شاہ کو مشکل نہیں

برزم

نواب عباس حسین خاں ——— حیدرآباد کے قدیم جاگیرداروں میں سے اور کسی ضلع کے ناظم عدالت (مجسٹریٹ) ہیں، شعر خوب کہتے ہیں،

شرمندہ وہ ہوئے ستم ناروا کے بعد | اب کچھ وفا کی قدر ہوئی ہی جفا کے بعد
سمجھو کہ ایک مجرم الفت تہا مر گیا | کیوں آپ رنج کرتے ہیں میری قضا کے بعد
اچھی صورت تو حقیقت میں غضب ہوتی ہی | دیکھکر یہ دل شیدا نہ مچلتا کیونکر
بات پردی کی ہے کہتے ہوئے آتا ہی حجاب | سامنے ان کے ہوا اظہار تمنا کیونکر

برزخی

سید غوث اللہ شاہ ——— قلندریہ سلسلہ کے شاعر ہیں، اندازِ سخن بھی قلندرانہ ہے،

مجھ کو کہہ دیں سرِ محشر جو پیمبر اپنا | پھر تو میدان قیامت ہے مقرر اپنا
حوصلہ پست ترا اور وہ شاہی دربار | عرض احوال ہو کیونکر دل مضطر اپنا
دل جو اٹھا ہے دکن سے تو یہی کہتا ہے | چل کے طیبہ میں لگا دیجئے بستر اپنا

بسمل

سید امین الحسن رضوی ——— آپ کے اجداد یوپی کے شرفا سے تھے، آپ

کی ولادت حیدرآباد ہی میں ہوئی اور یہیں تعلیم و تربیت بھی، عزیز لکھنوی کی صحبت نے شاعری کا شوق پیدا کیا اور آپ نے شعر کہنا شروع کیا ۱۳۱۶ھ ف میں نواب سالار جنگ بہادر کے اسٹیٹ میں ناظم مقرر ہوئے اور اضلاع پر رہنا پڑا انتہائی کی وجہ سے مشق سخن بڑھ گئی اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ آجکل آپ عدالت خفیفہ کے ناظم دوم ہیں۔

نہایت شریف النفس اور منکسر المزاج آشنا پرست بزرگ ہیں، غزل اور سلام خوب کہتے ہیں، خاصی مشق ہے،

رسیلی آنکھ کچھ ہمسے بھری معلوم ہوتی ہے — نظر گہری ہے لیکن سرسری معلوم ہوتی ہے
فروغ قدرت حق ہے تیری تصویر ہستی سے — اسی صورت سے تو صورت گری معلوم ہوتی ہے
تیری مستانہ آنکھوں کی قسم اب تو یہ عالم ہے — کہ دختِ رز بھی نظروں سے گری معلوم ہوتی ہے
زمانہ کچھ کہے لیکن انہیں زیبا نہیں کہنا — ذراسی بات بھی انکی بڑی معلوم ہوتی ہے
یہ دنیا اور اسکی کشمکش میں کیا کہوں بسمل — مجھے تو ایک جنگ زرگری معلوم ہوتی ہے

زہے قسمت ملا ایسا ٹھکانا — فراغت ہے کہیں آنا نہ جانا
میرا تو شیوۂ دیرینہ یہ ہے — ستم ہے یار کا آنسو بہانا
بڑے دعوے تھے ترکِ عاشقی کے — دلِ ناداں ذرا آنکھیں ملانا
جھکا دیتے ہیں آنکھیں میری ہر اک شکوۂ غم پر — نئی ترکیب ہے عرضِ ستم پر صاد ہوتا ہے
بڑھا دیتی ہیں غم حیرانیاں ترکِ محبت کی — خیالِ عیش ماضی سے اگر دل شاد ہوتا ہے

بسمل

محمد عبدالرزاق ـــــــ حیدرآباد کے رہنے والے ہیں، دارالعلوم کے طالب علم رہ چکے ہیں، ادبی ذوق بڑا اچھا ہے "صنفِ نازک" اور "تذکرۂ جمیل" دو تالیفات شائع کر چکے ہیں، شہاب کے نام سے ایک ماہوار رسالہ بھی دو تین سال سے نکال رہے ہیں، نہایت سنجیدہ اور مرنجان مرنج ادیب اور شاعر ہیں، شعر خوب کہتے ہیں مزاحیہ مضامین بھی اکثر لکھتے ہیں،

کچھ نہیں پوشیدہ سر اہل دل سے حالِ زار — کیوں ہوا شوریدہ سر آشفتہ گل سینہ فگار

عالم امکاں میں جب ہستی میری ظاہر ہوئی — کیا خبر تھی آگے چلکر ظلم ہوں گے بے شمار

غنچۂ نورستہ جبتک تھا تو میری خیر تھی — ہوگیا آگے قدم رکھتے ہی گلچیں کا شکار

کچھ دئے شبنم نے چھینٹے چاند نے کچھ مہر کی — گدگدایا پھر صبا نے ہنس دیا بے اختیار

میرا ہنسنا تھا ستم نکہت ہوئی پراں وہیں — ہر طرف سے میرے شیدا آگئے مستانہ وار

کوئی کہتا تھا کہ آ دل میں تجھے رکھ لوں ذرا — اے مرے نازک بدن شیریں ادا تیرے نثار

کوئی کہتا تھا کہ ہوں میں مثلِ بو آوارہ گرد — تیری فرقت میں ہوا جاتا ہے دامن تار تار

بشر

ابوالمظفر کلبِ حسین عبدالحلیم ـــــــ تاریخی نام مختار احمد ہے جس سے سنہ ولادت ۱۲۹۴ھ نکلتا ہے۔ مولوی عبدالعزیز عزیز ابن مولانا محمد مہدی واصف ابن عارف الدین خاں رونق کے فرزند ہیں قدیم دکنی اور ایک باعزت اور عالم و فاضل

خاندان کے رکن اور پشتینی شاعر ہیں، حیدرآباد میں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم پائی حضرت شیفتہ کنتوری سے مشورہ سخن کرنے لگے، سررشتہ کروڑگیری میں ملازم ہو کر وہاں سے انعام لیا اور اب درس و تدریس کا مشغلہ ہے۔ تاریخ بڑی اچھی نکالتے ہیں اور خوب مشق ہے۔ شیخ صدیقی ہیں، چونکہ نام مشتبہ ہے اس لئے اپنے مسلک کی وضاحت اس قطعہ کے ذریعہ کی ہے۔

کہتے ہیں عبدالحلیم بندہ ہے کلب حسین ۔۔۔ اور تخلص لبشر سنی من الجانبین

دل سے یہی ہے دعا تا دمِ مرگ ابتدا ۔۔۔ چھوٹے نہ سنت کوئی اور نہ ہی فرضِ عین

شعر خوب کہتے ہیں، خصوصاً نعت بہت اچھی کہتے ہیں،

ساغرِ جم مفت ملجائے یہی تو ہر گز نہ لوں ۔۔۔ ہاتھ آجائے اگر جامِ سفالِ مصطفیٰ

کیا زمیں کیا آسماں کیا عرش اور کیا لامکاں ۔۔۔ ہر جگہ ہے نورِ حسنِ بے مثالِ مصطفیٰ

فیضِ آلِ سرورِ دیں ہے ثمر بخشِ جہاں ۔۔۔ نخل بار آور ہے ہر شاخِ نہالِ مصطفیٰ

مجھسا خوش قسمت بشر کب ہے زمانے میں بشر ۔۔۔ ہوں فدائے مصطفیٰ شیدائے آلِ مصطفیٰ

بشر

صالح بن ناصر القعیطی ——— جناب گلشن حیدرآبادی سے تلمذ ہے۔ عرب ہیں مگر اردو کے شیدا اور اچھے شاعر ہیں،

لیکے پھرتا ہے مجھے شوقِ جنوں صحرا میں ۔۔۔ جوشِ مستی ہی کبھی ہے کبھی وحشت دلمیں

اسنے جس وقت الٹ دی رخِ انور سے نقاب ۔۔۔ کھنچ کے آنکھوں سے اتر آئی ہے صورت دلمیں

چین دنکو مجھے ملتا ہے نہ شب کو آرام
چٹکیاں لیتی ہے ظالم تری الفت دلمیں

راہ جسو قت نکلنے کی نہ پائی شب غم
ہوگئی دفن ترے وصل کی حسرت دلمیں

بشارت

بشارت علی ـــــ حیدرآباد کے اچھے شاعروں میں سے ہیں، آپ کا کلام اکثر اخباروں میں طبع ہوتا رہتا ہے،

چمن ہے اور گھٹا چھائی ہوئی ہے
یہ مدہوشی کے چھا جانے کے دن ہیں

یہی راتیں ہیں ہشیاری کی راتیں
یہی دن مست ہو جانے کے دن ہیں

نہیں زاہد عبادت کی یہ راتیں
نہ یہ حوروں کے افسانے کے دن ہیں

نہ ترسا ہمکو اے ساقی نہ ترسا
نہ ترسا یہ ترس کھانے کے دن ہیں

بلیغ

محمد انور الدین فاروقی ـــــ شعر خوب کہتے ہیں کبھی کبھی رسائل میں بھی آپکا کلام نظر آتا ہے،

سبزہ پر بہار سے سارا چمن ہوا
گلبن پہ عندلیب حزیں نغمہ زن ہوا

در پردہ بدظنی کا بھی ہے اسمیں شائبہ
میری طرف سے انکو اگر حسن ظن ہوا

بلال

احمد عبد العلی ـــــ حیدرآباد کے خوش فکروں میں سے ہیں، شعر خوب کہتے ہیں،

جان کر کر کہا نہ پہلے ہی قدم | اب جو کچھ ہو کھوئیے یا پایئے
دل سی شئے، اور مول اک ترچھی نگاہ | جایئے حضرت سلامت جایئے
ہم جو کہتے ہیں غلط، بیشک غلط | جانے دیجئے آپ ہی فرمایئے
سُن چکے احوال سارا تو کہا | اے بلال اب ٹھنڈی ٹھنڈی جایئے

بہار

سید علی ——— سید عبدالحق صاحب مدراسی کے فرزند تھے، قادریہ گھرانے کے مرید اور حنفی المشرب بزرگ تھے امیر مینائی سے تلمذ تھا مولداً مدراسی تھے مگر مدت سے حیدر آباد میں رہ گئے تھے، ۱۳۴۹ھ میں انتقال کیا اخبار مخبر دکن مدراس سے آپ کا تعلق تھا، اسی کی توسیع اشاعت اور نامہ نگاری میں منہمک رہتے تھے، اردو، فارسی شعر اچھے کہتے تھے،

نیم بسمل میرے قاتل نے مجھے چھوڑ دیا | اور آفت میں پڑا رحم کے قابل ہو کر
سختیاں بعد فنا بھی وہی باقی ہیں بہار | سنگ مرقد میری چھاتی پہ رہا سل ہو کر
یہ تیری نیچی نگاہیں کہہ رہی ہیں صاف صاف | مجھ سے بڑھکر وصل کا ارماں تیرے دل میں ہے

بہادر

بہادر علیخاں ——— جامعہ عثمانیہ کے بی، اے ہیں شعر خوب کہتے ہیں اور انگریزی نظموں کا ترجمہ بھی بڑی عمدگی سے کرتے ہیں، چنانچہ "رچرڈ کارسٹ بشپ آف آکسفورڈ" کی ایک نظم کا ترجمہ کیا ہے،

دعائے پدری

کون بتلائیگا میں چھوڑونگا کیا تیرے لئے ۔ سب ہیں گے چاہتا ہوں میں بھلا تیرے لئے
سیم وزر سے بیشتر اے "ون" ہے میری یہ دعا ۔ صحت جسمانی و روحانی ہو تجھکو عطا
فہم و دولت کی نہو حاصل فراوانی تجھے ۔ بسکہ یہ کمبخت کر بیٹھے گی دیوانی تجھے
علم دے تجھکو خدا جو ہو نمائش سے پرے ۔ وہ بھی اتنا خود سمجھکر اور کو سمجھا کرے
پر نہ اتنا کم کہ مثلِ صاحبانِ خوش لباس ۔ میز پر یا گرد گلخن گفتگو ہو بے اساس
اپنی ماں کی خوبیاں گر تجھکو ورثہ میں ملیں ۔ باپ کی دولت مراتب تجھکو ترکہ میں ملیں
ہو میسر دوست ایسا ایک ہو دربار میں ۔ تیرا حامی ہو سنا گر ہو نہ جو دربار میں
دوست ہوں ایسے رئیس جو ظلم سے تجھکو بچے ۔ پر نہ ایسے راے سی جنکی ستم کرتا رہے
صلح جوئی کام میں ہر اک ہو بس تیرا شعار ۔ سستی و قضیہ سے تیری زندگی ہو برکنار

بیگم

عابد مرزا ــــــ ریختے میں نعیم اور ریختی میں بیگم تخلص کرتے ہیں، شیرازی النسل ہیں، آپ کے بزرگ دربار اودھ میں کتاب خوانی کی خدمت پر مامور تھے، آپ کے والد حسین مرزا نواب فخر محل بیگم خاص نواب واجد علیشاہ کی سرکار میں ملازم تھے، آپ ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوئے کلکتہ کے مٹیا برج میں واجد علیشاہ کے زیر سایہ پرورش پائی، محلات کی قربت کی وجہ سے ریختی گوئی کا شوق ہوا اور آپ ریختی کہنے لگے آغا حجو شرف کو دکھاتے تھے، ۱۳۱۵ھ میں نواب لطف علیخاں

کے بیٹے نواب ابراہیم علیخاں نے پٹنہ میں مشاعرہ کیا تو آپ کی ریختی کا چرچا سن کر خاص طور پر بلوایا، واجد علیشاہ کے انتقال کے بعد آپ نے بھوپال کا قصد کیا وہاں سے حیدرآباد آئے اور یہیں رہ پڑے ہز اکسیلنسی سر مہاراجہ بہادر نے قدردانی کی اور آپ کو اپنے دربار میں جگہ دی چنانچہ آپ اب تک مہاراجہ بہادر ہی کی ڈیوڑہی سے متعلق ہیں، اپنی وضع کے ایک ہی بزرگ ہیں اور اب ہندوستان میں آپ تنہا ریختی گو رہ گئے ہیں، اور واقعہ یہ ہے کہ خوب کہتے ہیں، آپ کی ریختی گندگی سے پاک اور نہایت سلجھی ہوئی ہوتی ہے۔

نوح ہوا اس موئے بیدرد کی چاہت دلمیں — چھٹ مرے سوت کے رکھے جو محبت دلمیں
کیا اثر بخشا ہے اللہ کی قدرت کے نثار — نام سے مردوے کے آتی ہے فرحت دلمیں

دیکھتی ہوں خواب دہشتناک جب سوتی ہوں میں — فال کھلوائے کہاں جاؤں کوئی عامل نہیں
ظلم کرتا ہے مرے اوپر جو ناحق بیدھڑک — او موئے سمجھا ہے تو شاید خدا عادل نہیں

بہن ڈیوچھے میکے جاؤں کیونکر — اطاعت فرض ہے مجھپر میاں کی
مزے میں نے اڑائے زندگی کے — نگوڑی سوت ہی نے خاک چھانکی
نہ ہاری مانتا ہے تو نہ جیتی — موئے تجھ میں ہے ہٹ دھرمی کہانکی
مقدر ہی برا ہے اپنا بیگم — شکایت کیوں کروں میں آسمانکی

بیتاب

میر غضنفر علی قادری الجمالی ـــــــ بلدہ ہی کے متوطن اور اچھے شاعر ہیں۔

یاس آلود ہے دیدار کی حسرت دلمیں
پردہ غم کا کئے بیٹھی ہے مسرت دلمیں

اب تصور ہے مقید نہ تخیل مطلق
بنگئی خانہ نشیں خود تری الفت دلمیں

بیکس

محمد غوث الدین قادری ـــــ حیدرآباد کے کہنہ مشق شعراء میں سے ہیں، شعر بھی خوب کہتے ہیں، شاگردوں کی تعداد بھی خاصی ہے،

تاب نظارہ نہ لانا بھی غضب ڈھا یا ہے
ہائے پھر رہ گئی دیدار کی حسرت دلمیں

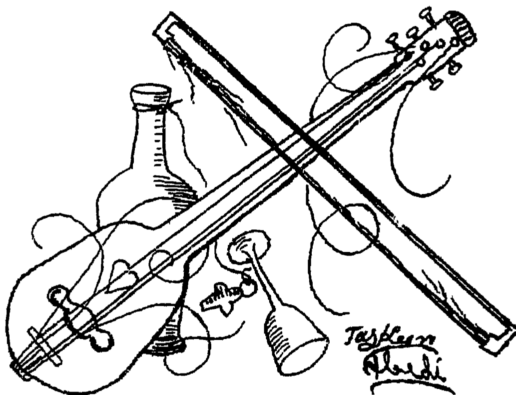
صاف دل مجھسا زمانہ میں نہ ہوگا کوئی
اپنے دشمن سے بھی رکھتا ہوں محبت دلمیں

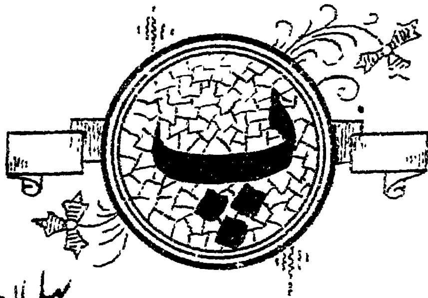
عشق جبدن سے ہوا اس بت ہرجائی کا
خوف کچھ بھی نہ رہا ذلت و رسوائی کا

تمسے اچھا کوئی بیمارِ محبت نہ ہوا
اور دعویٰ ہے تمہیں اسپہ مسیحائی کا

حشر میں کاتب اعمال کو حیرانی ہے
دُھل گیا اشک ندامت سے جو دفتر اپنا

کیوں نہ ہو فخر ہمیں روز قیامت بیکس
حشر اپنا ہے خدا اپنا پیمبر اپنا

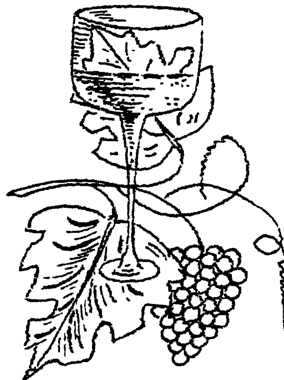




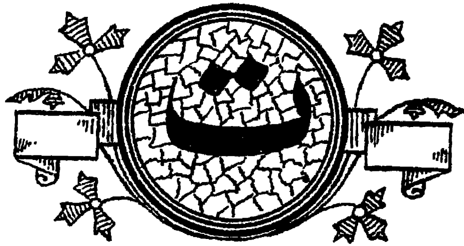
پہلوان

محمد غفار ـــــ رحمت صاحب کے شاگرد اور واقعی پہلوان ہیں، شاعری کے داؤں پیچ سے بھی واقف ہیں، شعر بھی کہہ لیتے ہیں، مشاعروں میں اکثر شرکت کرتے ہیں،

جم گئی ہے بتِ رعنا کی جو صورت دلمیں — تختۂ مشق ہے ظالم کی محبت دل میں
نقدِ دیدارِ ضیا بار سے محروم نہ کر — ہم بھی رکھیں گے تری دی ہوئی نعمت دلمیں
کیوں نہ ہم تم کو پہلوان کہیں مردِ سخن — جب کہ تم کرتے ہو اذکار کی کثرت دلمیں



تسکین عابدی



تاثیر

ندیم الحسن ——— یوپی کے رہنے والے جامعہ عثمانیہ کے بی، اے ہیں، نوبلز کالج کے لکچرار اور شاعر بھی ہیں،

کُھلا جو مسلم پُر جوش پر درِ توحید | زباں پہ آ گیا بے ساختہ لہ التحمید
ہزار شکر کہ توفیقِ نعمت اس نے دی | ہے ساتھ حمد کے نعتِ رسول کی تاکید
اگرچہ حمدِ خدا بھی ہے عین نعتِ رسول | احد میں ہو گئی احمد کی میم سے تمدید
ملا طفیل سے جس کے وہ ظل سبحانی | کہ جس کے دم سے تہی تاباں کمال کی ناہید

تاج

محمد تاج الدین ——— پائیگاہ آسماں جاہی کے متوسل اور قدیم خاندان سے متعلق ہیں، نہایت اچھے شاعر ہیں، زیرک صاحب سے تلمذ ہے ۱۰ رجمادی الاول ۱۳۲۳ھ کو پیدا ہوئے ———

اُٹھتی ہے دل میں ہوک سی ہوتا ہے اختلاج سا | پچھلے دنوں نہ تھا کبھی حال خراب آج سا

تیر مژگاں بن گئے تلوار آنکھیں ہو گئیں   دل کے دو ٹکڑے ہوئے جب چار آنکھیں ہو گئیں

کیوں زلف پریشاں ہے عارض پہ یہ کیا دھج ہے   بے وجہ الٰہی کیوں آج ابر میں سورج ہے

شریکِ حال ہو کیونکر سیہ بختی میں پھر کوئی   اندھیرے میں جدا مجھسے ہوں جب پرچھائیاں میری

تائب

سید صبغۃ اللہ ——— مدرسہ دار العلوم کے مدرس ہیں، شعر و سخن کا بچپن ہی سے شوق ہے۔ خصوصاً نعتیہ شعر بڑے اچھے کہتے ہیں، نہایت شریف اور مرنجان مرنج بزرگ ہیں، راقم الحروف کے اُستاد اور خاص عنایت فرما ہیں،

رمزِ الفت سے نہیں جبکہ تو واقف زاہد   پھر ملے گا تجھے کیا بدلہ جبیں سائی کا

منزلِ عشق میں بس ایک ہیں گوری کالے   زعم باطل ہے یہاں نسبت آبائی کا

تبارک

سید تبارک علی ——— آپ کا کلام اکثر گلدستوں میں نظر آتا ہے۔ شعر اچھے کہتے ہیں،

تیری تقدیر میں تھا خسروِ خوباں ہونا   میری قسمت میں تھا آئینہ حیراں ہونا

میرے ایمان کو دکھاتی ہے محبت کی اُمنگ   نگہِ ناز کا غارت گرِ ایماں ہونا

تجلی

ابو المعنی سید منتجب الدین ——— آپ کے اجداد شہر اور گنج بخارا کے شرفا اور سادات سے تھے، آپ کے دادا نواب سید یار جنگ بہادر ابتداً بخارا سے دکن آئے

اور خطاب، منصب اور جاگیر کے علاوہ صوبہ داری اورنگ آباد سے سرفراز ہوئے، آپ کے والد نواب میر سیادت علی خاں بہادر ناظم دیوانی بلدہ تھے، آپ صحیح النسب سید ہیں اور امام موسیٰ کاظمؓ سے سلسلۂ نسب ملتا ہے۔ ربیع الثانی ۱۲۹۲ھ ۱۸۸۴ء میں آپ حیدرآباد میں تولد ہوئے، ابتدائی تعلیم مکان پر پائی پھر مدرسہ دارالعلوم اور مدرسہ دینیہ سے تکمیل کی، اپنے چچا نواب سید برہان الدین خاں بہادر ناظم دیوانی بلدہ (جو بعد کو ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے تھے) سے ادب اور حدیث، مولانا عبدالصمد سمرقندی سے تفسیر، فقہ اور منطق، مولوی محمد اسمٰعیل صاحب سے صرف و نحو پڑھی، حضرت آغا داؤدؒ سے بیعت کی، بچپن سے شعر و سخن کا ذوق تھا اور مرشد چونکہ صحو تخلص کرتے تھے اسلئے آپ فحو تخلص کرنے لگے پھر خار اور اس کے بعد تجلی تخلص اختیار کیا، اردو، فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے ابتداً فارسی آغا شوستری کو دکھاتے تھے ان کے انتقال کے بعد ترکی کو دکھانے لگے، اردو میں ابتداً میکش سے مشورہ کرتے رہے پھر حافظ مرزا منیر الدین ضیا گورگانی سے، اور استاد داغ کے حیدرآباد آنے کے بعد سے داغ سے مشورہ کرنے لگے،

۱۳۱۱ف میں موجود الخدمتہ تحصیلداری ہوئے اور ۱۳۱۷ف میں صوبہ داری گلبرگہ میں صیغہ دار کی حیثیت سے مامور ہو کر ۱۳۱۵ف میں ضلع رائچور کے صدر خزانہ دار ہوئے، ۱۳۲۲ف میں محاسب ضلع ہو کر عثمان آباد گئے اور ۱۳۳۳ف میں پھر صدر خزانہ دار ہو کر گلبرگہ شریف چلے گئے اور ۹ رمضان ۱۳۳۶ف (۱۶ اگست ۱۹۲۷ء) کو گلبرگہ شریف ہی میں انتقال کیا اور وہیں خواجہ بندہ نوازؒ کے پائین میں آسودہ ہوئے، حضرت تمکین کاظمی آپ ہی کے خلف ارجمند ہیں،



مولانا تجلی مرحوم

ولادت
ربیع الثانی سنہ ۱۲۹۲ ہجری - حیدرآباد دکن

وفات
۱۰ صفر سنہ ۱۳۴۶ ہجری - گلبرگہ شریف

شعر بہت اچھے کہتے تھے جملہ اصنافِ سخن پر عبور تھا، غزل اور قصیدہ میں بڑی مہارت تھی، آخر عمر میں غزل گوئی کم کردی تھی، نعت بہت کہتے تھے، اُردو اور فارسی میں دیوان مکمل کرلیا تھا، آپ کی سوانحعمری اور اُردو دیوان آجکل مولینا تمکین کاظمی مرتب کر رہے ہیں، یقین ہے کہ عنقریب شائع کردیں گے،

تجلی حیدرآباد کی اس علمی اور ادبی پارٹی کے روح رواں تھے جو غلام حسین داد، عبدالحی بانغ، رضی الدین کیفی، نادر علی برتر، قطب الدین تسلی، بادشاہ محی الدین وجودی محمد علی خاں ناظم وغیرہ پر مشتمل تھی، خصوصاً داد، بانغ، تجلی اور کیفی نے حیدرآباد میں بڑی علمی و ادبی جد وجہد کی، چونکہ ۱۳۱۱ف میں ملازمت کی وجہ سے گلبرگہ چلے گئے اس لئے حیدرآباد کی علمی سرگرمیوں میں آخر عمر تک حصہ نہ لے سکے گلبرگہ، رائچور، عثمان آباد جہاں جہاں آپ رہے علمی خدمت کی، ان مقامات پر آپ کے سینکڑوں شاگرد موجود ہیں،

حضرت تجلی نہایت اچھے خوشنویس بھی تھے اور فنون لطیفہ سے بھی شغف رکھتے تھے نثر بھی اچھی لکھتے تھے، پابند صوم وصلوٰۃ، مخیر اور ہمدرد، مخلص اور قدیم وضع کے بزرگ تھے، فطرتاً گوشہ نشین اور غیر شہرت پسند واقع ہوئے تھے، آبائی منصب سے بھی سرفراز تھے، اور نہایت قانع، نہ تو ترقی کے لئے کوشش کی اور نہ شہرت و نام و نمود کی خواہش، نہایت خاموشی کے ساتھ اپنی زندگی گزار دی،

ہر وقت یہ فرماتے تھے اُستاد تجلی — یہ میری زبان ہے یہ اڑایا ہے میرا رنگ

جواں ہوتے ہو جتنے اُسقدر جوہر نکلتے ہیں — تمہارے پاؤں کیا کیا پیٹ سے باہر نکلتے ہیں

عدو سے بزم میں سرگوشیاں دیکھی نہیں جاتیں | تمہارے گھر سے ہم اشکوں سے منہ دھو کر نکلتے ہیں
بھلا کس واسطے منت پذیر برق و باراں ہوں | ہمیں پہلے نہ کیوں برباد اپنا آشیاں کر لیں
میخانوں کی غیبت سے بھلا حضرت زاہد | دوزخ کے سوا آپ کو ہاتھ آئیگا کیا خاک
دل و جان کھو کے بیٹھا ہوں حسینوں کی محبت میں | اٹھائے نفع کے بدلے بہت نقصان الفت میں
کچھ تو بتوں کے عشق میں دیکھا جو کھو کے ہوش | دیوانہ میں نہیں ہوں بڑا ہوشیار ہوں
قیامت میں جمال حق ہی ہی دیدار حضرت ہی | کسے دیکھوں ابھی سے میری ڈانواں ڈول نیت ہے
ولولہ وحشت دل خاک نکالے اپنا | یاں گریباں ہی گلے میں نہیں دامن کیسا
اس شوخ مزاجی پہ شریروں کی ہے صحبت | کیا جانئے لائیگی طبیعت تیری کیا رنگ
ہوا تقویٰ میرا برباد ان مخمور آنکھوں سے | ملائیں ہائے کیوں آنکھیں تیری مشہور آنکھوں سے
جام مئے گلرنگ ادہر ہی میرے ساقی | دس بیس نہیں ہیں تو نہیں دو چار کبھی تو
اب نہیں سوا تیرے کوئی اے خدا اپنا | آشنا وہ غیروں کا ہو گیا جو تھا اپنا
دیکھئے بنے کیسی جان پر محبت میں | آنکھ جنگجو ان کی دل بگھڑ گیا اپنا
دل آغشتۂ خوں قالب تو ایک آبلہ سا ہے | انہیں یہ فکر کیا لینا مجھے یہ شرم کیا دینا
کلس پر رات دن چھایا ہوا اک ابر رحمت ہے | زمیں گنبد کی ہی فردوس تو عرش بریں چھت ہے
ہمارے حق میں ہی یثرب کا کانٹا پھول سے بہتر | ہمارے حق میں صحرائے مدینہ باغ جنت ہے
وہ دریائے شفاعت جوش پر ہی میرے آقا کا | ہی محرک کون میرا قطرۂ اشک ندامت ہے



عبد الحکیم - تدبیر

تدبیر

محمد عبد الحکیم ۔۔۔۔۔ ۲۰ شعبان ۱۳۲۶ھ کو پیدا ہوئے حیدرآباد کے قدیم اور شریف گھرانے سے ہیں، مدرسۂ دار العلوم سے منشی عالم اور مولوی فاضل کامیاب کیا اور فقہ و تفسیر وغیرہ کی تکمیل علامۂ شمسی مرحوم سے کی، توفیق سے مشورۂ سخن کرتے تھے اب اپنے طور پر شعر کہتے ہیں، مدرسۂ گوشۂ محل کے مدرس ہیں بڑے اچھے شعر کہتے ہیں طبیعت میں ثقاہت سنجیدگی بہت ہے نہایت کم سخن مخلص اور نیک نفس بزرگ اور راقم الحروف کے شفیق ہیں،

یہ بے رنگی تو دیکھو رنگ تک آتا نہیں لیکن ۔۔۔ نکالا دیتے ہیں ہاتوں کی مہندی چلبلے پن سے
سکھلایا اداؤں نے یہ، لطف و ستم ورنہ ۔۔۔ کب انکی نظر میں تھی جادو نظری اتنی
سکونِ قلب گیا اضطراب ہو کے رہی ۔۔۔ محبت آئینہ انقلاب ہو کے رہی
دلِ حزیں کی نظر میں خوشی زمانے کی ۔۔۔ خیال ہو کے رہی اور خواب ہو کے رہی
ایک کیا سینکڑوں دل ہو گئے پامالِ خرام ۔۔۔ فتنہ ساماں مرا جس راہگذر سے نکلا
آئینہ طلعتِ زیبا کا ہے کاشانۂ دل ۔۔۔ حسن کا ایک مرقع ہی پری خانۂ دل
چشمِ مخمور میں ہوتی ہے شگفتہ جو بہار ۔۔۔ ہے اسی رنگ میں ڈوبا ہوا پیمانۂ دل
موجزن اس میں حقیقت کا بڑا دریا ہے ۔۔۔ دیکھنے کے لئے چھوٹا سا ہے پیمانۂ دل
کلیجے جنکے ہوں فولاد کے یا دل ہوں پتھر کے ۔۔۔ شنے جائیں گے شاید نسے نالِ قلبِ مضطر کے
یہ کس کا کام ہے اپنی نگاہ سے پوچھو ۔۔۔ زراسی چوٹ آئے اور دل میں درد پیدا ہو

ترکی

ترک علی شاہ قلندر ـــــــ فردوسی طوسی کے خاندان سے تھے، آپ کے اجداد نادر شاہ کے ساتھ ہرات سے آکر لاہور میں اقامت گزیں ہوئے، والد کا وطن نور محل (مضافات لاہور) تھا مگر والدہ ہرات کی رہنے والی تھیں اس لئے آپ اپنی مادری زبان فارسی سمجھتے تھے، فارسی پر کامل عبور تھا، سترہ سال کی عمر سے شعر کہتے تھے، گل محمد خاں ناطق مکرانی سے تلمذ اور حضرت غوث علی شاہ قلندر پانی پتی سے بیعت تھی، مولوی شہاب الدین ثاقب ہراتی اور مولوی امام بخش ناسخ صہبائی دہلوی سے بھی تلمذ رہا، ریختہ میر علی اوسط رشک کو دکھاتے تھے،

تمام ہندوستان کا دورہ کرکے حیدرآباد آئے اور یہیں رہ پڑے، تقریباً پینتیس (۳۵) سال تک حیدرآباد میں رہ کر پچانوے سال کی عمر میں سنہ ۱۳۲۸ف میں یہاں انتقال کیا،

ضرورت سے زیادہ زندہ دل، یار باش، مرنجان مرنج بزرگ تھے، فارسی میں استادی کا درجہ رکھتے تھے اساتذہ کے ہزاروں شعر نوک زباں تھے، حیدرآباد کے مشہور شعراء تجلی، ناظم، شائق، امجد وغیرہ اپنا فارسی کلام آپ ہی کو دکھایا کرتے تھے،

ہز اکسیلنسی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر کے متوسل تھے، آپ کی کئی ایک تصانیف طبع ہو چکی ہیں، جن میں سے دیوان سرمایہ پیری، گلبانگ ترکی، تذکرہ سخنورانِ چشم دیدہ وغیرہ بہت مشہور ہوئے،

اردو شعر یوں تو آپ نے اسقدر کہے کہ دیوان مکمل کرکے چھپوا دیا مگر واقعہ یہ ہے کہ

آپ کی اُردو شاعری آپ کے لئے موجب ننگ ہو گئی تھی،

ناگاہ جو اس بت کا سراپا نظر آیا
اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آیا

کبھی ای شیخ پوچھو جا اگر اس بت کے ادا کا فر
بنا ہے سجدہ گاہِ خلق تیرا آستاں کیونکر

میں بھول گیا رشکِ غزالانِ ختن کو
کل دیکھ کر اک آہوئے لاہور کی آنکھیں

ان کے در پر جو کبھی جا کے دعا دیتے ہیں
گالیاں آ کے وہ دو چار سنا دیتے ہیں

حور و غلماں کا پسند آئیگا کب عارض ہمیں
ہم نے دیکھی ہیں بت نازک قدم کی ایڑیاں

ساری رات سو بیٹھ کے تم رام کہانی
دو چار تو سن لو دلِ ناشاد کی باتیں

شیخ کچھ اپنی کرامت تو دکھا دے مجھ کو
تو ولی ہے اگر اس بت سے ملا دے مجھ کو

ہر گھڑی مجھ کو دکھا کر وہ حسین کہتا ہے
میری تصویر سے کیا یوسف کی تصویر اچھی

قطب الدین علی ——— حضرت علوی کے ارشد تلامذہ سے ہیں، قدیم وضع کے بزرگ اور بڑے اچھے شاعر ہیں، گو قوالی اصلاح سے ملازمتی تعلق ہے۔ شعر نہایت اچھے کہتے ہیں رباعی اور نظم پر بھی یکساں عبور رہے،

ایک دو ہاتھ میں بس صاف ہی میدان دیکھا
باقی وحشت میں نہ دامن نہ گریباں دیکھا

اور باتیں تو ترے عشق میں مشکل نکلیں
ایک مرجانا ہی اس راہ میں آساں دیکھا

اور دیکھوں گا جو کچھ تیرے سبب دیکھوں گا
دیکھا جو کچھ ترے باعث دلِ ناداں دیکھا

آکے اب دل سے تصور ترا جاتا ہی نہیں
یہ نئے رنگ نئے ڈھنگ کا مہماں دیکھا

مہرباں آج سے کچھ مجھ پہ نہیں دست جنوں　　آنکھ جب کھولی ہی چاک اپنا گریباں دیکھا
پہنچے پکوان ہیں پر اونچی دکان کی ہے قدر　　ہاں تسلی کوئی جوہر کا نہ پرساں دیکھا
وہ بھی اک دن تھے کہ ارمانوں سے تھی جان تنگ　　اب تو رہتی ہے تمنا کی تمنا دل میں

رباعی

بھولا تجھے، قسمت نے پلٹ دی روداد　　غفلت نے مری کردیا مجھ کو برباد
اب بعد سزا بھی ہے تغافل باقی　　فریاد "میرے بھولنے والے" فریاد

تسکین

سید عبدالکریم ـــــــ ابن مولوی سید برہان الدین صاحب عابدی مرحوم۔ راقم الحروف کے اجداد ایران کے شرفا اور سادات سے تھے، چونکہ سلسلۂ نسب امام زین العابدین رع پر منتہی ہوتا ہے اس لئے اپنے نام کے ساتھ عابدی لکھتا ہوں، ۸ رصفر ۱۳۳۱ھ (۱۶ ر جنوری ۱۹۱۳ء) کو حیدرآباد میں ولادت ہوئی، ابتدائی تعلیم گھر پر اپنے برادر بزرگ مولوی سید عبدالغفور صاحب مرحوم اہلکار نظامت زراعت سرکار عالی اور مدرسہ دارالعلوم میں پائی، حضرت مولینا تمکین کاظمی سے فارسی اور عربی وغیرہ پڑھی، شعر بھی استادی حضرت تمکین کاظمی ہی کو دکھاتا ہوں، کبھی کبھی شعر کہہ لیتا ہوں، مضمون نگاری کا شوق ہے۔ افسانہ اور ڈرامہ اکثر لکھتا ہوں،

زمیں پہ نام مرا لکھ کے پھر مٹاتا جا　　اسی طرح سے مجھے خاک میں ملاتا جا
ٹیس پہلو کی کم نہیں ہوتی　　درد دل سے جدا نہیں ہوتا

بوندیں پڑتی رہیں گھنگھور گھٹا چھائی ہو ۔۔۔ وہ رہیں، میں رہوں، بوتل ہے، تنہائی ہو

جس سر میں نہیں سودا وہ سر نہیں پتھر ہے ۔۔۔ جسمیں نہ محبت ہو وہ دل ہی کوئی دل ہے

یہ تیر توڑ دیں فولاد کے حصاروں کو ۔۔۔ ہے کون روکنے والا نظر کے واروں کو

جبکہ دیدار عام ہوتا ہے ۔۔۔ کس قدر اژدہام ہوتا ہے

چین سے زندگی گزرتی ہے ۔۔۔ شغلِ مے صبح و شام ہوتا ہے

تم ہو لیلیٰ ہو، یا کہ شیریں ہو ۔۔۔ خوب رو سب شریر ہوتے ہیں

جو تہا دوست دشمن مرا ہو گیا ۔۔۔ خدایا زمانے کو کیا ہو گیا

کٹا سر کہ ایک بار ہلکا ہوا ۔۔۔ بُرا کر گئے وہ بھلا ہو گیا

داغِ دل، داغِ جگر تمغے ہیں یہ ۔۔۔ جو ملے ہیں حُسن کی سرکار سے

حیا سے مُنہ چھپا رکھا ہے محشر میں جو وہ ظالم ۔۔۔ خدا کی شان تو دیکھو قیامت میں قیامت ہے

تسلیم

محمد بشیر الدین ——— حیدرآباد کے قدیم اور شریف منصب دار حضرت شاہ محمد امام الدین صاحب فاروقی مرحوم کے پوتے اور حضرت حاجی ڈاکٹر محمد اسحٰق صاحب مرحوم کے نواسے اور مولوی شاہ محمد نذیر الدین صاحب فاروقی کے فرزند ہیں۔ حیدرآباد ہی میں ولادت اور تعلیم و تربیت ہوئی حضرت مولینا سید خورشید علی صاحب ناظم دفتر دیوانی و مال و ملکی وغیرہ سرکار عالی نے جو آپ کی پھوپی زاد بہائی ہیں آپ کو بچپن ہی سے اپنی نگرانی میں لے لیا اور بالکل اپنے فرزند کی طرح تعلیم و تربیت کی علیحدہ علیحدہ

اساتذہ عربی، فارسی، انگریزی وغیرہ کے لئے مقرر کئے اور آپ نے مدرسۂ عالیہ سے میٹرک کامیاب کیا، چونکہ آپ نے مولینا سید خورشید علی جیسے عالم اور علم دوست اور انشا پرداز بزرگ کے دامنِ تربیت میں نشوونما پائی ہے اسلئے ادبی علمی مذاق بھی اچھا ہے، نثر اور نظم خوب لکھتے ہیں آپ کے اکثر مضامین رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں، نہایت کم سخن، متین، سنجیدہ، خلیق، ہمدرد اور ذہین نوجوان ہیں، شعر بہت کم کہتے ہیں مگر خوب کہتے ہیں،

سرکارِ دو عالم سے

دامن ہمیں رحمت کا للّٰلہ اُڑھا دیجئے ۔۔۔ جلوہ ہمیں قدرت کا للّٰلہ دکھا دیجئے
بھٹکے ہوئے ایسے ہیں رستہ نہیں ملتا ہے ۔۔۔ اس پردۂ ظلمت کو دل پر سے اُٹھا دیجئے
پہچان کے ہم خود کو اللہ کو پہچانیں ۔۔۔ ایسا کوئی سرمہ پھر آنکھوں میں لگا دیجئے
پتوار ہے ٹوٹی سی دریا میں طلاطم ہے ۔۔۔ منجدھار میں کشتی ہے ساحل سے لگا دیجئے
ناکام محبت ہے تسلیمؔ میرے آقا! ۔۔۔ رستہ اسے طیبہ کا للّٰلہ دکھا دیجئے

تسنیم

سید شمس الدین حسین ۔۔۔۔ حیدرآباد کے رہنے والے ہیں شعر بھی کہتے ہیں،

دوچار ہم سے آج وہ غنچہ دہن ہوا ۔۔۔ ٹھیری نہ گفتگو کی تو وہ ہم سخن ہوا
اُف! عشقِ عندلیب غضب برقِ حسنِ گل ۔۔۔ یہ دلگداز اور وہ ناوک فگن ہوا
زخمِ کہن جو تھے سو جنوں میں ہرے ہوئے ۔۔۔ داغوں سے لالہ زار مرا تن بدن ہوا

پھر دل نے چوٹ کھائی ہوئے زخم خشک تر — کُھلا گیا تھا پھر تیر تازہ چمن ہوا

تسنیم

اسمٰعیل احمد ـــــــ امیر مینائیؔ کے خلف اکبر منشی محمد احمد مینائی صبرؔ مرحوم کے بڑے فرزند ہیں، ۱۹۱۰ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم رامپور، لکھنؤ اور مراد آباد میں پائی، ۱۹۲۷ء میں انٹرنس اور ۱۹۲۹ء میں ایف اے، ۱۹۳۱ء میں بی، ایس، سی اور ۱۹۳۳ء میں جامعہ عثمانیہ سے ال، ال، بی کیا، جامعہ عثمانیہ کے طلبا میں آپ کو ایک امتیازی درجہ حاصل ہے۔ ۱۹۲۹ء سے شاعری شروع کی، شعرا چھے کہتے ہیں حضرت استاد جلیل سے تلمذ ہے،

یا الٰہی یہ ہے دُنیا کہ عزا خانہ ہے — جو یہاں آیا وہ کرتا ہوا فریاد آیا

میں چھپاؤں گا بہت رازِ محبت لیکن — میرے چہرے سے عیاں حسرت و ارماں ہونگے

موت بھی اُٹھ گئی یہ کہہ کے مری بالیں سے — ہم کبھی اور شریکِ شبِ ہجراں ہونگے

یہی سمجھ کے اسیرِ قفس پہ رحم کرو — کہ دسکو یاد نہ بھولے گی آشیانے کی

یہ کہہ کے بخشدیا روزِ حشر رحمت نے — ترے گناہ یہاں تک کوئی شمار کرے

تشنہ

سید مودود احمد ـــــــ ۱۲۹۵ھ میں پیدا ہوئے حسینی سید ہیں، کروڑ گیری میں ملازم تھے ۱۳۴۱ف میں وظیفہ پر سبکدوش ہوئے ہیں، بچپن سے شعر و سخن کا شوق ہے اردو میں تشنہ اور فارسی میں فدائی تخلص کرتے ہیں، اردو میں حضرت حسن مارہروی سے

تلمذ ہے۔ اُردو، فارسی دونوں زبانوں پر یکساں عبور ہے۔ شعر خوب کہتے ہیں، نیک، ملنسار خلیق اور مرنجان مرنج شاعر ہیں،

نزع میں بھی ہے تمنائے شراب — یا الٰہی کہیں مل جائے شراب
واعظ آیا تو ہے میخانے میں — شرط ہے خود پئے پلوائے شراب
ہم تو دیوانے ہیں مجنوں کی طرح — اپنا معشوق ہے لیلائے شراب
ایک دو جام سے کیا سیری ہو — ساقیا بخش دے دریائے شراب
ہے طبیعت بھی ندیدی کتنی — دوڑ پڑتی ہے جہاں پائے شراب
رنج فرقت اب سہا جاتا نہیں — پڑ گیا ہے زندگی میں انقلاب
کس قدر جلدی بڑھاپا آ گیا — اب کہاں سے پاؤنگا عہد شباب
مدتوں انکے محل کے ہم نے بھی — جھونپڑی میں بیٹھکر دیکھے ہیں خواب

تصور

سید علی نواز ——— رضوی امانت خانی، حیدرآباد کے رہنے والے اور بڑے اچھے شاعر ہیں،

سبک روی میں تم آگے ہیں صبا کے چلو — نفس کی طرح تنِ عاشقاں میں آکے چلو
کدھر کا کعبہ کہیں جھونکیں آگ میں نہ خلیل — چراغِ دہر ہی سے اپنی کو لگا کے چلو
فنا کا رنگ بھرو آرزو کے خاکوں میں — نگار خانہ ہستی کو یوں سجا کے چلو
کسی کی بات نہ پوچھیں گے بت ہیں تیہر کے — قیامت آئے تو دو سامنے خدا کے چلو

تفضل

تفضل حسین ——— حیدرآباد کے قدیم لوگوں میں سے تھے ہز اکسیلنسی سر مہاراجہ بہادر کے متوسل اور بڑے خوش گو شاعر تھے پڑھتے بھی بڑی عمدگی سے تھے اپنی ایک خاص وضع بنالی تھی دس بارہ سال ہوئے کہ آپ نے انتقال کیا حضرت ترکی سے بہت ربط و ضبط تھا

تفضل جبکہ تو ہو جائے بوڑھا ۔۔۔ نہ ایسے وقت میں عورت جوان کر

برادر کہتے ہیں کوئی نہ ہم ہمشیر کہتے ہیں ۔۔۔ تجھی کو سر پرست اپنا بت بے پیر کہتے ہیں
جو ہم افیون کھاتے ہیں تو اسکے ناشتے کو بھی ۔۔۔ اٹھا کر ایک پوری اور تھوڑی کھیر رکھتے ہیں
پکڑتے ہیں دھنگانا اور روپیے لیتے ہیں دہاسے ۔۔۔ بڑی وہ صاحب قسمت ہیں جو ہمشیر رکھتے ہیں

نہ ولایت نہ بخارا نہ تو اِسان دیکھا ۔۔۔ موسیٰ ندی پہ گیا رات کو شیطان دیکھا

ہوا ہے جب سے مجھے عشق ایک بہشتن کا ۔۔۔ مکان میں چھوٹا سا پانی کا اک کنواں دارم
اگرچہ نام تفضل حسین ہے میرا ۔۔۔ سوائے دوسرا اک نام پیر خاں دارم

لئے پھرتا ہے مجھکو ہر جگہ دل ۔۔۔ ہوا ہے آجکل میرا اچھا دل
سحر سے شام تک کہتا ہوں چھ بار ۔۔۔ غرض پھر مانگتا ہے ناآشنا دل
تفضل ذات سے تم تو ہوا چھے ۔۔۔ ولیکن ہے تمہارا بے حیا دل

پھاڑ کر ملبوس سارا تار تار م کردہ اند ۔۔۔ رشتۂ نارو کو گویا رشتہ دارم کردہ اند
وصل کے وعدہ پہ از بس بیقرارم کردہ اند ۔۔۔ ایک بوسے کیلئے امیدوارم کردہ اند

دامنِ ساڑی سے گُل شمع مزارم کردہ اند　　　وہ نہ آتے تھے جو آئے تو قیامت ساتھ لائے

تمنّا

محمد ابراہیم علی ——— نلگنڈہ میں وکالت کرتے ہیں، نعت خوب کہتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں جو ہیں داغِ محبت دل میں　　　خلد دلمیں ہے ارم دلمیں ہے جنت دلمیں

دل کو میں کعبہ کہوں یا کہ مدینہ سمجھوں　　　جلوۂ رب تری صورت میں ہے صورت دل میں

ناز ہے دل کو نگہ پر تو نگہ کو دل پر　　　آپ نظروں میں ہیں اور آپکی صورت دلمیں

تمکین

محمد قادر الدین خان ——— نواب وجیہ الدین خاں بہادر کے فرزند اور حیدرآباد کے قدیم شرفاء اور جاگیردار گھرانے سے ہیں، نواب معین الدولہ بہادر سے بھی قرابت قریبہ رکھتے ہیں، جوان العمر، خوش گو شاعر ہیں۔

شاخِ گل جھوم کے سو بار اُٹھی گلشن میں　　　صبحدم دیکھنے عالم تری انگڑائی کا

خواہشِ جامِ مئے عشق میں بچپن ہی سے　　　کھل گیا آج یہ عقدہ تری انگڑائی کا

او مئے حسن کے مخمور خبر لے اپنی　　　دیکھ کھلتا ہے بھرم ناز خود آرائی کا

دہرِ موہوم میں ہوتا ہے نہ ہونے کی دلیل　　　رونقِ بزم جہاں نقص ہے بینائی کا

تمکین کاظمی

سید مصباح الدین ——— آپ کا اصلی نام ہے اور تمکین تخلص، چونکہ تمکین تخلص کے اکثر لوگ ہیں اسلئے آپ نے اپنی نسبی نسبت کو جزو نام بنا لیا، آپ



سیدہ تمکین کاظمی

حضرت تجلی کے فرزند ارجمند ہیں، خاندانی حال حضرت تجلی کے حالات میں لکھا جا چکا ہے
آپ ۱۳۲۰ھ ۱۹۰۲ء میں حیدرآباد میں تولد ہوئے، ابتدائی تعلیم گھر پر اپنی والدہ سے پائی اور
پھر مدرسہ مفید الانام، دھرم ونت اسکول، مدرسہ اعزہ، سٹی ہائی اسکول، مدرسہ دارالعلوم
اور مدرسہ منصبداران حیدرآباد اور رائچور اور عثمان آباد ہائی اسکول میں بھی تعلیم پاتے رہے،
مولوی احمد سعید قادیانی سے عربی، مولوی غلام حسین سے فارسی اور اپنے والد حضرت
تجلی سے حدیث اور تفسیر، حضرت ناظم سے عروض پڑھی، ۱۳۳۸ھ ۱۹۲۰ء میں منشی فاضل کامیاب
کیا، ابتداً محکمہ کوتوالی، کروڑگیری، مال وغیرہ میں کام کرتے رہے پھر صوبہ داری گلبرگہ شریف
میں ملازم ہو گئے، صوبہ داری تخفیف ہوگئی تو آپ کو کلفنڈ گلبرگہ کے سپروائزر ہو گئے اور
اسی زمانہ میں صیغہ حساب اور وہاں کا کام اول تعلقہ داری گلبرگہ میں کرتے رہے،
۱۳۴۳ف میں دفتر دیوانی و مال و ملکی وغیرہ میں منتقل ہو گئے اور اب بھی وہیں ہیں
بعض اخبارات کے اڈیٹوریل اسٹاف میں بھی کام کر چکے ہیں اٹھارہ سال سے مسلسل
ملک کی علمی و ادبی خدمت کر رہے ہیں، ہندوستان کا شاید ہی کوئی ایسا بدنصیب رسالہ
ہو جس میں آپ کے مضامین نہ طبع ہوتے ہوں،
غنچۂ تبسم، تذکرۂ ریختی، ارنسٹ، معاشقہ نپولین، آپ کی تصانیف شائع ہو چکی
ہیں، آج کل تاریخ دکن پر کام کر رہے ہیں، اعظم الامرا ارسطو جاہ کی بڑی اچھی سوانح حیات
مرتب کی ہے جو زیر طبع ہے بعض اور اہم تاریخی تصانیف بھی اس وقت زیر ترتیب ہیں،
راقم الحروف کے استاد اور محسن ہیں، نہایت زندہ دل، یارباش، صاف گو مرنجان مرنج

بزرگ ہیں،

درِ میخانہ سے کیا بے بہا گوہر نکلتے ہیں
ہزاروں خوبرو لاکھوں پری پیکر نکلتے ہیں

آنکھوں میں تیری صورت ظالم بسی ہوئی ہے
دل پر کھدا ہوا ہے مانو گرام تیرا

دلدادہ وہ دیوانہ ہوں میں اپنے چمن کا
تمکین مجھے پھول ہر کا شاہی وطن کا

حباب پھوٹ کے کملا کے پھول کہتے ہیں
ہر ایک چیز یہاں آئی ہے فنا کے لئے

دلکو کوئی روکے کہ جگر کو کوئی تھامے
کس کس کی خبر لے کوئی کس کس کو سنبھالے

یا تو نظر سے کہدے یا میں زباں سے کہدوں
یہ رازِ عشق ورنہ کس طرح فاش ہوگا

تیوری چڑہی بل کھائی کمر کھل گئے گیسو
واللہ کس انداز سے تلوار نکالی

جو درد سے واقف ہیں درماں کے جو طالب ہیں
وہ لاکھ چھپیں لیکن زنہار نہیں چھپتے

میں اس علم و عمل کو مشت پر نے کرنا لوں ہرگز
کہ بیگانہ جو کردے غازیوں کو تیغ و خنجر سے

تجھے مل جائے جس قیمت میں لیلے فائدہ ہوگا
بدل ادراک ازی قوتِ بازوئے حیدرؓ سے

ہماری زندگی کیا ان کے قدموں پڑے رہنا
ہماری موت کیا قدموں سے انکے دور ہوجانا

دل وہ دے اللہ جو پُر غم رہے
آنکھ وہ دے جو ہمیشہ نم رہے

گر ہوس ہو تو فنا کی ہو ہوس
غم ہے تو زندگی کا غم رہے

وہ ادہر کھاتے ہوئے ٹھوکر چلے
ہم ادہر تھامے دلِ مضطر چلے

توفیق

سید جلال الدین ـــــ سید ابراہیم صاحب تصدیق کے فرزند تھے ۱۲۸۱ھ میں

حیدرآباد میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے والد سے اور پھر مولوی سید عطا اللہ، مولوی سید نصرت، مولوی احمد علی سیالکوٹی اور مولوی احمد علی قندھاری سے صرف و نحو، طب وغیرہ کی تعلیم پائی، حضرت جیلانی صاحب پنجہ کش (شاگرد مظفر الدین خاں امیر یاور جنگ) سے خوشنویسی سیکھی، خط شفیعہ اور ثلث خوب لکھتے تھے، ۱۲۹۵ھ سے شعر کہنا شروع کیا، اپنے والد حضرت تصدیق ہی کو دکھلانے لگے، اعلیٰحضرت میر محبوب علیخاں بہادر کی چہل سالہ جوبلی کی تقریب میں باغ عام میں مشاعرہ ہوا تو آپ نے ایک قصیدہ سُنایا جس کا مطلع تھا،

گل ہیں خاموش یہ سنسان چمن میں کیا ہے　　بات کرتے نہیں غنچوں کے دہن میں کیا ہے

اس مطلع نے لوگوں کو چونکا دیا اور آپ کی شاعری رفتہ رفتہ شہرت پانے لگی،

حضرت توفیق خاموش اور منکسر المزاج، سیدھے سادھے بزرگ تھے گوشہ نشینی میں شغل شعر گوئی جاری رکھا اور مرتے تک کبھی اپنا پروپگنڈا کیا اور نہ ایسے شاگردوں کو فراہم کیا جو پروپگنڈا کرنے والے ہوں،

ایک اُردو اور ایک فارسی کا دیوان مکمل ہے، اور رباعیات کا ایک مجموعہ بھی، اُردو کا ایک دیوان (حد درجہ غلط) "فانوس خیال" کے نام سے طبع ہو چکا ہے اور رباعیات کا مجموعہ "صد پارۂ جگر" کے نام سے چھپ چکا ہے۔ طبع دیوان کے بعد کی کہی ہوئی غزلیں افسوس ہے کہ اب تک منظر عام پر نہ آسکیں، فانوس خیال باوجود غلط طبع ہونے کے اتنا مقبول ہوا کہ اب اس کا ایک ایک نسخہ بیس بیس روپیہ کو بھی دقّت سے

ملتا ہے۔ حضرت توفیق کے شاگردوں کی تعداد بھی بہت ہی کم ہے کیونکہ اپنی فطری گوشہ نشینی اور منکسر مزاجی کی وجہ سے بہت کم لوگوں کو شاگرد کرتے تھے، اس وقت یوسف الدین تنویر، شہاب الدین توقیر، عبدالحکیم تدبیر، اللہ بخش توحیدی، اے بی ٹی آپ کے شاگردوں میں مشہور ہیں،

تجلی، کیفی، ناظم، ضامن وغیرہ آپ کے معاصر تھے مگر آپ نے ان حضرات سے کبھی چشمک نہیں کی اور ان سب بزرگوں کے ساتھ حد درجہ خلوص رکھا،

صدر محاسبی سرکار عالی سے ملازمتی تعلق تھا انسٹھ سال کی عمر میں ۱۶ ذیحجہ ۱۳۳۹ھ کو حیدرآباد میں انتقال کیا، فرقۂ مہدویہ کے رکن اور پیرزادے تھے، آپ کے فرزند سید امیرالدین توصیف نے آپ کے دیوان کو بہت محنت اور جانفشانی کے ساتھ غیر مطبوعہ کلام شریک کر کے دوسری بار چھپوایا ہے۔ مولینا تمکین کاظمی نے حضرت توفیق سے متعلق ایک بسیط مضمون رسالۂ نگار لکھنؤ بابتہ ستمبر ۱۹۳۳ء میں لکھا ہے۔ اس مضمون کے علاوہ اور کسی نے توفیق کی شاعری سے متعلق آج تک کچھ نہیں لکھا، حضرت توفیق دکن کے بہترین غزل گو شاعر تھے، آج سے پندرہ بیس سال قبل حیدرآباد میں صرف دو ہی شاعر تھے۔ ایک توفیق دوسرے کیفی اگر توفیق اپنے وقت کے میر تھے تو کیفی سودا دونوں کے کلام میں بھی ایسا ہی رنگ تھا جیسا کہ میر اور سودا کے کلام میں تھا، توفیق نے حیدرآباد کے علمی ہنگاموں میں دلچسپی نہیں لی، پارٹی بندی اور پروپگنڈا کر کے اپنے آپ کو "لسان العصر" مشہور کیا اور نہ "امیر الشعراء" خاموشی سے ایک کونے میں بیٹھے ہوئے شعر

کہتے رہے مگر ان کے شعروں میں پیوست ہونے والے اور دماغ میں ہیجان پیدا کرنے والے، روح کو وجد میں لانے والے ہوتے تھے، غزل گوئی میں ان کے معاصرین میں کوئی بھی ان کے پایہ کا شاعر نہ تھا۔

خود مری وضع سنا دے گی انہیں حال مرا ۔۔۔ میرا خاموش ہی رہنا مری گویائی ہے

پھر طور ہو تیری نگہ ہوش ربا ہو ۔۔۔ بے ہوش ہوں موسیٰ کی طرح ہم تو مزا ہو

کون سوتے ہوئے فتنے کو جگائے توفیق ۔۔۔ کون پوچھے کہ رہے رات کو سرکار کہاں

کرلی ہے ہم نے بھی مشق بیقراری ہائے شوق ۔۔۔ دل کے صدقے میں ہمیں بھی کچھ تڑپنا آگیا

داغِ حسرت، جوشِ ناکامی، ہجومِ اضطراب ۔۔۔ ایک بے مہری سے تیری ہائے کیا کیا دل میں ہے

ایک دل ہی میرے پہلو میں سو وہ بھی صد چاک ۔۔۔ لائقِ قدر نہیں قابلِ سوغات نہیں

میری بیتابی کی مشکل آپ آسان ہو گئی ۔۔۔ بڑھ گیا دردِ دلِ بیتاب تو کم ہو گیا

مانا کہ ہوس کاری میں ای چرخ نہ تھا ہم سا کوئی ۔۔۔ بتلا کہ تیرا کیا ہاتھ آیا تو نے جو ہمیں بدنام کیا

اچھا ہی ہوا ظالم مارا تری غفلت نے ۔۔۔ ہم یوں بھی تو مر جاتے آخر کبھی مرنا تھا

کیا اور نہ تھیں راہیں گھر غیر کے جانے کی ۔۔۔ کیا میرے ہی گھر پر سے آج انکو گزرنا تھا

حسرتِ مردہ نویدِ وصل سنکر جی اٹھی ۔۔۔ موت کا پیغام اعجازِ مسیحا ہو گیا

میں اپنے اختصارِ مدعا سے خود پریشاں ہوں ۔۔۔ نہ چھیڑا افسانہ اے طولِ ہوس زلفِ پریشاں کا

ہاں سچ ہے کہ بھیجا ہے کبھی تم نے کسی کو ۔۔۔ ہاں سچ ہے کہ میرا ہی کہیں گھر نہیں ملتا

ہزارہا پردۂ حیا میں بھی جلوہ گر حسنِ یار ہوگا ۔۔۔ چھپے گا جتنا یہ راز سنکر اسی قدر آشکار ہوگا

لئے ہوئے چشمِ شوق میں ہم ہزار ہنگامۂ تماشا
انہیں امیدوں پہ جی رہے ہیں کبھی تو ظالم دوچار ہوگا

کیا ہو جو مدتوں تمسخر ہنسا ہو جو زندگی پہ برسوں
امید کیا مرگ پر ہمارے وہ سنگدل اشکبار ہوگا

لہو میں ڈوبیں گے گل سراپا قلم سرِ شاخ ہو گی یکسر
چلیں گے وہ تیغ ناز بنکر چمن میں خونِ بہار ہوگا

جو مرہی جائینگے ہم تو ہمسے ہوائیں بچکر چلا کریں گی
نہ پھول بکھرائیں گے داغ بنکر نہ گل چراغِ مزار ہوگا

کبھی پردہ در رہوں ہیں راز کا کبھی ہوں میں پردۂ راز میں
کہ حقیقت اک مری مشترک ہے حقیقت اور مجاز میں

مری تہمتیں مجھے کھینچ لائیں فریب دیکے وگرنہ میں
وہ طلسمِ عالمِ راز ہوں کہ رہا ہوں مدتوں راز میں

وہ طلسمِ گمشدگی ہوں میں کہ فنا ہے اپنی بقا مجھے
میری خاموشی ہے نواگری میں نہاں ہوں پردۂ ساز میں

لٹ گئے چمن میں ہم نازِ خندۂ گل سے
برق نے جلا ڈالا ہائے آشیاں اپنا

حیران ہوں یا الٰہی دونوں میں کس کو توڑوں
پیمانہ ہاتھ میں ہے پیماں سامنے ہے

یوں تو مری پرسش کو احباب تمام آئے
پر کوئی نہیں آیا ایسا کہ جو کام آئے

توحید

سید اللہ بخش ـــــــ فرقۂ مہدویہ کے پیرزادوں میں سے اور حضرت توفیق کے عزیزِ قریب ہیں، جامعہ عثمانیہ سے بی، اے اور علیگڈھ سے بی، ٹی کامیاب کیا ہے، نہایت اچھے شاعر ہیں، حضرت توفیق سے تلمذ تھا، پہلے تعلیمات میں مدرس تھے

اب کورٹ آف وارڈز کے مہتمم ہیں۔

قتل کرتے نہ تھے یوں تیغِ ادا سے پہلے
منہ چھپا لیتے تھے وہ اپنا حیا سے پہلے

درد کے بعد ہی راحت کا مزا ملتا ہے
لطف جب ہے کہ وفا بھی ہو جفا سے پہلے

ہو بُرا بے اثری کا کہ پہنچ جاتی ہے
درِ تاثیر پہ کمبخت دعا سے پہلے

قتل کا میرے نہ ہو جائے کہیں راز افشا
رنگ لو ہاتھوں کو تم رنگِ حنا سے پہلے



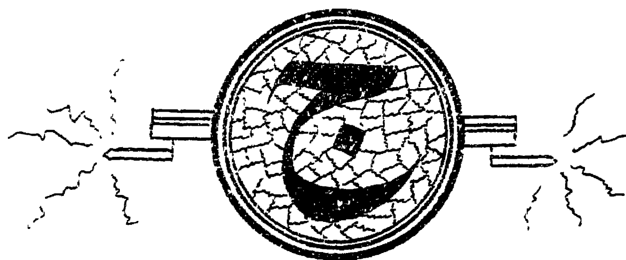
ثاقب

نجم الدین ——— بدایوں کے قاضیوں سے ہیں، مدت سے حیدرآباد میں قیام ہے، شعر خوب کہتے ہیں، اردو، فارسی دونوں زبانوں میں دیوان مکمل کر لیا ہے۔ حیدرآباد میں آپ کے سیکڑوں شاگرد ہیں، ابتداً ہز اکسلینسی سر مہاراجہ بہادر صدر اعظم کے متوسل رہے، شاید اب بھی اسی ڈیوڑھی سے تعلق ہے کہنہ مشق، پختہ رنگ، نہایت پاک طینت، صاف دل اور شریف الطبع بزرگ ہیں، استاد ظہیر کے شاگرد ہیں،

بڑھ چلی پھر خلش خارِ محبت دل میں | مر دا سے گریہ نہیں ضبط کی طاقت دلمیں
دل سے دنیائے مصیبت ہے سراسر آباد | اور آباد ہے دنیائے مصیبت دلمیں
کفر و اسلام کا مسکن ہے یہی خانہ خراب | حرم و دیر و کلیسا کی ہے وسعت دلمیں
اب نہ وہ ہم ہیں نہ وہ دل ہے نہ وہ عہد شباب | یاد ایام کہ تھا دردِ محبت دل میں

کہتے ہو پُر اثر تیری آہ و فغاں نہیں | لو خیر آج ہم نہیں یا آسماں نہیں
اُٹھ جاؤں کوئے یار سے وہ ناتواں نہیں | افتادہ بخت ہوں کوئی عمرِ رواں نہیں
در پر تمہارے روکنے والا مرا اگر | ہے بھی تو پاس وضع ہے کچھ پاسباں نہیں
کہہ دیگی صاف صاف تیری نرگسیں نگاہ | جو راز چشم شوق سے میرے عیاں نہیں

ہیں اگر دیر و حرم سجدہ گہ خلق تو ہوں | اب نہ وہ سر نہ وہ سودا ہے جبیں سائی کا
ہاتھ کانوں پہ نہ رکھ دیکھ لے مُنہ دفن کیوقت | خاموشی کام نہ دیگی مری گویائی کا



جامی

خورشید احمد ـــــــ خوش فکر نوجوان ہیں، نظم اچھی کہتے ہیں، غالباً جامعہ عثمانیہ میں تعلیم پا رہے ہیں،

گھنے درختوں کا سایہ سکوتِ پرتوِ راز
فسونِ شام میں افسانہائے سوز و گداز

خموش پل سے ندی کے کوئی گزرتا ہے
کہیں چراغ کسی جھونپڑے میں جلتا ہے

کچھ عورتیں کہیں اپنے گھروں کو جاتی ہیں
فسردہ شام کا غمگین گیت گاتی ہیں

شگفتہ پھول سیاہی میں منہ چھپاتی ہیں
کہیں چراغ ستاروں کے جھلملاتے ہیں

طیور اپنے سنہری پروں کو پھیلائے
ہوائے سرد کی سرشاریوں میں لہرائے

خموشیاں سرِ کہسار کیف کا عالم
سنا رہے ہیں محبت کا نغمۂ پیہم

فلک پہ ابر کے اڑتے ہوئے سفینے ہیں
شفق کی گود میں بکھرے ہوئے نگینے ہیں

نظر کے سامنے پھیلی ہوئی حسین دنیا
تصورات کے رنگین خواب ہیں گویا

جاوید

مصطفیٰ احمد قریشی —— دکن کے رہنے والے ہیں ۱۳۲۰ف میں محبوب نگر میں پیدا ہوئے، آزل سے تلمذ ہے، شعر خوب کہتے ہیں، مسلم یونیورسٹی میں تعلیم پا رہے ہیں،

سبق آموزِ عبرت ہے جہاں میں داستاں میری ۔۔۔ میں ہمراز فنا ہوں اور فنا ہے رازداں میری
میں بلبل ہوں تلاشِ گل میں ہر سو خاک مرقد کی ۔۔۔ بگولہ بن کے اڑتی ہے چمن میں باغباں میری
رہا کردے مجھے صیاد تو اس قید سے ورنہ ۔۔۔ قفس کو پھونک دیگی برق بنکر خود فغاں میری

جدت

خواجہ محی الدین —— حیدرآباد کے قدیم اور شریف خاندان سے تھے، فارغ التحصیل اور امتحان وکالت میں کامیاب تھے ابتداءً وکالت کی پھر کوتوالی بلدہ کے صدر امین ہوگئے تھے علم دوست اور شاعر تھے معلم العلوم کے نام سے ایک رسالہ بھی جاری کیا تھا، وجودی صاحب کے بھائی تھے ۱۳۳۳ھ میں انتقال کیا،

صدمے لاکھوں ہیں الم لاکھوں مصائب لاکھوں ۔۔۔ اور میں ان کے مقابل میں خدایا تنہا
ہم اپنے آپ دشمن ہیں زمانے کی خطا کیا ہے ۔۔۔ گھٹی قدر شرافت جب شریفوں کا چلن بگڑا
حد سے بڑھتی نہ اگر مہر و محبت اپنی ۔۔۔ نام بدنام نہ ہوتا کبھی میرا تیرا

جذب

راگھویندر راؤ —— قصبۂ عالم پور ضلع رائچور کے رہنے والے ہیں، مادری زبان



راگھویندر راؤ - جذب

کنڑی ہے مگر اردو سے خاص دلچسپی ہے۔ فارسی سے بھی واقف ہیں، وکالت کرتے ہیں، چالیس سال کے قریب عمر ہے، فطرتاً صوفی واقع ہوئے ہیں، چونکہ تصوفِ اسلام اور ہندو ویدانت کا مطالعہ خوب کیا ہے۔ اس لئے تصوف آمیز رباعیات اچھی کہتے ہیں، بلکہ ویدانت اور تصوف کو ملا کر کچھ ایسے نمک پارے تیار کرتے ہیں جو سب کے لئے چٹخارے دار ہوتے ہیں، یوں تو حیدرآباد میں رباعی کہنے کے مدعی بہت سے ہیں مگر حق یہ ہے کہ پنڈت جی کی رباعی حقیقتاً رباعی ہوتی ہے۔ آپ کے تنو رباعیات کا مجموعہ "رباعیاتِ جذب" کے نام سے نظامی پریس لکھنؤ سے پیوستہ سال شائع ہو چکا ہے۔

اشراف سے کم ظرف نہ پیدا ہوگا
اچھا ہے جو بیج پھل بھی اچھا ہوگا
کیا کہتے ہو اے جذب یہ ان ہونی بات
معدن میں گہر کے ساتھ شیشا ہوگا

کر جاتی ہے تاثیر بروں کی صحبت
یعنی کہ بگڑ جاتی ہے اچھی خصلت
ملتے ہی سمندر میں وہ کھارا ہوگا
گنگا کا وہ پانی جو ہے میٹھا شربت

جو فال دل آزار ہو اس فال سے بچ
جس چال میں ہو فریب اس چال سے بچ
اٹھ اور کمر یادِ خدا پر کس لے
عالم ہے اگر تو تو بد اعمال سے بچ

کہلاتا ہو اے جذب تمہیں نیک اگر
پیدا کرو آپ میں تم اوصافِ شجر
دیکھو خود دھوپ میں کھڑا رہتا ہے
اوروں کو مگر دیتا ہے سایہ و ثمر

گا لیتے ہیں جو اتفاق کا ملکر راگ
بے شبہ انہیں کے جاگتے ہیں بھاگ
اے جذب وہ جل کے راکھ ہو جائیگا
جس ملک میں پھوٹ کی سلگتی ہے آگ

اس میں نہ پھنسو کیونکہ ہے دنیا دلدل — اور اتنے نہ بھاگو کہ بساؤ جنگل
سب ہیں ہو اور سب سے جدا تم اے جاذب — مرشد نے کیا ہے یہ معمہ یوں حل

جلیل

محمد اسمعیل ——— عثمانیہ کالج ورنگل کے قدیم طالب علم ہیں، شعر خوب کہتے ہیں، نعت کی طرف زیادہ میلان ہے،

دل سوزاں تھا آشفتہ جو انوار محمد کا — فرشتہ بن گیا پروانہ میری شمع مرقد کا
کثافت کو جلا دیتی ہے تیری نور عرفاں تا — تجلی جس کو کہتے ہیں وہ سایہ ہے محمد کا
گنہگاروں کے سر پر ابر رحمت بنکے ٹھیرا ہے — نظر آتا نہیں اسواسطے سایہ ترے قد کا

جلیل

حافظ جلیل حسن نواب فصاحت جنگ بہادر ——— مولوی حافظ عبدالکریم صاحب کے فرزند ہیں، ۱۲۸۳ھ میں مانک پور یوپی میں پیدا ہوئے، وہیں تعلیم و تربیت پائی اور کلام مجید حفظ کیا، حضرت امیر مینائی سے تلمذ اختیار کیا تو حضرت امیر نے لٹریری سکریٹری کی حیثیت سے اپنے ساتھ رکھ لیا، چنانچہ آپ نے ان کے انتقال تک رفاقت کی، ۱۳۱۸ھ میں حضرت امیر کے ساتھ حیدرآباد آئے اور یہیں رہ گئے ۱۳۲۷ھ میں حضرت بندگانعالی نے پانچسو روپئے ماہوار مقرر فرمائی اور اپنی استادی کی عزت سے سرفراز فرمایا اس کے بعد بہت سرفرازیاں ہوتی رہیں اور بہت اضافے ہوئے، حضور بندگانعالی نے فصاحت جنگ خطاب سے بھی سرفراز فرمایا،

نہایت جادو بیاں، پختہ مشق استاد ہیں، تمام اصناف سخن پر عبور ہے۔ اپنے عہد کے اساتذہ میں شمار ہوتا ہے اب ماشاء اللہ سے ساٹھ سال سے زائد عمر ہے مگر پھر بھی طبیعت جوان ہے،

حضور بندگان عالی کی شاعری پر حضرت جلیل نے کیا اچھا تبصرہ کیا ہے،

کلام خسروی کیونکر نہ دنیا سے نرالا ہو — سخن یکتا کا ہر مضمون یکتا ہو ہی جاتا ہے
خدا رکھے جہاں دو گل کھلائے طبع رنگیں نے — گلستاں، بوستاں کا رنگ پیدا ہو ہی جاتا ہے
زباں پر طوطی ہندوستاں کو وجد آتا ہے — بیاں پر بلبل شیراز شیدا ہو ہی جاتا ہے
قلق کو داغ، آتش کو جلن، جانی کو بیہوشی — صبا کو بیکلی، سودا کو سودا ہو ہی جاتا ہے
بجا ہے سامعین کا شکل قمری نعرہ زن ہوتا — کہ اک اک شعر موزوں سرو رعنا ہو ہی جاتا ہے
زمین سخت میں بھی معنی روشن نکلتے ہیں — صدف میں در، حجر میں لعل پیدا ہو ہی جاتا ہے
بناوٹ کی ضرورت کیا تصنع کی ہی حاجت کیا — طبیعت ہو جو بانکی شعر بانکا ہو ہی جاتا ہے

رخ یہ قائم مری نظر نہ ہوئی — دید جاتا ہوئی مگر نہ ہوئی
ٹوٹ کر کب شراب کی بوتل — لخت دل پارہ جگر نہ ہوئی
گرچہ شب بھر کھلی رہیں آنکھیں — نیند کی شکل جلوہ گر نہ ہوئی

رندوں کو غم بادۂ گلفام نہیں ہے — آنکھیں تو ہیں ساقی کی اگر جام نہیں ہے
چلنے کی اجازت ہے فقط تیغ رواں کو — قاتل کی گلی رہگذر عام نہیں ہے
کیا جانئے گیا لے کے کہ ہر ناوک قاتل — سینے میں خلش ہے دل ناکام نہیں ہے

کچھ دام و قفس پر نہیں موقوف اسیری　　بلبل کے لئے کیا رگِ گل دام نہیں ہے

ضبطِ نالے سے آج کام لیا!　　گرتی بجلی کو میں نے تھام لیا

پائے ساقی پہ توبہ ٹوٹ گئی　　ہاتھ میں اس ادا سے جام لیا

دیکھ لی اس نے کسکی قبر جلیل　　چلتے چلتے جگر کو تھام لیا

جمال

سید محمد جمال الدین حسین خاں ــــــ خلف نواب قیام جنگ غضنفر الدولہ مرحوم نواب کلیانی، حیدرآباد کے قدیم امرار کے خاندان سے ہیں اور شعر اچھے کہتے ہیں،

جنونِ عشق میں دامان و جیب کا کیا ذکر　　کہ چاک مثلِ گریباں تھی آستیں برسوں

جب سے دیکھا ہے ترے حسنِ دل افروز کا حال　　اور دل اور کلیجہ ہے تمنائی کا

جمیل

میر تراب علی ــــــ خوش گو شاعر ہیں، کبھی کبھی مشاعروں کے گلدستوں میں آپکا کلام نظر آتا ہے،

ہے یہ دہشت کہیں امروز نہ فردا ہو جائے　　ورنہ فردا کی نہیں نام کو دہشت دل میں

آپ کے جاتے ہی اندھیرا سا چھا جاتا ہے　　آپ کے آتے ہی آجاتی ہے ہمت دل میں

رنج ہے درد ہے سوزش ہے خلش ہے پیہم　　کیا کہوں کس سے کہوں کیا ہے مصیبت دل میں

جنوں

نذیر حسین صدیقی ــــــ حیدرآباد کے رہنے والے اور نہایت قابل بزرگ ہیں،

معتمدی فیناس کے منتظم ہیں، بڑی اچھی طبیعت پائی ہے کہنہ مشق شاعر ہیں شعر کم کہتے ہیں مگر خوب کہتے ہیں،

تسکین اضطراب کا ساماں نہ ہو سکا | پایانِ شوق شوق کا پایاں نہ ہو سکا
میری نگاہِ شوق میں کھنچ کھنچ کے بھر گیا | تصویر کا وہ رخ جو نمایاں نہ ہو سکا
بے اذنِ دوست دل متبسم ہو کس طرح | بے حکمِ حسن غنچہ بھی خنداں نہ ہو سکا
دل میں ہجومِ شوق تھا لب پر سکوتِ شوق | اظہار حالِ دل کسی عنواں نہ ہو سکا

جوہر

سید محمد ــــــ حیدرآباد ہی میں پیدا ہوئے ہیں زندگی بسر کی اور یہیں سپردخاک ہوئے، مدرسۂ نظامیہ میں تعلیم پائی تھی، نہایت عسرت اور بیکسی میں زندگی بسر کی، چونکہ خود منتشر المزاج تھے اسلئے کلام بھی منتشر رہا،

حضرت سید محمد حسین خلیق حیدرآبادی کے شاگرد تھے، تخمیناً تیس سال کی عمر میں انتقال کیا،

ہم اب تو ان کے عشق میں بدنام ہو چکے | اچھا ہوا برا ہوا جو کچھ ہوا ہوا

شرابِ آتشیں نے خاک کر ڈالا جگر اپنا | جلا ہے گرم پانی سے خدا کی شان گھر اپنا
نظر آیا نہ ہمکو خواب میں بھی عیش کا ساماں | رہا چرخِ ستم پرور مخالف عمر بھر اپنا

نہ پوچھو حال تم افتادگانِ راہِ الفت کا | زمیں ہی فرش انکا چرخ نیلی فام چادر ہے

تم جو یکتا ہو ستم میں، جور میں، بیداد میں
میں بھی کیا کم ہوں فغاں میں، آہ میں، فریاد میں

دن وہی اچھا ہے جو ہر جو کٹے فریاد میں
رات وہ اچھی ہے جو گزرے کسی کی یاد میں

ایک وہ ہیں پھول کے سوتی ہیں سکھ چین سے
ایک ہم ہیں تارے گنتے ہیں کسی کی یاد میں

جوھر

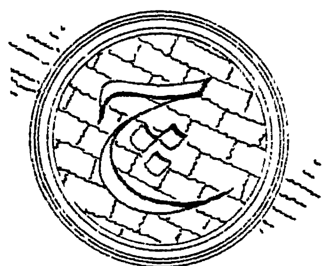
تلجا رام ——— حیدرآباد کے رہنے والے اسمتسان گرگنڈ کے ناظم عدالت تھے شعر بھی اچھے کہتے تھے معلوم نہیں اب کہاں ہیں،

پھول جھڑتے ہیں تری منہ سے بوقت تقریر
گفتگو میں تری ہم نے چمنستاں دیکھا

جب سے دیوانہ ترا قید سے مرکر نکلا
پھر نہ آباد کبھی خانۂ زنداں دیکھا

ہوں وہ شوریدہ قسمت کہ نہیں کچھ بنتی
کبھی دل سے نہ نکلتا ہوا ارماں دیکھا





چاق

محمد عبدالرزاق ــــــ گلبرگہ شریف کے باشندے تھے، عربی، فارسی سے واقف اُردو کا ذوق رکھتے تھے، نہایت خوش مزاج، رنگین طبع اور زندہ دل بزرگ تھے، عمر خاصی تھی مگر طبیعت جوان پائی تھی، حضرتِ تجلّی سے مشورہ کرتے تھے تقریباً چھ سال ہوئے کہ انتقال کیا،

امرِ رب ہے روح میری میں ہوں شہبازِ قدم　　عرشِ کبریا ہے آشیاں مجھ زار کا

یہ رونق نہ گل سے نہ گلشن سے ہے　　بہارِ چمن ان کے جوبن سے ہے

دمِ مے کشی کیوں نہ ہوں اشک ریز　　مزا بادہ نوشی کا ساون سے ہے

ٹپکتی ہے مے چشم گلرنگ سے　　صراحی کا انداز گردن سے ہے

چچا

سید اسحٰق ــــــ دہلی کے رہنے والے تھے ابتدأ اول تعلقداری ضلع رائچور

میں ملازم ہوئے، پھر باب حکومت میں منتقل ہو گئے پچاس ایک سال کی عمر پا کر تقریباً چھ سال ہوئے کہ انتقال کیا، نکاہیہ شعر بڑے اچھے کہتے تھے،

مجلس شعر میں سب کامل و عاقل آئے ۔ ہم بھی لکھے نہ پڑھے نام کے فاضل آئے

بس سمجھ لو کہ بڑی خانہ خرابی کی بنا ۔ کسی احمق کا کسی پر جو کبھی دل آئے

میں جو پی اے میں ہوا فیل تو کیا غم ہے چچا ۔ عشق بازی میں تو نمبر مرے فاضل آئے

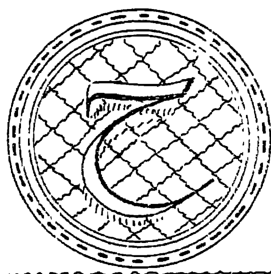
چشتی

حکیم محمود صدیقی ——— بمبئی میں مطب کرتے ہیں، اور شعر بھی کہتے ہیں حالات معلوم نہ ہو سکے۔

کیا خوب مری ہوگئی گل شمع شبستاں ۔ سر سبز گلستاں کو صبا کر کے چلی ہے

مقتل میں کھلیں کیوں نہ تری تیغ کے جوہر ۔ پہلے میرا سر تن سے جدا کر کے چلی ہے





حامد

میر حامد علیخاں ـــــ نواب صولت جنگ بہادر عابدؔ مرحوم کے فرزند ہیں،

اک ترا دل ہے کہ ہوتا نہیں آہوں کا اثر — ہوئے پتھر تو پگھل کر دہیں پانی ہو جائے

جسکے دلمیں نہ ہو آنکھوں میں نہ ہو جلوۂ یار — دل وہ برباد ہو اور آنکھ وہ کالی ہو جائے

حامد

حامد محی الدین قریشی ـــــ نظامت کوتوالی اضلاع میں ملازم ہیں، استاد جلیلؔ سے تلمذ ہے، شعر خوب کہتے ہیں طبیعت اچھی پائی ہے،

ہو خیر اس کشمکش میں یارب بیاں انسے کیا ہو مطلب — سنبھل سنبھلکر بگڑ رہے ہیں بگڑ بگڑ کر سنبھل رہے ہیں

لذت جو درد کی تھی فغاں سے نکل گئی — دل کی بھڑاس تھی کہ زباں سے نکل گئی

قسم خدا کی کہ میرے آگے نہ دیکھو اس طرح آئینہ تم
نظر سے حسرت ٹپک رہی ہے کسی کے دل کی امنگ ہو کر

میں تم پر جان دیتا ہوں تمہیں باور نہیں آتا — یہ دنیا ہے کہو تم کس کا دل کس پر نہیں آتا

حامد

احمد سعید ــــــ حیدرآباد کے خوش فکر نوجوانوں میں سے تھے، عرب خاندان سے تعلق تھا مگر اُردو شعر خوب کہتے تھے، حضرت کیفی سے تلمذ تھا ۱۳۴۶ھ میں انتقال کیا،

نہ نکلیں اشک اے دل زیرِ خنجر دیدۂ تر سے
شہادت تو اُسی کی ہے جو پانی کیلئے ترسے

کم از کم سیکھ تو اتنا اثر پیدا تو ہو تم میں
جہاں آئے خیالِ میکشی بارش وہیں برسے

خدا کی شان دیکھو! جرم اظہارِ محبت پر
گلا کٹتا ہے کس کا؟ میرا! کس سے؟ تیز خنجر سے

پیار کی باتیں کرو کچھ ڈھب نکالو پیار کا
چار سے ملنا ہو تو سیکھو طریقہ چار کا

ساقی نے اگر تو وہ انقلاب ہوگا
مے پانی پانی ہوگی پانی شراب ہوگا

جب دیکھنے کے قابل تیرا شباب ہوگا
خود تجھکو اے ستمگر تجھ سے حجاب ہوگا

حبیب

سید حبیب اللہ بیابانی ــــــ دکن کے مشہور بزرگ حضرت افضل بیابانی رح کی اولاد سے ہیں، حیدرآباد میں وکالت کرتے اور شعر بھی کہتے ہیں، نوکا ہیات سے دلچسپی ہے،

میری طرف سے اسکو عبث سوئے ظن ہوا
مجھکو یقین ہے کہ عدو رخنہ زن ہوا

سُنتے ہیں استغاثہ ضرر کا ہوا ہے پیش
جھگڑا عدو سے کل جو سرِ انجمن ہوا

نگرانی تھی کہ سلسلۂ دورے چلے
اس ضابطے میں غیر نہ کچھ رخنہ زن ہوا

احکام قید ہوتے ہیں ڈگری میں نقد کی
قرضہ کا لینا باعث رنج و محن ہوا

حزیں

شعیب احمد —— جامعہ عثمانیہ کے قدیم طالب العلم اور اچھے شاعر ہیں، نظم خوب کہتے ہیں، ایک نظم "ایک یادگار رات" کے چند شعر یہ ہیں،

سنہری گرمیوں کی رات تھی خاموش تھی دنیا ۔ پیامِ حسن سننے کو سراپا گوش تھی دنیا

مگر خاموشیٔ کامل میں اک کیفِ ترنم تھا ۔ ادھر فطرت کے ہونٹوں پر ہویدا اک تبسم تھا

مہِ کمسن کے نازک ہاتھ میں زرّیں پیالا تھا ۔ زمانے بھر میں جس سے مستیوں کا بول بالا تھا

فلک سے نور گرتا تھا زمیں پر چاندنی بنکر ۔ برستا تھا دلِ عالم پہ کیفِ بیخودی بن کر

یکایک ایک نالے نے یہ کیفیت بدل ڈالی ۔ سکوتِ شب کی وہ نازک کلی گویا مسل ڈالی

کسی نے سسکیاں لیں رات کی بیہوش محفل میں ۔ کسی نے جوگ چھیڑا حسن کی خاموش محفل میں

بلا کا درد تھا لے میں غضب کا سوز پنہاں تھا ۔ فضا کی وسعتوں میں ایک شعلہ سا پریشاں تھا

جو ذرے سو گئے تھے وہ بھی سارے تلملا اٹھے ۔ جو بالکل بےخبر تھے وہ ستارے تلملا اٹھے

فضا میں کھو گئی آواز تھراتی ہوئی غم کی ۔ بپا تک رہ گئیں خاموشیاں اقصائے عالم کی

مرے دل میں مگر وہ دکھ بھری فریاد ہے اب تک ۔ وہ دردانگیز نے وہ جوگ مجھکو یاد ہے اب تک

حسرت

سید محمد عبد القدیر —— حیدرآباد کے قدیم اور اہلِ علم خاندان کے بزرگ ہیں، جامعہ عثمانیہ کے پروفیسر تھے حال ہی میں وظیفہ پر سبکدوش ہوئے ہیں، عالم و فاضل ہونے کے علاوہ شاعر بھی اچھے ہیں، آپ کے کلام کے کئی ایک مجموعے شائع ہو چکے ہیں، فارسی خوب

کہتے ہیں،

ہمکو بھی حسن پرستی کا ہمیشہ سے ہی شوق — شوق ہے انکو ہمیشہ سے خود آرائی کا
باہر آؤ تو ہیں صورت کی بلائیں لیلوں — کیسے ناقدر ہو کیا شوق ہے تنہائی کا

حسرت

سید محمد ذکراللہ ——— یوپی کے باشندے اور مشائخ گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں، محکمہ کروڑگیری میں ملازم تھے، چارسال ہوئے کہ وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے ہیں، حیدرآباد کو وطن بنالیا ہے۔ شعر بھی خوب کہتے ہیں،

الٰہی سلامت رہے حشر تک — مزا انکی الفت کا دشمن سے ہے
جوانی کے آتے ہی کھل جائے گی — طبیعت میں جو بات بچپن سے ہے
وہ کیوں فاتحہ پڑھنے آتے یہاں — انھیں کیا غرض میرے مدفن سے ہے

حسرت

میر غلام محی الدین خاں ——— طبیعت اچھی پائی ہے۔ مشاعروں میں عموماً پڑھتے ہیں،

قتل کے بعد ہو کیوں دستِ تاسف ملتے — کارِ عاقل نہیں آخر میں پشیماں ہونا
لاکھ سر ہوں گے قلم سیکڑوں بسمل ہونگے — اک غضب ہے تری شمشیر کا عریاں ہونا

حسن

حسن نواز جنگ بہادر ——— (مرزا ابوالحسن) نواب ماہر الدولہ بہادر کے فرزند ارجمند ہیں حیدرآباد ہی میں تولد ہوئے ہیں تعلیم و تربیت پائی اب معتمد سیاسیات

کے عہدے پر فائز ہیں، نہایت خلیق، ملنسار، نیک نفس، پاکیزہ مذاق شاعر ہیں، کبھی کبھی شعر کہتے ہیں مگر خوب کہتے ہیں۔

سالِ نو جلوہ نما ہے گل و گلزار بھی ہے ۔۔۔ دل عقیدت سے شہنشاہ کے سرشار بھی ہے
عندلیبانِ چمن نغمہ سرا ہیں ہر سو ۔۔۔ رحمتِ حق سے اٹھا ابر گہر بار بھی ہے
گلشنِ شاد میں ہے جلوہ فگن نیلوفر ۔۔۔ تاجِ خسرو میں منورِ درِ شہوار بھی ہے
نام عالم میں ہے روشن یہ عطا ہے حق کی ۔۔۔ علم و حکمت کے سوا طالع بیدار بھی ہے

حسن الدین

میر حسن الدین ——— جامعہ عثمانیہ کے قدیم طالب العلم اور بی، اے ایل، ایل، بی ہے۔ وکالت کرتے ہیں، ادب کا ذوق بہت بلند ہے۔ سیاسات سے بھی خاصا لگاؤ ہے، فلسفہ آپ کا موضوع رہ چکا ہے۔ نہایت اچھے شاعر ہیں، نظم خصوصاً بڑی اچھی کہتے ہیں، آپ کی کئی ایک تصانیف چھپ چکی ہیں۔

نغمہ

کارواں انجم کا لیکر ماہ بھی رخصت ہوا ۔۔۔ آمدِ خورشید ہے دروازۂ مشرق کھلا
آسمانِ پیر پر آنے کو ہے عہدِ شباب ۔۔۔ چہرۂ مشرق پہ گلگونہ ملنے لگا آفتاب
یہ نسیمِ صبح بھی ہونے لگی ہے بیقرار ۔۔۔ رقص کرتی ہے گل و لالے پہ جا کر بار بار
صبحدم اک مطرب خوشگو کنارِ جوئبار ۔۔۔ نغمہ پیرائی سے مجھکو کر رہا ہے بیقرار
زندگی کی لہر دوڑا دی تنِ بے جان میں ۔۔۔ اک تڑپ سیماب کی سی ڈالدی وجدان میں

تنگ جب ہنگامہ ہستی سے ہو جاتا ہے دل
صدمۂ پیہم سے جسدم سخت گھبراتا ہے دل

اک ترنم میں تسلی کس قدر پاتا ہے یہ
قید سے افکار کے آزاد ہو جاتا ہے یہ

لذت اسکی جانتا ہر آشنائے درد ہے
قیمت اسکی کچھ نہیں ہیں اک آہِ سرد ہے

نغمہ سینے میں مرے مدت سے اک بیتاب تھا
سازِ دل کیواسطے پر عشق ہی مضراب تھا

ہر صدا محبوب کی دزدِ متاعِ ہوش ہے
پیار کی نیچی نظر بھی نغمۂ خاموش ہے

حسن

علی حسن ـــــــ شعر خوب کہتے ہیں، مشاعروں میں اکثر پڑہتے ہیں،

اس کو پڑھوا ہی دیا اپنی ادا کا کلمہ
سخت دشوار تھا کافر کا مسلماں ہونا

برق کی سی تھیں ادائیں تری اول اول
یاد ہے ہمکو وہ جیب جیب کے نمایاں ہونا

بڑھ گئی جامِ شہادت کی تمنا کیا کیا
عید کا چاند ہوا تیغ کا عریاں ہونا

موجبِ فخر تجھے قیس تری عریانی
باعثِ ننگ مجھے چاکِ گریباں ہونا

حشمت

محمد حبیب علیخاں ـــــــ حیدرآباد کے رہنے والے اور بڑے اچھے شاعر ہیں،

لو مبارک ہو کہ آئی ہے بہارِ جوبلی
دشت دور حشمت بنے ہیں لالہ زارِ جوبلی

نغمۂ بلبل ہے گویا کیف آگیں نشاط
ہے نمایاں چشمِ نرگس سے خمارِ جوبلی

نقرئی ہر موج ہے ہر لہر گویا زر نگار
ہو رہی ہے رودِ موسیٰ ہمکنارِ جوبلی

حقیر

غلام دستگیر ——— ایک زمانہ میں سنٹرل جیل گلبرگہ کے داروغہ تھے اب بھی کسی جیل ہی سے متعلق ہیں، شعر خوب کہتے ہیں،

حشر برپا ک حشر ہے فتنہ پہ فتنہ ہے بپا — کیا قیامت خیز عالم ہے تری رفتار کا

وہی خون اک روز لائے گا رنگ — جو لپٹا ہوا تیرے دامن سے ہے

نہیں ہے زمانے میں کوئی حقیر — فضیلت ہر اک کو ہر اک فن سے ہے

حکیم

حکیم حیدر علیخاں ——— ابن قاسم علیخاں، منصبدار اور خوشگی تھان تھے استاد ظہیر سے تلمذ تھا، اچھے طبیب تھے، مطب خوب چلتا تھا، اچھے شعر کہتے تھے ۱۳۴۵ھ میں انتقال کیا۔

حسین شوخ طرحدار سے لقا کوئی — نہیں ہے آپ سا دنیا میں دوسرا کوئی

بلا میں قہر میں آفت میں مبتلا کوئی — نہ ہوگا مجھسا زمانے میں یا خدا کوئی

خطا معاف مجھی کو تو لوگ کہتے ہیں — ستم شعار کوئی اور بے وفا کوئی

نگاہ لڑتے ہی دونو کا دل ہوا مائل — قصور اسمیں نہ میرا نہ آپ کا کوئی

رباعی

سب اہل جہاں سے میری دوری ہو جائے — دربار میں احمد کے حضوری ہو جائے

دم روضۂ اقدس پہ نکل جائے حکیم — یارب یہ تمنا میری پوری ہو جائے

حکیم

اورنگ آباد کے رہنے والے اور مولینا محوی لکھنوی کے شاگرد ہیں، شعر خوب کہتے ہیں،

معاذ اللہ انکل سکتا ہے اب کیا دل کی ہستی ہے　　دلِ وحشی کو زلفِ یار کی زنجیر کستی ہے
بلندی اک کسوٹی، اک کسوٹی شانِ پستی ہے　　متاعِ آدمیت آکے ان دونوں پہ کستی ہے
سنبھلکر جلوہ گاہِ ناز میں اے دل قدم رکھنا　　حکومت شمع کی ہے اور یہ پروانوں کی بستی ہے
نگاہِ التفاتِ دوست کی قیمت کہاں ممکن　　اگر دونوں جہان دیکر بھی ملجائے تو سستی ہے
میرے آباد دلکو یوں نہ کر برباد اے ظالم　　یہ امیدوں کی دنیا ہے تمناؤں کی بستی ہے
حکیم اس معرضِ ہستی میں وہ ناکامِ الفت ہوں　　میری بگڑی ہوئی تدبیر پہ تقدیر ہنستی ہے

حکیم

دلدار علی ـــــ والا جاہی خاندان کے چشم و چراغ اور حکیم امانت علی صاحب مرحوم کے فرزند ہیں، نظم و نثر دونوں خوب لکھتے ہیں آجکل سر حیدر نواز جنگ بہادر صدر اعظم دکن کی سوانح حیات کارنامۂ حیدری کے نام سے مرتب کر رہے ہیں،

اے لحد! ہے مسکنِ آسائش و آرام تو　　مطمئن رکھتی ہے مہمانوں کو صبح و شام تو
کون ہے وہ جسکو اس گھر کا مکیں بننا نہیں　　کون ہے وہ جسکو پیوندِ زمیں بننا نہیں
تو تخیل سے الگ اک پردۂ ظلمات ہے　　صبح ہونی غیر ممکن ایسی لمبی رات ہے
زیست کی مے پینے والا اس جگہ مدہوش ہے　　دم بخود ہے بولنے والا یہاں خاموش ہے
روندتے پھرتے ہیں جو قبریں غرور و ناز سے　　ہنس رہی ہے موت انپر کس غضب انداز سے

حلم

جمال الدین خاں صادق جنگ بہادر — حیدرآباد کے قدیم بزرگ تھے مدت تک حضور بندگان عالی کے اے ڈی سی رہے ۱۳۴۷ھ میں انتقال کیا، اردو شعر اور بھاشا میں ٹھمریاں خوب کہتے تھے "پیت کی ریت" کے نام سے ٹھمریاں طبع ہو چکی ہیں، کوئی دیوان شائع نہیں ہوا،

کہتے ہو کہ داغ دل سوزاں نہیں دیکھا — کیا تم نے چراغ تہ داماں نہیں دیکھا
جب پانوں پڑے دامن صحرا ہوا ریزے — جب ہاتھ اٹھے اپنا گریباں نہیں دیکھا
حسرت ہی کہیں بیکسی و یاس کہیں ہے — کس کس کو سر گور غریباں نہیں دیکھا
مومن بھی تجھے دیکھ کے ہو جاتے ہیں کافر — ایسا کوئی غارت گر ایماں نہیں دیکھا

ادھر آنکھیں ملیں اور دل ادھر جاتا رہا اپنا — حسینوں کی نگاہوں میں غضب کی تیز دستی ہے
خدا محفوظ رکھے ان بتوں کی زلف پیچاں سے — نہیں پھر مانگتا پانی یہ ناگن جسکو ڈستی ہے

رند مشرب جانتے ہیں بیخودی ہی کو کمال — گر کمال اپنا جو پوچھو آپ میں آنے میں ہے
موت کا جو کچھ مزا ہے زندگی کے ساتھ ہے — زندگی کا لطف سچ پوچھو تو مر جانے میں ہے

حلمی

حکیم محمد عباس آفندی — خوش گو شاعر ہیں، حیدرآباد کی شعری فضا میں آپ سے خاصی چہل پہل رہتی ہے، شعر بھی خوب کہتے ہیں،

ملا کسی کو نہ میرا پتہ کہیں برسوں — ہوا نہ ان کو مری موت کا یقیں برسوں

اندھیری قبر میں کیا اسکو نیند آئے گی — ہو جس کے پیش نظر زلف عنبریں برسوں

صبح ہو نے کو ہے سو جا دل ناداں سو جا — لوریاں دیتے ہیں کب سے شب ہجراں سو جا

تجھ کو پیراہن یوسف کی قسم دیتا ہوں — سو جا سو جا اے مرے چاک گریباں سو جا

تیرے رونے سے ہو اہل محلہ بیزار — تجھ پہ قربان مرا عیش مہ رجاں سو جا

شب دیجور بھی روتی ہے ترے رونے پر — صبح کو ہوگا ترے درد کا درماں سو جا

قبر میں رکھ کے وہ کہنے لگے مجھ سے حلمی — حشر تک چین سے اے بے سر و ساماں سو جا

جنازہ پر ہمارے آہ کیا باندھ گیا سہرا — دلہن بنکر چلی ہے نوجوانی دیکھتے جاؤ

حیدر

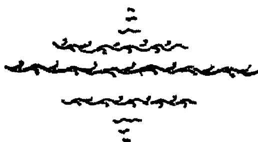
سید حیدر پاشا ——— کو توالی اضلاع سے ملازمت کا تعلق تھا مگر اب شاید کسی جاگیر میں منتقل ہو گئے ہیں، شعر خوب کہتے ہیں،

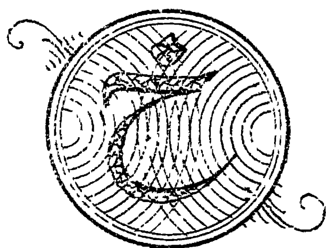
بے کسی، صدمۂ فرقت، شب تنہائی ہو — آپ ہی کہئے کہاں تک ہو طاقت دلمیں

غیر اور میرا استقابل ہو خدا کی قدرت — آپ ابھاریں گے مگر ہو ہی تو ہمت دلمیں

میں کوئی غیر نہیں مجھپہ جفا ئیں کیسی — تم عدو تو نہیں پھر کیوں ہو عداوت دلمیں

حیدر اس روز سے سب تاب تواں اٹھ گئی — اٹھنے جس دن سے لگا درد محبت دلمیں





خالد

سیف اللہ خاں ـــــ حکیم رحیم اللہ خاں مرحوم کے فرزند ہیں آپ کے اجداد عرب کے یافعی قبیلہ سے تھے ارکاٹ کے نوابوں نے انہیں خان کا خطاب دیا تھا جو اب آپ لوگوں کے جزو نام ہو گیا ہے، آپ ۲۵ محرم ۱۳۲۲ھ کو تولد ہوئے حیدرآباد ہی میں تعلیم پائی اور شعر کہنے لگے، سید یحییٰ قدر سے تلمذ ہے،

ہم نہ دنیا میں کسی سے آجتک دب کر ملے ۔۔۔ جو کھنچا ہم سے کھنچے اور جو ملا بڑھ کر ملے
جب ملے غیروں سے تم اخلاص سے ہنسکر ملے ۔۔۔ جب کبھی مجھ سے ملے بدلے ہوئے تیور ملے
یہ خریدار ہے اپنے ہی خریداروں کا ۔۔۔ دل طلبگار ہے خود اپنے طلبگاروں کا

خاطر

رائے سورج نارائن ـــــ حیدرآباد کے کائستھ فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور شعر اچھے کہتے ہیں، استاد ظہیر کے شاگرد رشید تھے،

مائل ہوا ہے یار وفا پر جفا کے بعد ۔۔۔ دی ہے زبان وصل ہزار التجا کے بعد

رحم و کرم سے اسکے عجب کیا جو بخش دے | بندہ کے ہر قصور کو اسکی خطا کے بعد
جلوہ دکھا کے دل تو وہ پہلے ہی لیچکے | باقی رہیگی جان بھی ناز و ادا کے بعد
اپنی مراد بھی جو بر آسکے تو کیا عجب | انسان کو کیا ملا نہیں فضلِ خدا کے بعد

خسرو

حسین یاور خاں اور محمد معراج الدین نام تھا، حسین نواز جنگ خطاب، نواب اکرام اللہ خاں مرحوم نواب یار جنگ کے نواسے تھے، کاکوری (لکھنؤ) وطن تھا وہیں پیدا ہوئے مگر عنفوان شباب میں حیدرآباد آگئے اور تحصیلداری سے ترقی کرتے ہوئے اول تعلقداری کی خدمت حاصل کی ۱۳۳۶ف میں وظیفہ پر سبکدوش ہوئے اور ۱۳۳۸ف میں اپنے وطن کاکوری چلے گئے جہاں ۲۶ مئی ۱۹۳۵ء کو انتقال کیا، نہایت پرگو اور بہت اچھے شاعر تھے، چونکہ ان کی شاعری کی نشو و نما حیدرآباد اور عہدِ عثمانی میں ہوئی اس لئے حالات شائع کئے جارہے ہیں، مرحوم نے ذیل کی غزل ہمارے تذکرہ کے لئے روانہ کی تھی،

الجھ الجھ کے نکلتے ہیں جو چلے دل کے | کہ انکی زلف میں ہیں پیچ میری مشکل کے
قرار چھوٹ کے تم سے نہ چین ہے مل کے | خدا کسی کو نہ ڈالے عذاب میں دل کے
میں کیف چاندنی کا دیکھ لوں گلے مل کے | چلے جو تیغ تو صدقے ہوں دستِ قاتل کے
غمِ فراق سے بیمار کی یہ حالت ہے | جب آہ کرتا ہے پِستے ہیں آبلے دل کے
میرے لہو کی پڑی تھیں جو جا بجا چھینٹیں | تمام ذرے چمک اٹھے کوئے قاتل کے

وفورِ شوق میں لپٹا ہے ان کے دامن سے — ہمارے دل کا یہ عالم ہے خاک میں مل کے

حنا کا رنگ ابھر آیا ہے میرے خون کا رنگ لے کر — چھری کو چومتی ہوں کہ دوست خود ہو دستِ قاتل کے

ہنسی جو آئی چمن میں تو گلعذار بنے — صبا نے لے لئے بوسے زمیں پہ گلے مل کے

پہونچ گیا ہوں تلاطم سے قعرِ دریا تک — نظر میں آگیا [illegible]

یہ کیا اشارے ہیں اب انکی چشم و ابرو کے — کہ ٹکڑے ہوتے چلے جاتے ہیں ہر ایک دل کے

یہ کیسی تاثیر تھی خسرو کہ اٹھ گئیں آنکھیں — نظر نے تھام لئے ٹکڑے پردۂ محمل کے

خلیق

محمد بہادر خاں نواب بہادر یار جنگ بہادر — نواب نصیب یار جنگ بہادر مرحوم کے فرزند اور قدیم جاگیردار اور جمعیدار ہیں، فارغ التحصیل، نہایت روشن خیال اور بڑے اچھے مقرر ہیں، شعر بھی کہتے ہیں، مولانا سید اشرف شمسی مرحوم کی یاد میں یہ نظم کہی ہے، مولانا شمسی ہی سے تلمذ تھا،

ہم کس کو تیرے بعد کہیں آفتابِ علم — اے فخرِ قوم شمسیِ عالیجنابِ علم

سینے میں تیرے سرِّ معارف تھے بیشمار — گنتی کہاں کی اور کہاں کا حسابِ علم

ساقی کا اپنے سب پہ برابر کرم رہا — بٹتی رہی ہے سب میں برابر شرابِ علم

کیوں نہ زیر و بم سے خالی فضائے کمال ہو — کیا تیرے ہاتھ ہی کیلئے تھا ربابِ علم

تجھ میں علوم ظاہر و باطن ہوئے تھے جمع — لاریب تیری ذات تھی اک لب لبابِ علم

اب خلیق کس کے سامنے پھیلائے جا کے ہاتھ — ہے تین پشت سے وہ ترا فیضیابِ علم

خلیق

محمد حسین ——— پڑھے لکھے شاعر اور صاحب ذوق ہیں، رسائل میں آپ کا کلام اکثر نظر آتا ہے معلم پیشہ ہیں، شعر خوب کہتے ہیں، ابتداً غالباً کیفی سے مشورہ کرتے تھے، اب حکیم بہبود علی صفی کے شاگرد ہیں، فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں،

کیوں نہو ناز کے قابل یہ مقدر اپنا — مصطفی اپنے ادہر خالق اکبر اپنا

زلف مشکیں کا تصور رخ انور کا خیال — رات دن شغل یہی رہتا ہے اکثر اپنا

خلیق اب باز آئیں آپ عشق زلف و عارض سے — کہ جھگڑا چھڑ گیا ہے آجکل ہندو مسلماں سے

[illegible] ہے وہ جسکے پہلو میں دل ناشاد ہے — جو اسیر زلف ہے تیرا وہی آزاد ہے

خلیل

سید ابراہیم ——— مولوی سید عبدالرحیم صاحب شمس کے خلف اکبر اور محمد یعقوب علیہ [illegible] کے نواسے ہیں ۱۳۲۱ھ میں پیدا ہوئے ۱۳۲۹ھ سے شعر کہتے ہیں، پہلے اپنے وا[illegible] [illegible] کو کلام دکھاتے تھے پھر جناب واصفی، جناب مجاہد کو کلام دکھانے لگے،

[illegible] درد کے آئینہ دیکھو — تم کو اپنی نظر نہ ہوجائے

عالم تمام کہتا ہے شیدا تیرا مجھے — تو ہی تو یہ بتا دے سمجھتا ہے کیا مجھے

کیا آرزو ہو دید رخ بے نقاب کی — ہے یاد کوہ طور کا سب ماجرا مجھے

گر میرے دلمیں بال برابر بھی کھوٹ ہو — جو چور کی سزا ہو وہی دے سزا مجھے

ثواب

احمد علی ـــــ نصرت کے شاگرد تھے، منصب دار اور فوجدارِ بنی بلدہ میں ملازم تھے، شعر خوب کہتے تھے، سنہ [illegible] میں انتقال کیا،

چشمِ مشکیں لبِ لعلیں یہ ترے سبحان اللہ — اللہ اللہ قدِ موزوں رخِ زیبا تیرا

خوشدل

سید محمد رحمت اللہ ـــــ قدیم دکنی خاندان سے اور باگم بقال کے پوتے ہیں، شعر بھی خوب کہتے ہیں،

تو جفا کار دل آزار ہے دلدار بھی ہے — تیرے مانند ستمگر کوئی عیار بھی ہے
جوشِ مستی میں بھی ظالم وہ نگاہِ غماز — مست ہے مست ہے ہشیار سے ہشیار بھی ہے
دیکھ وہ چشمِ فسوں ساز ستمگر تیری — ہے علاجِ دلِ بیمار بھی بیمار بھی ہے

خوشتر

بشن سنگھ ـــــ حیدرآباد کے خوش فکر اور جناب ترک مرحوم کے شاگرد ہیں، نظم و نثر دونوں لکھتے ہیں، کئی ایک ناولیں طبع ہو چکی ہیں، شعر بھی خوب کہتے ہیں،

میں اک تڑپ میں کروں لاکھ بجلیاں پیدا — اگر میری ہی بیتابیاں رہیں برسوں
تری فغاں میں اثر ہو ابھی سے کیا معنی — کہ مشق چاہیئے مجھکو دلِ حزیں برسوں

رنگِ محفل میں جاتے ہیں وہ یکتائی کا | لو ہوا شوق انہیں انجمن آرائی کا
ساتھ چھوٹے نہ رخِ یار سے رعنائی کا | حسن کے ہاتھ میں دامن رہے زیبائی کا

خورشید

خورشید احمد ——— حکیم فقیر احمد صاحب فقیر کے فرزند ارجمند ہیں اور حیدرآباد کے خوش گو نوجوان شاعروں میں سے ہیں،

یا نبی آپ کی پنہاں ہے محبت دلمیں | ہے اسی نامِ مبارک سے مسرت دلمیں
درحقیقت یہ وسیلہ ہے میری بخشش کا | آل و اصحابِ نبی کی ہے محبت دلمیں
ظاہرا یادِ الٰہی میں ہیں زاہد مصروف | اور سچ پوچھو تو حوروں کی ہے چاہت دلمیں
یہ تمنا ہے کہ آباد رہیں گھر دونوں | کبھی آنکھوں میں رہیں اور کبھی حضرت دلمیں

خورشید

کریم بخش ——— سردار بخش افسر نقالان کے فرزند اور حضرت زیرک کے شاگرد ہیں، نعت اچھی کہتے ہیں، ایک مجموعہ "گلزار نعت" کے نام سے ۱۳۴۵ھ میں طبع ہو چکا ہے،

فراقِ شاہ میں کیونکر کہوں جو دلکا عالم ہے | الم ہے، رنج ہے، ناکامیاں ہیں، یاس ہے، غم ہے
میں یہ سمجھوں گا کہ فردوس کو بس دیکھ لیا | دشتِ طیبہ کو اگر اب کے برس دیکھ لیا

خیر

ابو الخیر محمد خیر اللہ ——— ورنگل کے رہنے والے اور تعلیم یافتہ بزرگ ہیں

سنویسہ گھرانے کے مرید اور ورنگل کے کامیاب وکیل اور بڑے اچھے شاعر بھی ہیں ورنگل میں مذہبی خدمات بہت انجام دیتے ہیں،

صد مرحبا یہ انبساط و ابتہاج — ہے دکن کے ذرہ ذرہ سے مسرت جلوہ گر
جوبلی کا سال تو بھی تحسیرؔ ہو کر با ادب — آصف سابع مبارک جشن تجھکو عرض کر
۱۳ — ۵۴

خیالؔ

عبدالحمید قریشی ——— حضرت شاہ اسمٰعیل قادری گھوڑرواڑیؒ کے خاندان سے ہیں، حضرت کاتبؔ سے تلمذ ہے۔ حیدرآباد کے خوش فکر نوجوانوں میں سے ہیں، شعر بہت اچھے کہتے ہیں، اس تذکرہ کی ترتیب کے ضمن میں آپ نے بہت سے شعراء کے حالات اور کلام کے نمونے دئے۔

اسکے ہر خار کو تم رشک گلستاں سمجھو — ہر گلی کوچے کو اسکے چمنستاں سمجھو
جوش حب الوطنی کا یہ تقاضا ہی خیالؔ — حیدرآباد کو تم رشک گلستاں سمجھو

جو روٹھے تم تو روٹھی مجھسے جان ناتواں میری — جو پھیری آنکھ تم نے پھر گئیں ہاں پتلیاں میری
میری مرضی میں اس بت کو خدا کہتا ہوں اے زاہد — کسیکا کیا اجارہ ہے دہن میرا زباں میری
ہوا یہ جمع آہو نکاہ ہواں گردوں کی صورت میں — اکھٹی ہو کے بجلی بن گئیں بیتا بیاں میری
ملیں کچھ موج دریا کو ہوا کچھ برق کا حصہ — زمین و آسماں میں بٹ گئیں بیتابیاں میری

خیالی

عبدالحمید ——— حیدرآباد کے اچھے شعراء میں سے ہیں نظامت امور مذہبی میں ملازم ہیں

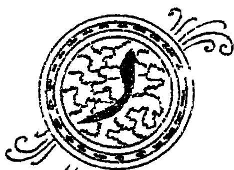
رات بھر بیتاب دل تڑپا کیا تو کیا کیا　　اسنے اپنے بھولنے والے کو بھی اپنا کیا

عشق میں غیروں کے طعنے بیرخی احباب کی　　کان سے سنتا رہا میں آنکھ سے دیکھا کیا

دشمنوں کے ہوش کھوئے دوستوں کی جان لی　　ایک جلوے نے ترے کافر ادا کیا کیا کیا

اب کسی کا جی نہ چاہے تو کسی کا کیا قصور　　ہیچ والوں نے تو جتنا ہو سکا اتنا کیا





دل

اشرف الحکماء لقمان الدولہ افلاطون جنگ نواب محمد حمید خاں بہادر —— ۱۲۷۲ھ میں تولد ہوئے حیدرآباد ہی میں ڈاکٹری کی تعلیم پائی ۱۲۹۵ھ میں امتحان کامیاب کیا۔ اعلیحضرت غفران مکان کے طبیب خاص تھے، نہایت اچھے ڈاکٹر تھے، آپ کے والد بزرگوار حکیم محمد اشرف صاحب حیدرآباد کے مشہور طبیب تھے، آپ نہایت زندہ دل خوش گو اور شیریں کلام شاعر تھے اُستاد داغ سے تلمذ تھا ۱۳۴۱ھ میں انتقال فرمایا۔

دل سے وصل جاناں کی آرزو نہیں جاتی خاک ہو گئے لیکن جستجو نہیں جاتی

عشق نقش پا برباد اپنا کیوں نشان ہوتا ہم نہ خاک میں ملتے تو جو مہرباں ہوتا

اے شعلۂ سوزاں دردوں جی نہ جلا اور اے رنج و غم دردِ نہاں بس نہ ستا اور

تڑپتے ہوئے چھوڑ کر غمزدوں کو کس آرام سے ہو گئے سونیوالے

غم و حسرت و رنج و یاس و تمنا میری لاش پر رو گئے رونیوالے

درخشاں

مومن علی —— سکندرآباد میں رہتے ہیں کبھی کبھی آپ کا کلام دیکھنے میں آتا ہے۔

ایسی روشن ہے مری شمع محبت دل میں جس سے بجا تنگی تاریکی تربت دلمیں

چھوڑا بسمل ہی بنا کر مجھے قاتل تو نے وار پورا نہ کیا رہ گئی حسرت دلمیں

دامنِ ہوش چلا دامن دل کے ہمراہ بڑھ گئی حد سے سوا جب میری وحشت دلمیں

ورد

میر نذر علی ——— قصبہ کاکوری (لکھنؤ) کے رہنے والے اور مشائخ گھرانے سے ہیں، مدت سے اورنگ آباد میں بسلسلۂ ملازمت قیام ہے شعر خوب کہتے ہیں،

اگر کہیئے کہ عشق اک آگ ہے تو ہم یہ کہتے ہیں
کہ پھر عاشق کی نم آنکھوں سے کیوں یہ چشمے بہتے ہیں

اگر کہیئے کہ جس کو عشق کہتے ہیں وہ پانی ہے
تو پھر کیوں آہ عاشق کے جلے دل سے نکلتی ہے

اگر کہیئے کہ عشق اک زہر ہے اپنی حقیقت میں
تو کیوں جوش و خروش اتنا ہے عاشق کی طبیعت میں

اگر کہیئے کہ جس کو عشق کہتے ہیں وہ محنت ہے
تو اسکے مول لے لینے میں کیوں عاشق کو راحت ہے

درویش

سید درویش محی الدین ——— حضرت زردعلیشاہؒ کے خاندان کے چشم و چراغ ہیں، ۱۳۰۰ھ میں تولد ہوئے، عربی و فارسی کی تکمیل کی ہے۔ نواب حیدر یار جنگ بہادر نظم طباطبائی مرحوم کو غزل دکھاتے تھے، تین چار تصانیف مذہب سے متعلق شائع ہو چکی ہیں، شعر بھی خوب کہتے ہیں،

نہ کہنے کی اجازت ہے نہ خاموشی کی طاقت ہے　　　　تیرے نکے چاہنے والے بڑی مشکل میں رہتے ہیں

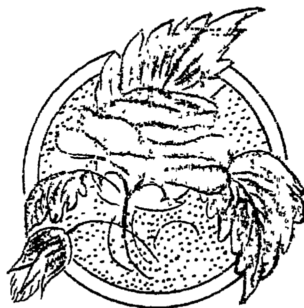
دکھادو لگا ہو دِ محشر گیا ئیا رنگ۔ لائیں گے | جو داغ خونِ ناحق دامن قاتل میں رہتے ہیں
تلاطم خیز موجِ انگیز بحرِ عشق کو درویش | بہا دہ جاتے گیا ہیں جو خود ساحل میں جا بستے ہیں

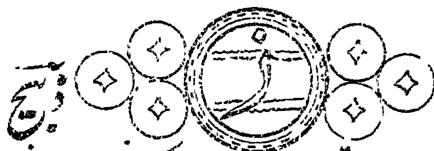
یہ رازِ درونِ پردہ عیاں کس طرح ہوا | منصور کے یہ ورد زباں کس طرح ہوا
خنجر بکف جو قتل پہ آمادہ ہو گئے | بتلائے کہ مجھ پہ گماں کس طرح ہوا

دلباز

سید محمد ــــــ گلبرگہ شریف کے باشندے اور خوش فکر شاعر ہیں، مدرسہ دینیہ میں مدرس ہیں، شعر اچھے کہتے ہیں، جناب شکور شاہ آبادی سے تلمذ ہے۔

یہ دل پر داغ دیوانہ ہے زلفِ یار کا | ربط دیکھو تو ذرا طاؤس کا اور مار کا
جب خیال آیا مجھے زنداں میں رخسار کا | بنگیا خورشید ذرہ روزنِ دیوار کا
ہے زبانِ حال سے کہتا یہ چشمِ یار کا | ہو مدا وا کس طرح بیمار سے بیمار کا
داغہائے عشق نے کیا گل کھلائے ہیں نئے | سینۂ پر داغ اک تختہ ہے لالہ زار کا





ذبیح

ماجد علی ——— قصبہ دیوہ (یوپی) کے باشندے وارثی سلسلہ کے مرید، ناطق لکھنوی کے شاگرد ہیں، مدت تک گلبرگہ کے دفتر مذہبی مجالس میں تھے اب نظامت مجالس کے دفتر میں ہیں، شعر اچھے کہتے ہیں،

سامنے آکر دکھا دو معجزہ رخسار کا — دم لبوں پر آگیا ہے طالب دیدار کا
دل مرا آئینہ تھا نہ ہے انہیں دو چار کا — گیسو و رخ کا مزہ کا ابروئے خمدار کا
میرے ننھے سے کلیجے کی ہی وسعت دیکھئے — گھر کہیں تیروں کا ہے آئیں کہیں تلوار کا
ابھی تک تو وابستہ دامن سے ہے — وہ درد مصیبت جو بچپن سے ہے

ذرہ

دلدار علی ——— حیدرآباد کے رہنے والے اور اچھے شاعر ہیں،

مہروش بام پہ آمادہ ہے آنے کیلئے — دولت حسن خداداد لٹانے کے لئے
جلوۂ حسن حقیقت تو عیاں ہے لیکن — دل حق آگاہ نہیں لطف اٹھانے کیلئے
وقت یہ جان غنیمت نہ ہو غافل زنہار — قافلہ کوچ کا تیار ہے جانے کیلئے
ہوں شناسائے دربار ازل سے ای شیخ — آپ زحمت نہ کریں راہ بتانے کیلئے

ذکی

سید محمد علی ——— مہاراجہ بہادر کے اسٹیٹ کی پولیس میں ملازم تھے، قصبہ بڑلی تعلقہ مومن آباد کے رہنے والے تھے ۱۳۳۷ھ ۱۳۲۸ف میں کچھ کلام "دریائے ذکاوت"

کے نام سے حیدرآباد میں طبع ہو چکا ہے۔ غلام محمد صاحب شوقؔ حیدرآبادی سے
تلمذ تھا۔ معلوم نہیں آج کل کہاں رہتے ہیں۔

باغ میں کس لئے اے بلبلِ ناشاد آیا | دیکھ پیچھے سے ترے پھانسنے صیاد آیا
شیشۂ ناز کی کب موج پانی کو ترستی ہے | کبھی ابرِ کرم برسا کبھی شبنم برستی ہے
سنی ہے کون سے گل رو کے آمد کی خبر اس نے | کلی بھی کھل کھلا کر شکلِ گل گلشن میں ہنستی ہے
گل نہ ڈالے مزار پر نہ سہی | فاتحہ تو پڑھا کرے کوئی

ذکی

عبدالسلام ــــــــ مولوی قادر علی صاحب مرحوم وکیل کے فرزند ہیں۔ ۱۳۱۵ھ
میں تولد ہوئے، حیدرآباد کے قدیم اور شریف خاندان سے ہیں۔ جامعہ عثمانیہ سے
سندِ فراغت حاصل کی ہے۔ تعلیم المعلمین کے بھی سند یافتہ ہیں۔ مدت سے
سررشتۂ تعلیمات میں ملازم اور کسی مدرسہ کے مدرس ہیں۔ مشقِ سخن بھی عرصے سے
ہے۔ ابتداً حضرت کیفی سے تلمذ تھا ان کے بعد حضرت سلیم مرحوم کو کلام دکھانے
لگے، سلیم کے بعد جناب امجد اور حضرت محوی اور جناب آزاد انصاری سے مشورہ
کرتے ہیں۔ نظم و نثر کی کئی ایک کتابیں شائع کر چکے ہیں۔

گلزارِ اطفال (نظم) جذباتِ عالیہ (نظم) شہادت نامہ (نثر) چمن زارِ حکایات (نظم)
آپ کی علمی خدمات کی یادگار ہیں۔ غزل اور نظم اور سلام وغیرہ سبھی کچھ کہتے ہیں۔
طبیعت اچھی پائی ہے جو کچھ کہتے ہیں خوب کہتے ہیں۔

باقی نہیں نشان کسی کے مزار کا		انجام ہے یہ زندگی مستعار کا
گلزار دہر میں گل خنداں ہے جسکا نام		اک خندۂ جمیل ہے اس گلعذار کا
اک نور کی لرزش کا تماشا ہے دم رقص		اک برق نظر میں ہے تو اک لوچ کمر میں
دم رفتار سہلے آہستہ		کہیں دہری کمر نہ ہو جائے
اس ادا سے نہ دیکھ آئینہ		تجھکو اپنی نظر نہ ہو جائے
ملی کشا کش طوفان متصل سے نجات		خوشی نہو مجھے کیوں اپنے ڈوب جانیکی
خیر یہی ہے ؟ صرف لبکا ہونے والے !		یہ نالے نہیں ہیں رسا ہونے والے

ذکی

قاضی غلام جیلانی ——— حیدرآباد کے خوش فکر شاعر اور جناب عیش کے شاگرد ہیں،

اسکے پیکان ستم روز بپا کرتے ہیں		حشر برحشر قیامت یہ قیامت دل میں
آرزو بہی ہے تمنا بہی ہے ارمان بہی ہیں		اور کیا کیا نہیں الفت کی بدولت دل میں

ذہین

غلام مصطفیٰ ——— حیدرآباد کے قدیم لوگوں میں سے اور دارالعلوم کے فارغ التحصیل تھے، صدر محاسبی سرکار عالی سے ملازمتی تعلق تھا، نہایت منکسر المزاج، شریف النفس اور ہمدرد بزرگ تھے، ۱۳۴۹ھ میں آپ نے انتقال کیا، نظم بڑی اچھی کہتے تھے، خصوصاً بچوں کے لئے بڑی اچھی نظمیں کہتے تھے، کئی ایک مجموعے طبع

ہو چکے ہیں، انگریزی نظموں کے ترجمے بھی خوب کرتے تھے،

معیارِ حقیقت

پتھر سمجھیے دل میں جو مہر و وفا نہ ہو　　مٹی کے ڈھیلے آنکھیں ہیں جن میں حیا نہ ہو

وہ کیا صبا کہ جس سے گرہ دل کی وا نہ ہو　　وہ کیا نسیم چلکے اگر جاں فزا نہ ہو

وہ کیا مرض جو حد سے بڑھے اور شفا نہ ہو　　وہ درد کب ہے درد جو بڑھ کر دوا نہ ہو

وہ پھول کیا کہ رنگ ہو بوئے وفا نہ ہو　　بلبل وہ کیا جو شاہدِ گل پر فدا نہ ہو

ذہین

سید خواجہ محی الدین نظامی ——— ابن سید خواجہ معین الدین سلام مرحوم معتمدی تعمیرات سرکار عالی میں اسٹنوگرافر ہیں، حسینی سید ہیں، ۱۸ واسطوں سے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ تک سلسلہ نسب پہنچتا ہے۔ ۱۳۱۸ھ میں پیدا ہوئے ابتداً اپنے بڑے بھائی خواجہ فخر الدین فخر کو اپنا کلام دکھاتے تھے، صاحب دیوان ہیں، غزل اور نظم خوب کہتے ہیں، نہایت زندہ دل اور خوش فکر شاعر ہیں،

جسم پر خنجر قاتل سے بنے گل بوٹے　　اس گلستاں کو مبارک ہو گلستاں ہونا

گیسوئے یار کا بل کہا کے بکھرنا رخ پر　　آہ وہ حسن کے دفتر کا پریشاں ہونا

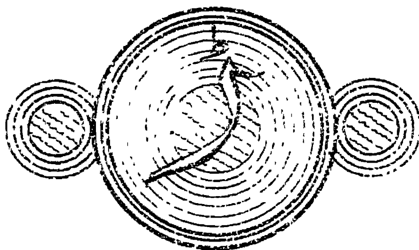
جو اچٹ اچٹ کے پڑتیں تیری مدبھری نگاہیں
کبھی ہوش اپنے کھوتا کبھی ہوشیار ہوتا

تری سرد مہری سے بھڑک اُٹھی آگ دل کی
تو ہوائیں ٹھنڈی ہی چلتیں نہ یہ شعلہ بار ہوتا

محبت کر کے یہ حاصل ہوا ہے اس ستمگر سے
کہ جامِ دل کے ٹکڑے ہو گئے ٹکرا کے پتھر سے

بے خود ہوں دیکھ دیکھ کے گردش نگاہ کی
بیٹھا ہوا ہوں ساغرِ مینا لئے ہوئے





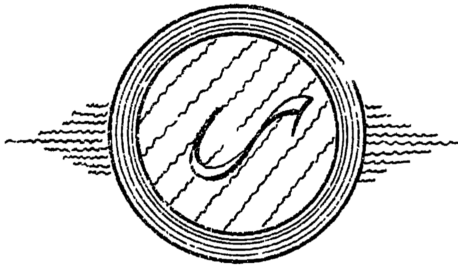
ڈاکٹر

حیدرآباد کے ایک قدیم اور شریف گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، غالباً جانوروں کے ڈاکٹر تھے، لوگ ان کو ڈاکٹر حبیبی کہتے تھے، شعر بھی کہتے تھے مشاعروں میں بھی غزل پڑھتے تھے نگاہی رنگ غالب تھا آٹھ دس سال ہوئے کہ انتقال کیا۔

ڈاکٹر اس لئے تخلص ہے — شاعروں کا علاج کرتا ہوں

عشق جب سے پاڑوں کو ہوگیا — میں سر بازار رسوا ہوگیا





راز

محمد عبدالقادر صوفی ——— حیدرآباد کے مشہور واعظ اور پیر طریقت ہیں "تخلص راز" کے نام سے اُردو، فارسی کلام کا ایک مجموعہ ۱۳۴۰ھ میں طبع ہو چکا ہے۔ کبھی کبھی اُردو میں بھی طبع آزمائی فرماتے ہیں،

آواز کسی کی ہے یہ بربط کی نہیں ہے ۔۔۔ اس پردہ میں پوشیدہ کوئی ماہ جبیں ہے

سنتے تھے کہ اس یار کا گھر عرش بریں ہے ۔۔۔ دیکھا جو وہاں جا کے مکاں ہے نہ مکیں ہے

مازاغ کا سرمہ ہے اور آنکھیں بھی کھلی ہیں ۔۔۔ بازار میں بیٹھا ہے مگر گوشہ نشیں ہے

میں گرم سفر لاکھ برس سے ہوں ولیکن ۔۔۔ اٹھا نہ قدم راز جہاں تھا سو وہیں ہے

راز

قدرت احمد ——— علیگڈھ یونیورسٹی کے قدیم طالب العلم اور دارالعلوم بلدہ کے مددگار ہیں، حیدرآباد کے قدیم اور شریف گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں، جوان العمر شاعر ہیں،

یہ بھی سوچا ہے کبھی غور کیا فکر بھی کی — آپ نے کس کو سزا دی ہی خطا سے پہلے
آج شوخی سے دکھاتے ہیں وہ آنکھیں مجھکو — نیچی کر لیتے تھے نظریں جو حیا سے پہلے
لائیں گی رنگ آپ کی رنگین مزاجیاں — عاشق کے خون سے ہاتھ رنگے ہیں حنا کے بعد
اٹھکھیلیاں جو کرتی ادہر سے گزر گئی — کچھ مسکرا کے رہ گئے غنچے صبا کے بعد

راز

نواب اصالت جنگ بہادر مرحوم کے فرزند اور نواب اکبر جنگ مرحوم کوتوال بلدہ کے پوتے ہیں، راز قاسمی کے نام سے مضامین بھی لکھتے ہیں اور غزل و نظم بھی نوجوان ہیں اور محنت سے کہتے ہیں، جامعہ عثمانیہ میں زیر تعلیم ہیں،

بہار آئی کھلے گل ہر طرف عشرت کا ساماں ہے — گلستاں غیرت جنت ہے اور صحرا گلستاں ہے
کہیں اٹھکھیلیاں کرتی نسیم صبح پھرتی ہے — کہیں غنچے چٹکتے ہیں کہیں بلبل غزلخواں ہے
کہیں ہے سوسن و نرگس کہیں ہے لالہ و سوری — چمن تو کیا چمن کا ذرہ ذرہ گل بداماں ہے
وہ فرش مخملی سبزے کا اور اسپر وہ گلکاری — یہ منظر دیکھکر چشم فلک بھی آج حیراں ہے

راحت

شرافت علی —— مجددیہ گھرانے کے بزرگ ہیں، اورنگ آباد میں قیام ہے شعر اچھے کہتے ہیں،

آپکی نظروں میں جو ایسا ذلیل و خوار ہے — وہ ازل سے جلوۂ مطلق کا پردہ دار ہے
ابن مریم بھی مری بالیں سے یہ کہکر اٹھے — موت جس پر جان دیتی ہے وہ یہ بیمار ہے

رہرو براہِ محبت ہوں مجھے راحت کہاں
میرا ہر تارِ نفس لذت کش آزار ہے

میرا اندازِ جنوں کہتا ہے رازِ دل مرا
میری آنکھوں سے نمایاں حسرتِ دیدار ہے

راسخ

حکیم میر عباس حسین رضوی —— جناب زیرک کے شاگرد اور حیدرآباد کے بڑے اچھے شاعر ہیں،

الفت میں بدگمانی کا اب یہ چلن ہوا
سایہ بھی میرا میرے لئے اہرمن ہوا

صحرا سے گرد ابر سے نم ہائے چشم تر
اس طرح سے کبھی کا نہ غسل و کفن ہوا

موسیٰ نے کھوئی ذوقِ تکلم کی چاشنی
کس وقت ناگوار ہمارا سخن ہوا

بلبل کے چہچہے تھے گلوں پر بہار تھی
برباد کیسے وقت ہمارا چمن ہوا

راشد

عبدالرزاق —— حیدرآباد میں پیدا ہوئے، حیدرآباد سیول سروس میں کامیاب ہو کر مددگار صدر محاسب مقرر ہوئے، اب مددگار معتمد فینانس ہیں، نہایت اچھا مذاق رکھتے ہیں، نظم اور نثر دونوں پر یکساں قدرت ہے۔

ہے تیری قوم میں لب تشنگیٔ ذوقِ حیات
خضر سا راہبر چشمۂ حیواں ہو جا

آمد و رفتِ نفس سے یہ صدا آتی ہے
دو گھڑی کے لئے اس دہر میں مہماں ہو جا

جب اٹھاتا ہوں قدم منزلِ الفت کی طرف
شوق چلتا ہے مرا راہ نما سے پہلے

کتنی بیتاب جبیں تھی مری اللہ اللہ
نقش سجدوں کے نقشِ کفِ پا سے پہلے

راحتی

احمد علی مرزا ——— حیدرآباد کے نوجوان جاگیردار ہیں، حضرت ضیا دہلوی سے تلمذ ہے، شعر اچھے کہتے ہیں، خصوصاً قطعہ، رباعی اچھی کہتے ہیں، اکثر اپنے مکان پر مشاعرے کرتے ہیں، رباعیات اور قطعات کا ایک مجموعہ طبع ہو چکا ہے،

توبہ کرو توبہ کرو راحتی توبہ
ہرگز نہ کبھی تم نے سنا ہی توبہ
توبہ شکنی کرتے ہو توبہ کر کے
یہ بھی کوئی توبہ ہے الٰہی توبہ

محشر میں مجھے آنے کو شرم آتی ہے
یہ منہ تجھے دکھلانے کو شرم آتی ہے
سب روز جزا جمع رہیں گے یارب
نامہ ہے سیہ لانے کو شرم آتی ہے

اب کے جو میرے زخم جگر میں خراش ہو
ایسی دوا کروں کہ جگر پاش پاش ہو
ہے منحرف ہوا تو بگولے خلاف ہیں
یارب ہماری خاک کہیں کو بکو نہ ہو

رحمت

رحمت اللہ ——— دفتر ٹیلیفون کے محاسب ہیں، نعت اور مدح بڑی اچھی کہتے ہیں، خوش فکر شاعر ہیں، رقبۂ رزیڈنسی کی تاریخ بڑی اچھی کہی ہے،

بات ہی کیا ہوئی نئی ایسی
جو ملا رقبۂ رزیڈنسی
ملک مالک کی ملک مالک کا
مل گئی چیز اسکو جس کی تھی
اپنے ہی ملک کا جو تھا حصہ
ہوگئی آج واپسی اس کی
کہا رحمت نے یہ سنہ ہجری
مستر د رقبۂ رزیڈنسی

۱۳۵۲ھ

رحیم

محمد رحیم الدین خاں ـــــ محمد فیاض الدین خاں فیاض کے فرزند اور نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز کے بھائی ہیں،

خیال ابرو کا تیرے ای بت بے پیر رکھتے ہیں
سپاہی ہی ہمیشہ ہاتھ میں شمشیر رکھتے ہیں

میری ہی خاک کا تو وہ بنایا کرتے ہیں اکثر
وہ جب ہاتھ میں اپنے کمان و تیر رکھتے ہیں

بہار آنے تو دے دیوانے تیری زلف پیچاں کے
بھلا دیکھیں تو کیسے پاؤں میں زنجیر رکھتے ہیں

رحیم اپنا یہ مقطعہ ہے عطیہ فیض صاحب کا
ہم آل تمغا اپنے واسطے جاگیر رکھتے ہیں

رحیم

عبدالرحیم قادری ـــــ حیدرآباد کے رہنے والے ہیں شاعری کا بھی چسکا ہے،

جوش جنوں میں جو غریب الوطن ہوا
حسرت مزار دامن صحرا کفن ہوا

کچھ کم نہ تھا جنوں سے محبت میں حال دل
ان سے کہا یہ اور بھی دیوانہ پن ہوا

اک ربط سا تھا عشق کی ناکامیوں کے ساتھ
بربادیوں کی وجہ ترا حسن ظن ہوا

تسکین دل فدا سے تبسم سے ہو گئی
یہ التفات مرہم زخم کہن ہوا

رحیم

محمد عبدالرحیم ـــــ ممالک محروسہ سرکار عالی ہی کے باشندے اور دارالعلوم بلدہ کے فارغ التحصیل ہیں، معتمدی عدالت و کوتوالی امور عامہ سرکار عالی میں ملازم ہیں شعر خوب کہتے ہیں خصوصاً قدیم دکھنی زبان کے شعر کہنے میں بڑا ملکہ ہے

بندگانعالی کے جشن سیمیں میں ایک ترانہ بڑا اچھا کہا ہے جسکے چند شعر یہ ہیں،

میر عثمان علیخاں نظامِ دکن آئینہ ان سے ہے انتظامِ دکن
ہیں مناتے خوشی سے بفضلِ خدا جوبلی، جوبلی، جوبلی، جوبلی،

یہ یگانہ ہے اسلام کا تاجور، جسکا خورشید ہے طرۂ تاجِ سر
لہرالہرا کے پرچم یہی ہے کہہ رہا، جوبلی، جوبلی، جوبلی، جوبلی،

ہے دعا جشنِ زرّیں ہو اور جوہریں گونجا جائے ڈنکوں سے چرخِ بریں
شاہِ عثمان مناتے رہیں یا خدا، جوبلی، جوبلی، جوبلی، جوبلی،

رسا

مرزا غلام مصطفیٰ ——— حیدرآباد کے قدیم شرفا سے ہیں، نہایت کہنہ مشق اور اچھے شاعر ہیں، استاد داغ کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتا ہے۔ مددگار ناظم کروڑگیری ہیں، دیوان مکمل کر چکے ہیں مگر افسوس ہے کہ طبع کرانے کا نام نہیں لیتے۔

اول اول تو ترے لطف پہ نازاں دیکھا آخرالامر عدو کو بھی پشیماں دیکھا
تمکو دل دیکے جہاں میں نہ کوئی شاد ہوا جسکو دیکھا تیری جانب سے پشیماں دیکھا
کوئے قاتل وہ قیامت کی جگہ ہے کہ جہاں ملک الموت کو انگشت بدنداں دیکھا
دعوٰی مہر و وفا غیر کا سچ ہے لیکن کبھی اسنے بھی عذابِ شبِ ہجراں دیکھا
خوش رہا کوئی ہمیشہ نہ جہاں میں افسوس شادی و رنج بہم دست و گریباں دیکھا

صدمۂ رشکِ عدو جورِ فلک تیرے ستم ہمنے کیا کیا نہ ترے عشق میں ایجان دیکھا

چاک کرنا تیرے وحشی کو نہ کچھ تھا مشکل اسنے کب جامۂ ہستی کا گریباں دیکھا

وہ بھی اپنا نہ ہوا جان گئی خوار ہوئے دل لگانے کا مزا اے دلِ ناداں دیکھا

رشدی

حبیب اللہ ــــــ ایم اے حیدرآباد کے قدیم اور شریف گھرانے کے چشم و چراغ اور جامعہ عثمانیہ کے قابل طیلسانیوں میں سے ہیں، آج کل کہیں ہیڈ ماسٹر ہیں، نظام گزٹ ہفتہ وار آپ ہی کا اجرا کیا ہوا ہے، شعر خوب کہتے ہیں،

رقیب سے

عشق کی آگ تیرے دل کی بجھا دی کس نے کس لئے تو نے کیا ترکِ محبت کا خیال

تیری آشفتہ مزاجی وہ چھڑا دی کس نے کسطرح ہو گیا مایوس تماشائے خیال

تیری تبدیلی سے ہی دل میں خلش سی پیدا چلکے دو چار قدم بیٹھ رہا تھک کے یہیں

ہاں بتا عشق تری بوالہوسی تھی کہ نہیں

شریمتی سروجنی کی ایک انگریزی نظم کا ترجمہ کیا ہے۔

قاتل

سحر کو جانِ جاں! تمسے کوئی رہرو اگر پوچھے کہ "اے نازک بدن ملبوس ہے شبنم میں تر کیسا

رخِ پُر نور کو دیکھو تو اک دریا کا عالم ہے خمِ گیسو میں بارانِ سحر کا ہے اثر کیسا؟"

ادا سے مسکرا کر نیچی نظروں میں کہو "حاشا" غم الفت سے کی جوشِ آہ سے اور سوزِ فرقت سے
یہ قطرے موت کے ٹپکے نگاہِ یاس و حسرت سے
رشید

محمد عبدالرشید ——— فاروقی خاندان کے بزرگ تھے ۱۳۱۹ف میں آپ کا ایک دیوان طبع ہو چکا ہے۔ حاجی سید کاظم حسین شیفتہ کنتوری کے شاگرد تھے، حضور بندگانعالی کی تخت نشینی کے زمانے میں آپ کی شاعری کا خاصہ چرچا تھا چنانچہ حضور کی مسند آرائی کی تاریخ کہی ہے،

زینت دہِ ریاستِ ملکِ دکن ہے اب
۱۳۲۹

دفتر تدوین علوم اہلبیت (جو مولانا حسن الزماں کی نگرانی میں تھا) کے آپ منتظم تھے ۱۳۱۹ف میں یہ دفتر تخفیف ہوا تو آپ وظیفہ پر سبکدوش کئے گئے۔

دل مرا وابستۂ زلفِ چلیپا ہو گیا سامنا اے دوستو کالی بلا کا ہو گیا
سبز رنگوں کے عشق میں آخر ہم تو گھبرا کے زہر کھا بیٹھے
رشید

غلام دستگیر ——— مستقر ضلع نلگنڈہ صوبہ میدک کے رہنے والے ہیں، ابتدائی تعلیم مدرسہ نلگنڈہ میں ثانوی فوقانیہ دارالعلوم میں اور اعلیٰ کلیہ جامعہ عثمانیہ میں پائی ایم، اے میں دیوان، غزلیات مولینا روم المعروف بہ دیوان شمس تبریزؒ پر یہ تحقیقی مقالہ لکھا، جس میں داخلی اور خارجی شہادتوں سے اس امر کا ثبوت فراہم کیا

ہے کہ حضرت شمس تبریزؒ شاعر نہ تھے اور دیوان شمس تبریز مولینا روم کے غزلیات کا مجموعہ ہے'

نظام کالج میں فارسی کے لکچرار ہیں' شعر بھی خوب کہتے ہیں'

چاندنی رات

چمن کے پودوں کی اوٹ میں یہ حسین کوئی چھپا ہوا ہے
کہ اسکے عکسِ جمالِ رُخ سے جہاں منور بنا ہوا ہے

وہ چاند تاروں بھرے فلک پہ عجیب عالم دکھا رہا ہے
صراحی لیکر حسین ساقی چمن میں گویا کھڑا ہوا ہے

ہمارے دل پہ کیا گذری نہ پوچھو
کسی گل کی ادائے دلنشیں سے

نہ ہو ذوق وفا گر بے اثر ہے
لگا تا دل کسی زہرہ جبیں سے

رشید

رشید ترابی ــــــــ بی' اے حیدرآباد کے خوش فکر شاعر ہیں' آپ نے ایک طویل نظم علامہ اقبال کے شکوہ کے جواب میں کہی ہے جو ۱۳۵۲ھ میں معین دکن پریس سے شائع ہوئی ہے جس کا ایک بند نقل کیا جاتا ہے'

شب جو دلمیں خلشِ خارِ غمِ دوش ہوئی
فکرِ فردا سے خرد بڑھکے ہم آغوش ہوئی

طبع کیفِ مئے پندار سے مدہوش ہوئی
بھکی اسدرجہ کہ آداب فراموش ہوئی

یوں تو رہتی تھی شکایت فلکِ پیر سے بھی
جی میں جو آیا کہا مالکِ تقدیر سے بھی

رشید

سید رشید الدین ــــــ حضرت تجلی کے فرزند اور مولینا تمکین کاظمی صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں، نوجوان شاعر ہیں کبھی کبھی شعر کہہ لیتے ہیں، اور نہایت اچھے شعر کہتے ہیں، نثر بھی خوب لکھتے ہیں، ادبیات سے بہت لگاؤ ہے۔

رہتا ہوں میں مست تمر جام شراب ۔۔۔ بجتا ہے سدا دائرہ دف چنگ رباب
اس طرح گزرتی ہے میری عمر عزیز ۔۔۔ خواہش ہے ثواب کی نہ ہے خوف عذاب

کوششیں عمر بھر کرے لیکن ۔۔۔ کوئی قسمت بدل نہیں سکتا

آجکل مجھ سے ہیں کچھ بیزار سے ۔۔۔ اور ملتے ہیں عدو سے پیار سے
دشمنوں کے ساتھ خوش رہتے ہیں وہ ۔۔۔ ہے فقط اک دشمنی مجھ زار سے

رضا

میر غلام مصطفیٰ ــــــ معتمدی مالگزاری کے منتظم اور حیدرآباد کے جاگیرداروں میں سے ہیں، کئی ایک انگریزی ناولوں کے ترجمے بھی آپ نے شائع کئے ہیں، شعر بھی خوب کہتے ہیں۔

یہ نتیجہ ہے دل زار کی خود آرائی کا ۔۔۔ اور باعث نہیں کوئی مری رسوائی کا
نظر غور سے تو دیکھ مرا عشق ہی ہے ۔۔۔ میری عریانی کا باعث تری زیبائی کا

رضا

محمد عبد الرزاق ــــــ حیدرآباد کے خوش فکر شعراء میں سے ہیں،

راتدن رہتی ہے ظالم تری صورت دلمیں
کسطرح آئے بھلا غیر کی چاہت دلمیں

چاندتاروں میں ہو گویا نہیں سینہ میں یہ داغ
انکی الفت کا جو ہے داغ حقیقت دلمیں

تو نہو پاس تو کیا دلمیں تری یاد تو ہے
ہم سمجھ لیتے ہیں اسکو ہی غنیمت دلمیں

سامنے رند کے واعظ تری ہستی کیا ہے
اچھے اچھے کی بدلجاتی ہے نیت دلمیں

رضوی

سید محمد ابراہیم ــــــ علیگڈھ یونیورسٹی سے بی، اے آنرز کیا ہے حیدرآباد کے خوش فکر نوجوان اور نظامت طبابت کے پرسنل مددگار ہیں، شعر ہی خوب کہتے ہیں،

ہیں اور یہ غمگینی، تو اور یہ بیباکی
سفاکی و بیدردی، بیدردی و سفاکی

تو اخترِ حسن آرا، میں ذرہ بے مایہ
اختر کی روش نوری، ذرہ کی فضا خاکی

یکساں ہیں نظر والو! اقلیمِ محبت میں
پھولوں کا تبسم ہو، یا میری جگر چاکی

سب حسن کے جلوے ہیں سب تیری ادائیں ہیں
وہ درد کا عالم ہو، یا جوشِ طربناکی

رعد

میر نادر علی ــــــ مولوی نوازش علی صاحب لمعہ کے چھوٹے بھائی اور حضرت کاظم علی شعلہ کے فرزند ہیں، نہایت خوش فکر شاعر اور طبیب یونانی ہیں،

آجکل دواخانہ واڑی پر متعین ہیں،
دیوان رعد، ایمان سخن وغیرہ کے نام سے کئی ایک مجموعے شائع ہو چکے ہیں،

کبھی پھر محال اے دل نہ وصال یار ہوتا
اگر ایک بار ہوتا تو ہزار بار ہوتا

وہ تو کہتے ہیں ہے پاسِ ادب لیکن یہاں　　حرفِ مطلب کا زباں پر بار بار آنے کو ہے

رہبر علی، امام علی، پیشوا علی　　حیدر علی، ابو الحسن و مرتضیٰ علی

عالم علی، علیم علی، علمِ حق علی　　ناصر علی، نصیر علی، پیشوا علی

رعنا

سید حمید الدین ــــــ جامعہ عثمانیہ کے قدیم طالب علم اور اچھے شاعر تھے،

صحنِ گلشن میں وہ بے پردہ خراماں ہونا　　صفحۂ کون و مکاں کا وہ گلستاں ہونا

آپ ہی پردہ درِ رازِ گلستاں ہونا　　آپ ہی بلبل بے ہوش پہ نالاں ہونا

وہ ترا میری طرف دیکھ کے خنداں ہونا　　وہ میرے ذرّوں کا خورشید درخشاں ہونا

ابھی ہو جائے گا اک حشرِ ترنم برپا　　تم ذرا ناز سے گلشن میں خراماں ہونا

رفیق

محمود علیخاں ــــــ ہائیکورٹ کے وکیل اور حیدرآباد کے اچھے شاعر ہیں،

خاموشیوں میں شہرۂ لطفِ سخن ہوا　　معدوم گو ہزار کسی کا دہن ہوا

آزادگی میں رنگِ تقید کا تھا اثر　　یوں پا بگل تو کہنے کو سروِ چمن ہوا

بیٹھا نہ پاؤں توڑ کے آوارۂ وطن　　راحت نصیب کب یہ غریب الوطن ہوا

دارو غمِ تلخ بن گیا ہر جرعۂ شراب　　برہم جو مجھ سے ساقیٔ تو بہ شکن ہوا

رفیق

محمد عبد الغفار ــــــ آپ حضرت ہرمز کے شاگرد رشید اور بڑے اچھے

خوشنویس ہیں، شعر خوب کہتے ہیں،

ملک الموت کو کوئی نہ دوا روک سکی — رہ گئی حضرتِ لقمان کی حسرت دلمیں

رونق فروز آج وہ غنچہ دہن ہوا — سرسبز پھر بہار سے سارا چمن ہوا
اس غیرتِ قمر سے ملایا نہ ایک شب — مجھپر نہ مہربان کبھی چرخِ کہن ہوا
تہمت سے انبیا کو بھی چھوڑا نہ عشق نے — یوسف کا چاک جسکے سبب پیراہن ہوا

رنگ

حاجی محمد وزیر خاں —— حضرت ظہیر کے ارشد تلامذہ سے اور نہایت کہنہ مشق پختہ رنگ شاعر تھے، ۱۳۵۳ھ میں انتقال کیا، قدیم وضع کے بزرگ تھے، واحد علیخاں صاحب عاصی آپ کے فرزند ہیں،

وہ آئے بھی گئے بھی خبر تک نہیں ہوئی — کچھ ایسا انکو دیکھ کے میں محو ہو گیا
بلا سے دو گھڑی کیوا سطے تسکین ہو جاتی — تمہارا خواب ہی میں گر مجھے دیدار ہو جاتا
میں اسکی یاد کو دل سے نکالدوں کیونکر — رہی ہو میرے تصور میں جو حسیں برسوں
کبھی تو ہاں بھی کہو عرض مدعا پہ مرے — سنا کروں میں کہانتک نہیں نہیں برسوں
تالیاں بجتی ہیں جس سمت نکل جاتا ہے — اک تماشا ہے جہانمیں ترے سودائی کا
ہوں نہ ہابیل نہ میں یوسفِ کنعانی ہوں — کیوں ارادہ ہے مرے قتل پہ ہر بھائی کا

رنگین

محمد ایوب —— قصبۂ کول (علیگڈھ) کے باشندے اور مدت سے دکن

میں ہیں، کورٹ آف وارڈز میں منتظم اور عرصے تک گلبرگہ پر مامور رہے، اب بھی کہیں دکن ہی میں ہیں، حضرت امیر مینائی کے شاگرد خاصے سن رسیدہ بزرگ ہیں، شعر خوب کہتے ہیں اور پڑھنے کا انداز بھی اچھا ہے،

نہ ذوق حق پرستی ہے نہ فکر راز ہستی ہے — مرا دل ہے الٰہی یا کوئی ویرانہ بستی ہے
کسے بے یار فصل گل میں شغل مے پرستی ہے — یہاں چھایا ہوا ہے ابر غم حسرت برستی ہے
گھیرے ہوئے حسرت ہی تو ارماں جلو میں — وحشی کو ترے بے سر و ساماں نہیں دیکھا
ممکن ہے کہ ہوں اور بھی دنیا میں پریشاں — ہم نے کوئی زلفوں سا پریشاں نہیں دیکھا

روشن رائے

"روشن رائے" یہ "قلمی نام" ہے جامعہ عثمانیہ کے ایک قابل اور روشن رائے روشن دماغ، روشن خیال، فارغ التحصیل کا جنکی ادبی شہرت اصلی نام سے بھی خاصی ہوگئی ہے۔ مگر نظم کے لئے انہوں نے جلالتمآبی کو اس روشنی میں چھپا دیا ہے۔ نظم خوب کہتے ہیں، شاہزادگان بلند اقبال نے کے یورپ سے واپس آنے پر مسٹر لاٹوش نے ٹائمز مصوّر ہفتہ وار میں ایک انگریزی نظم شائع کی تھی جسے دیکھکر روشن رائے نے اپنے خلوص و عقیدت کے پھول چن دئے ہیں،

خوش آمدید کہ تمہیں منتظر بہت آنکھیں — تمہارے آنے سے اب دلکو کچھ قرار آیا
رعایا شاد ہے اور مادر و پدر مسرور — ہر ایک کیلئے یہ وقت خوشگوار آیا
تمہارا لوٹ کے آنا تمہیں مبارک ہو — تم آئے ہو کہ یہاں موسم بہار آیا

شہاب گنبد گردوں سے جسطرح آئے
نسیم نکہتِ گل لیکے جس طرح آئے

اسیطرح سے خبر شادیوں کی ہم کو ملی
اسی طرح درِ مغرب سے نامہ بر آئے

رونق

مرزا امام بیگ ـــــ حضرت محسن کے شاگرد ہیں، دکن نیوز ایجنسی کے بانی آپ ہی ہیں، شعر بھی کہتے ہیں، رسالہ خلیق کی ادارت بھی کرتے ہیں،

ایک ٹھوکر مری مرقد پہ بھی اونست خرام
ہاں ادہر بھی تو کچھ احسان مسیحائی کا

بے حجابانہ قیامت ہوئی بے ساختگی
جاگ اٹھے فتنے بہانہ ہوا انگڑائی کا

رہبر

حکیم دستگیر بشاد والاجاہی ـــــ جناب زیرک کے شاگرد ہیں، شعر بڑے اچھے کہتے ہیں،

تفوق خاکساری کے سوا حاصل نہیں ہوتا
بلندی پر پہونچنے کا ذریعہ ہو تو پستی ہے

نرالا ہے عجب کچھ قاعدہ بازارِ الفت کا
گراں جنسِ وفا ہی تو متاعِ جو دستی ہے

ہمیں عاصی ہیں اسکے مستحق دا عظ سر محشر
گنہگاروں پہ ہی اللہ کی رحمت برستی ہے

رہبر

غلام دستگیر خاں ـــــ مندوزی گھرانے کے پٹھان ہیں، نواب الف خاں کرنولی کے خاندان سے اور ابراہیم علیخاں تمکش کرنولی کے پوتے ہیں، قادری اور نظامی سلسلہ میں بیعت ہیں، اُستاد جلیل سے مشورۂ سخن کرتے ہیں شعر بڑے اچھے

کہتے ہیں،

علاجِ دردِ دل سرکارِ طیبہ ہی سے ہو تو ہو
مسیحا سے تو یہ بیمار اچھا ہو نہیں سکتا

تجلّیٔ رخِ روشن کو پوچھے کوئی موسیٰ سے
تمہ نقشِ کفِ پا کا ہی نقشا ہو نہیں سکتا

بلا لیجئے طیبہ میں شاہِ مدینہ
ہے مرنے سے بدتر یہ فرقت کا جینا

درِ دولت پہ زمانے سے صدا دیتا ہوں
کچھ مرے دردِ جگر کی بھی دوا ہو جائے

ریاضؔ

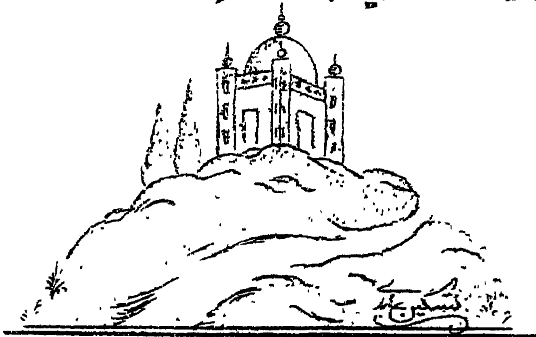
ریاض الدین علی ـــــ حضرت معلّیٰ کے فرزند اور کہنہ مشق شاعر ہیں، حضرت کیفی کے تلامذہ میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں،

محبت کی نگاہوں سے کسیکو تم اگر دیکھو
تو غیرت کی نظر سے مجھکو پہلے دیکھکر دیکھو

مرے دل کی کشش ذکیا دکھایا ہے اثر دیکھو
نہیں دیکھو یہ آدھی رات دیکھو میرا گھر دیکھو

حاجت نہیں قیام و رکوع و سجود کی
عاشق کو چاہیئے پڑھے ہر دم نمازِ عشق

دم بدم صبحِ قیامت کی خبر دیتی ہے
روزِ میثاق کی میرے لئے شب ہے دنیا





زاھد

زاہد حیدری ـــــــ حیدرآباد کے رہنے والے اور اچھے شاعر ہیں، جشن سیمیں کی تقریب میں "عید سلطان" کے نام سے ایک نظم بہی شائع کی ہے جسکا ایک بند نقل کیا جاتا ہے،

شہ عثمان علیخاں کو سدا مسرور رکھ یارب! ہر اک رنج دبلا و غم سے کوسوں دور رکھ یارب!
مسرت سے ہمیشہ اسکا دل معمور رکھ یارب! تو اپنے نور سے اس ذات کو پُر نور رکھ یارب!
رہیں برباد دشمن شاد کو آباد رکھ یارب!
بہ زیر سایۂ شہ دوستوں کو شاد رکھ یارب!

زاہد

عبد اللطیف ـــــــ مدرسۂ فوقانیہ کہمم (ورنگل) کے مدرس اور اچھے شاعر ہیں،

باغ میں خندۂ گل شاخ پہ شورِ بلبل رات دن پیتے ہیں مَل ہے وہ مسرت دلمیں
شان اسلام نہیں ترک محبت کرنا شان مومن نہیں یہ ہے جو کدورت دلمیں

تذکرہ شیرِ خدا کا ہے زباں پر جاری
کیوں زیادہ نہ ہوا ایماں کی قوت دل میں

زاھد

مرزا باقر علی ——— سٹی انٹرمیڈیٹ کالج کے طالب العلم ہیں، طبیعت اچھی پائی ہے۔ شاعری کا بھی شوق ہے، غزل اور نظم کہہ لیتے ہیں،

ہائے پھر یاد آگیا کوئی
میرے دل میں سما گیا کوئی

آگیا پھر لبوں پہ نام اُن کا
مجھکو بے خود بنا گیا کوئی

میری الفت کا چھیڑ کر قصہ
بیٹھے بیٹھے رُلا گیا کوئی

اب میں کیا کیا بتاؤں اے زاہد
مجھکو کیا کیا بنا گیا کوئی

زہیر

محمد زہیر ——— امروہہ (ضلع مراد آباد) کے باشندے تھے تقریباً بارہ سال ہوئے کہ عدالت گلبرگہ میں نقل نویس تھے نہایت خوش طبع، زندہ دل، یار باش اور اچھے شاعر تھے، مگر وطن کی مناسبت سے طبیعت میں امروہہ پن تھا، شاید اب کسی اور ضلع پر ہیں،

لالہ بھی داغی غلام آتش گل کے جگر کا ہیں
سرو بھی ہے بندۂ آزاد قدِ یار کا

کعبۂ مقصود کا کسدن نہیں ہوتا طواف
روز اک چکر کیا کرتا ہوں کوئے یار کا

یہ کیوں بے سبب اے نسیم سحر
جلایا تجھے شمع مدفن سے ہے

نمودِ بہارِ ریاضِ عدم
وجودِ گلِ زنگ مدفن سے ہے

زعیم

سید غلام محمد ــــــ حیدرآباد کے قدیم شرفا اور مشائخ گھرانے سے ہیں، عربی فارسی کے عالم و فاضل ہیں وعظ بھی خوب کہتے ہیں، ڈاکٹر سید غلام محی الدین قادری زور پروفیسر جامعہ عثمانیہ آپ ہی کے فرزند ارجمند ہیں، شعر بھی خوب کہتے ہیں، استاد داغ کے شاگردوں میں سے ہیں، پچاس برس سے زیادہ عمر ہے، زندہ دل نیک مزاج خوش طبع پرانی وضع کے بزرگ ہیں،

بنا دوں یہ الہی تیرے احسان بہت ہیں ۔۔۔ اس دل کے عوض اور کوئی دل مجھے دیدے

یا اپنی بزم ناز میں مجھ کو بلا کبھی ۔۔۔ یا میرے گھر میں وعدہ فراموش آ کبھی

اتنی بھی بیچین لیلی کیلئے محمل میں ہے ۔۔۔ قیس نے نالہ اگر منہ سے نکالا ہی نہیں

ایک پہلو میں ہی اک سینہ میں ہی اک دل میں ہے ۔۔۔ کیا بتائیں ہم کہاں ہیں آپکی مژگاں کے تیر

یا مرا قصہ غم اس کو سنائے کوئی ۔۔۔ یا مرے پاس جفا کار کو لائے کوئی

نیند آتی ہے ہمیں اب نہ ستائے کوئی ۔۔۔ زعیم کس ناز سے وہ رات کو فرماتے ہیں

زور

ڈاکٹر سید محی الدین قادری ــــــ حیدرآباد کے قدیم اور شریف گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں، جامعہ عثمانیہ سے ایم ' اے ' اور لندن سے پی ' ایچ ' ڈی کیا ہے، جامعہ عثمانیہ ہی میں اردو کے پروفیسر ہیں، نظم و نثر دونوں پر قدرت ہے آپ کی حسب ذیل تصانیف مشہور ہو چکی ہیں،

اردو شہ پارے، اردو کے اسالیب بیان، محمود غزنوی کی بزم ادب، روح تنقید، تنقیدی مقالات، تین شاعر، طلسم تقدیر، تازیانہ، ہندوستانی لسانیات، ہندوستانی صوتیات (انگریزی) گلزار ابراہیم، گارساں دتاسی، دیوان زادہ حاتم، عہد عثمانی میں اردو کی ترقی، فن انشاء پردازی وغیرہ

نہایت علم دوست، شریف الطبع، قابل اور خدمت ملک کا جذبہ رکھنے والے انشاء پرداز ہیں۔

برس ابر کرم جلدی، نہیں ہے دیر کچھ اچھی — رہیں گے بیکسوں کے اشک کے دریا رواں کبتک

نہیں کیا سوختہ قسمت یہاں مجھسے سوا کوئی — جلائے گی تو اے بجلی مرا ہی آشیاں کبتک

فدا کرنا پڑیگا زور اپنی دونوں چیزوں کو — مرا دل میرا دل کبتک مری جاں میری جاں کبتک

دعویٰ ہے اگر اسکو مرے دیدۂ تر سے — کہہ دو یہ گھٹا سے کہ مرے سامنے برسے

اے زور وہ بت حسن پہ جو اپنے ہیں مغرور — قابو میں نہ وہ زور سے آئینگے نہ زر سے

زور

خواجہ معین الدین احمد ———— حضرت عشق کے شاگرد اور اچھے شاعر ہیں۔

اسقدر شوق شہادت کی ہے کثرت دلمیں — بڑھ گئی خنجر بیداد کی چاہت دلمیں

آبلہ پائی کو ہے دشت نوردی مرغوب — کیوں ترقی پہ نہو جوشش وحشت دلمیں

حسرت مردہ بس دفن بھی ہے ساتھ مرے — دل ہی تربت ہیں مرا یا کہ ہے تربت دلمیں

زور رہتا ہے جو اس بت کا تصور مجھ کو — مثل آئینہ نظر آتی ہے صورت دلمیں

زیبا

علی حسین ـــــ کلیہ جامعہ عثمانیہ کے طالب العلم اور بڑے اچھے شاعر ہیں، شاید یو، پی کے باشندے ہیں، مگر مدت سے حیدرآباد میں ہیں۔

آتشِ الفت کا چھوٹا سا شرر　　درد دل کی کائنات مختصر

آب و گل کا پیکرِ آشفتہ حال　　اہلِ دنیا کو پیامِ برشگال

اک پپیہا ہستیٔ نوحہ طراز　　رنگ و بو کی بزم کا ہنگامہ ساز

جسکا ہی ذراتِ نالہ پی کہاں　　جانے رہتا ہی اسکا جی کہاں

کر رہا ہے دعوتِ گوش و نظر　　آم کی جھکتی ہوئی اک شاخ پر

بادل اُڑتے اُڑتے ہیں چھائے ہوئے　　جی اُٹھے ہیں پیڑ مرجھائے ہوئے

زیبا

سید حبیب حسین مختار ـــــ عرب ہیں مگر اُردو شاعری سے شغف ہے۔ جناب زیرک کے شاگرد اور اچھے شاعر ہیں۔

دلکی خواہش ہو کہ یہ حال رہے وقتِ اخیر　　پاؤں آقا کے مدینہ کے ہوں اور سر اپنا

وحشتِ دلکی یہ بیجا نہیں حیرت دل میں　　دلسی محدود جگہ اور قیامت دل میں

پہلے مجھکو یہ بتا اے کششِ فتنۂ حشر　　دل قیامت ہیں ہی میرا کہ قیامت دلمیں

بیٹھے بیٹھے ہیں یہ صدا صور کی سننے پہ ہی ہم　　نام کو بھی نہیں کچھ خوفِ قیامت دل میں

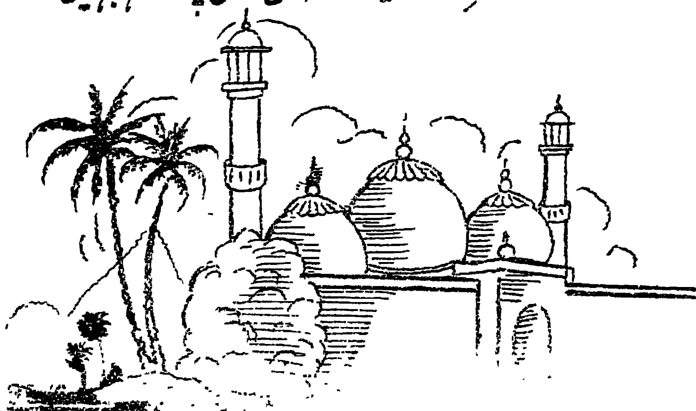
زیرک

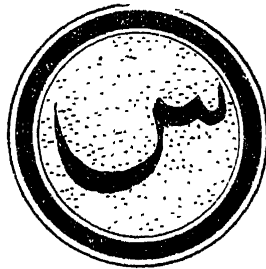
علی احمد —— حضرت نادر علی برترؔ سے تلمذ تھا، قنوج کے رہنے والے تھے مگر ساری عمر حیدر آباد میں گزاری نعت بڑی اچھی کہتے تھے، پانچ چھ سال ہوئے کہ آپ نے انتقال کیا، ۱۳۴۴ھ میں "تصوراتِ زیرک" کے نام سے آپ کا ایک دیوان آپ کے شاگرد بشن سنگھ خوشتر حیدر آبادی نے شائع کیا ہے،

کبھی دل میں ضیا فگن ہے جلوہ روئے انور کا — کبھی سایہ میرے سر پہ ہے گیسوئے پیمبر کا
نہ جائیگا کبھی سودا سرِ زلفِ پیمبر کا — میری وحشت نے ٹھیکہ لیلیا ہے زندگی بھر کا
کبھی پردہ نہیں کرتی ہیں حورانِ خیال اپنے — سمجھتی ہیں غلامانِ نبی کو آدمی گھر کا

چنوں گا جو گلزارِ طیبہ میں پھول — یہ دامن مرا آج بھر جائیگا
اڑائیگا صحرائے طیبہ کی خاک — کہاں اور شوریدہ سر جائیگا

شستشو اشکِ ندامت نے کی — دامنِ عاصی پہ اک دھبا نہیں





ساجد

خواجہ ساجد سبحانی ——— چند سال قبل انٹرمیڈیٹ کالج ورنگل میں تعلیم پاتے تھے، شعر بھی خوب کہتے تھے، نہ معلوم اب کہاں ہیں،

مئے دیدار میں خود تھا مزہ پینے سے بھی بڑھکر
طبیعت ہوگئی ہے مست اے پیر مغاں میری

وہ آئے وقت پر ورنہ خدا معلوم کیا ہوتا
زباں پر رہ گئی آ آ کے بس آہ و فغاں میری

مجھے آداب حسن و عشق نے پابند کر ڈالا
جبیں ہے اور ہر سجدہ وقف سنگ آستاں میری

بہار آئی ہے تھوڑی سی اگر پی لوں تو کیا واعظ
جوانی کی امنگیں ہیں طبیعت ہے جواں میری

ساحر

برہان الدین ——— حضرت عیش کے شاگرد اور اچھے شاعر ہیں،

جا گزیں جب سے ہوا جذبۂ الفت دلمیں
بڑھ گئی کچھ کشش عشق و محبت دل میں

جھوم کر ابر کو اٹھتے ہوئے جب دیکھ لیا
ہوئی توبہ شکنی کی وہیں نیت دل میں

دل بیمار کو ہو رنج سے کسطرح سکون
کہ ہے مدت سے نہاں درد محبت دل میں

لٹ گیا حیف مرا خانۂ دل لے ساحر　　　　جب سے اس آئینہ رو کی ہی محبت دل میں

سالک

سید علی حسن تقوی ——— مہاراجہ بہادر کے مخصوص مشاعرے کے شعراء میں سے ہیں، شعر بڑے اچھے کہتے ہیں،

نظر پڑتی ہے پھر برقِ تپاں کی　　　　الٰہی خیر میرے آشیاں کی
کہاں تک او ستمگر جور پیہم　　　　کوئی حد بھی ہے آخر امتحاں کی
مجھی پر گر پڑی تھرا کے بجلی　　　　بنا کرنے چلا تھا آشیاں کی
چمن ہے یا کوئی جنت کا ٹکڑا　　　　چمن آرائیاں ہیں باغباں کی

ساقی

سید شرف الدین ——— حیدرآباد کے مشہور وکیل اور بڑے اچھے شاعر تھے ترتیب تذکرہ ہذا کے دوران میں انتقال کیا،

آہ دم سینہ میں کیوں آج گھٹا جاتا ہے　　　　آج کیوں پاس ادب دل سے اٹھا جاتا ہے
عیش کیوں تلخ ہی ہکیوں آج وفور غم ہے　　　　جوشِ فریاد سے کیوں آج لبوں پر دم ہے
خوب واقف ہوں کہ سو لطف ہیں بیتابی میں　　　　آج قابو میں نہ دل ہی نہ زباں کہنے میں
حالتِ سابقہ یاد آئی تڑپنے لگا دل　　　　ضبطِ فریاد کا خود ہوگیا دعوی باطل

سامی

ویراسامی ——— مادری زبان اردو نہیں ہے مگر اردو میں بڑے اچھے شعر

کہتے ہیں،

ناطقہ بند ہے یاں قوتِ گویائی کا — ہو سکے وصف بیاں کیا تری رعنائی کا
مدعی ہو کہ کوئی ہو یہ دعا ہے میری — منہ نہ اللہ دکھائے شبِ تنہائی کا

سحر

سید عزیز الحق —— اچھے شاعر ہیں مشاعروں میں پڑھتے ہیں،

کیجئے آ کے کسی روز زیارت دلمیں — ہمنے ارمانوں کی بنوائی ہے تربت دلمیں
کبھی چھپتی ہے چھپانے سے علاوہ دلمیں — لب پہ آجاتی ہے جو کچھ ہے حقیقت دلمیں
کیسا جادو ہے حسینوں میں کہ ملتے ہی نظر — چشم کی راہ سے آجاتی ہے الفت دلمیں
وعظ کرنے کیلئے میکدہ آئے واعظ — کیا خدا جانے سمائی تھی حماقت دلمیں

سحر

محمد حسین —— بداپوں کے باشندے مگر مدت سے سکندر آباد میں رہتے ہیں، شعر بھی خوب کہتے ہیں،

دل کے ارمان نکلنے کی توقع کیا ہو — دم نکلنے کی بھی باقی نہیں طاقت دلمیں
فیض دریائے کرم سے ہے وہ موجِ الفت — ورنہ کیا قطرۂ خوں کی ہے حقیقت دلمیں
خوفِ محشر بھی ہے اور خطرۂ پاداشِ عمل — دل قیامت میں ہے دنیائے قیامت دلمیں
پہلے تھی آرزوئے دید میں چشمِ پرشوق — دم نکل جائے کہیں اب ہے یہ حسرت دلمیں

سخا

سید نظیر حسن ——— یو، پی کے باشندے تھے، ابتداً حیدرآباد آکر پادریوں سے مناظرہ کرتے رہے پھر دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ میں ملازمت کرلی، نہایت خوش مزاج، عالم و فاضل بزرگ تھے، شعر خوب کہتے تھے، انگریزی سے واقف اور انگریزی شاعری کے دشمن تھے ۱۳۵۲ھ میں انتقال کیا،

شیدا اسے قد و زلف شکن در شکن ہوا ‏ میں کس خطا میں لائق دار و رسن ہوا

جب ہو چکی بہار خزاں کا وطن ہوا ‏ کہتا ہے اب چمن ہی کہ میں کیوں چمن ہوا

مجبوریاں تھیں کچھ تو زمانہ کی ورنہ کیوں ‏ کانٹوں سے پھول باغ میں ہم انجمن ہوا

اشکوں کیساتھ رہنے سی ہے آب تاب اور ‏ ہر پارۂ جگر مرا لعل یمن ہوا

سخنور

یعقوب علیخاں ——— شیخ احمد صاحب صوبیدار (فوج) کے فرزند تھے ۱۲۶۴ھ میں گنٹور میں تولد ہوئے اور کمسنی ہی میں اپنے والد کے ہمراہ سکندرآباد آگئے، فارسی، عربی سے واقف تھے، ابتداً افضل گنٹوری سے مشورۂ سخن کرتے تھے ۱۲۹۴ھ میں سرفراز علی صفی دہلوی (شاگرد آتش) کے شاگرد ہوئے ۱۲۹۵ھ میں صفی نے انتقال کیا تو آپ نے مرزا قربان علی سالک (شاگرد غالب) سے مشورہ شروع کیا ۱۲۹۷ھ میں سالک نے بھی انتقال کیا اور آپ نے محض اس ڈر سے کسی کی شاگردی اختیار نہیں کی کہ کہیں آپ کے شاگرد ہوتے ہی

استاد نہ مرجائے'

سکندرآباد میں سب سے پہلے آپ ہی نے خانگی مدرسہ قائم کیا اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوگیا' اور ایک ماہوار مشاعرہ بھی شروع کیا جس میں حیدرآباد کے سب شعراء غزل پڑھا کرتے تھے' یہ مشاعرہ بھی سکندرآباد کا اولین مستقل مشاعرہ تھا جو مدت تک ہوتا رہا' اس مشاعرے کا ایک گلدستہ بھی گلزار سخن کے نام سے طبع ہوتا تھا'

آپ نے سکندرآباد جیسے تجارتی اور خشک مقام پر شاعری کی روح پھونکدی اور جمال الدین نادر' بدیع الزماں سیار' عبدالرحیم شمس' عبداللطیف شہیر' سید عثمان عاجز' محمد قاسم مکرم' نیاز الدین نیاز' محمد جعفر اثر' عبدالعزیز مایوس یوسف حسن یوسف' وغیرہ بیسوں شعراء کو تیار کر دیا'

آپ ابتداً لکھنؤ اسکول کے متبع تھے اور بعد کو دلی اسکول کی تتبع کرنی چاہی مگر دونوں اسکولوں کا رنگ ملکر ایک اور ہی رنگ پیدا ہوگیا تھا جو دکن اسکول کا تھا'

آپ نے حضرت روحی فداک کا سراپائے مبارک بھی نہایت اچھا لکھا ہے مگر افسوس ہے کہ وہ اسوقت ہمارے پیش نظر نہیں'

۱۲ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ کو آپ نے انتقال کیا' سکندرآباد کی موجودہ شعری چہل پہل آپ ہی کی محنت کا نتیجہ ہے'

کرو تم بات تو ہر بات میں طول بیاں کیوں ہو
جو دل خوش ہو سخن آگر لیو نیر داستاں کیوں ہو

مجھی کو ہو نکہ دی یا خلق کو خاکِ سیہ کر دے
جو میر بجاں ہو ای فدائے ردِ جیلاں جہاں کیوں ہو

گر مقصد کسی تازہ ستم کی آزمائش ہے
خلاف وضع تم مجھ پر میرِ بجاں مہرباں کیوں ہو

کہیں پردہ کہیں بے پردگی ہے واہ رے پردہ
نہیں معلوم دل میں رہ کے آنکھوں سے نہاں کیوں ہو

ذرا سے نور پر خورشید انور چھپ نہیں سکتا
تعجب ہے کہ تم اس حسن پر مجھ سے نہاں کیوں ہو

ہزاروں طعنۂ اغیار پر اُف بھی نہیں کرتے
سخنور تم سخنور ہو تو پھر یوں بے زباں کیوں ہو

سہراب

سمیع الزماں ——— انٹرمیڈیٹ کالج ورنگل کے لکچرار ہیں، شعر بھی خوب کہتے ہیں،

اپنی حیثیت کو اے طفلِ دبستاں مجھ سے پوچھ
اک طلسمی ذرّہ ہے تو دشتِ پُر تنویر کا

جوش تیرا اک فقط غوغائے بےجا ہی نہ ہو
زلزلہ انداز ہو نعرہ تری تکبیر کا

کر ڈراما کی ضرورت ہے نہ تانہ پارٹ ہی
ہاتھ میں قائم رہے جوہر مگر شمشیر کا

شانہ و سینہ رہے پھر حاملِ کسبِ تفنگ
بلکہ سینہ ہو سپر، بندوق و توپ و تیر کا

سطوتِ خالدؓ کو تو ظالم مگر رسوا نہ کر
غیرتِ ارجن ہو ہر نقشہ تری تصویر کا

فطرۃً گر مرد ہستی مرد باش و زن مباش
شہرتِ مردانگی قوم را دشمن مباش

سرتاج

جامعہ عثمانیہ کے طالب العلم اور ۱۹۳۱ء و ۱۹۳۲ء میں زیرِ تعلیم تھے، اور حالات

معلوم نہ ہو سکے،

پریشان خاطری دیکھی خم زلفِ دوتا بنکر — کبھی آسودگی پائی دل بے مدعا بن کر
کبھی سینہ زمین کا چیر کر تحت الثریٰ پہونچا — کبھی اوجِ فلک دیکھا یتیموں کی دعا بنکر
وجودی ہستی معبود کی شانِ بقا دیکھی — چمن زار جہاں میں موجِ سیلاب فنا بنکر
حقیقت جزو کل کی دیکھ لی سچے خیالمیں — خود اپنے کو نہ پہچانا مگر ناآشنا بنکر

سمردار

علی نقی خاں ـــــــ حیدر آباد کے رہنے والے ہیں، شعر اچھے کہتے ہیں،

جسدن سے مجھکو عشق بتِ سحر فن ہوا — اُس روز سے عدو مرا چرخِ کہن ہوا
ساقی پھر ایک دور ہے موسم ہے پھول کا — پہلے کے جام کا تیرے نشہ ہرن ہوا
پھر لذتِ اسیری صیاد عود کی — پھر دل کو ذوقِ سیرِ بہارِ چمن ہوا
موت و حیاتِ قیس میں صحرا کا تھا غبار — جامہ کا جامہ اور کفن کا کفن ہوا

تشہد

عظمت اللہ خاں ـــــــ سکندر آباد کے رہنے والے تھے ابتداً حضرت واصفی کو کلام دکھاتے تھے بعد میں اُستاد جلیل (نواب فصاحت جنگ بہادر) سے مشورہ کرنے لگے تھے، حیدر آباد کے موجودہ شعرا میں اچھے کہنے والے تھے عاشق مزاج تھے، دل چوٹ کھایا ہوا تھا، طبیعت میں رندی بھی تھی اسلئے شعر تر نکلتے تھے، محکمہ نظامت [illegible] میں [illegible] تھے [illegible] پڑھنے کا انداز [illegible]

بھی دلکش تھا، پینتیس سال کے قریب عمر تھی ایک دیوان "فغان سرمدؔ" کے نام
سے دس بارہ سال پہلے چھپوایا تھا، دوسرا دیوان "نالۂ سرمدؔ" چھپ رہا تھا،
اس دیوان کی طباعت مکمل ہوئی ہی تھی کہ یکایک نمونیا میں مبتلا ہو گئے اور
۱۳۸۴ھ میں انتقال کیا، طبیعت میں متانت اور سنجیدگی تھی شعر سمجھ کر کہتے تھے،
اگر سرمدؔ جیتے تو اپنے معاصرین سے بہت زیادہ شہرت حاصل کرتے
یوں بھی ان کی شہرت بہت خاصی رہی، حیدرآباد کے بچے بچے کی زبان پر ان
کے شعر تھے کئی ایک غزلیں ریکارڈ ہو چکی تھیں، مختصر یہ کہ نہایت اچھے شاعر تھے
خداوند عالم اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

دعا ہے بچائے حشر میں بھی بھرم گنہگارِ آرزو کا
کہ سر جھکائے خدا کے آگے خیال ہے تیری جستجو کا
خدا ہی جانے دیارِ دل میں بھٹکتی ہوگی کہاں کہاں یہ
بہت ہی دشوار ہے لگانا سراغ ناکامِ آرزو کا
یہی تو شمعِ حرم ہی سرمدؔ یہی سے اس روشن غریب خانہ
جو دل میں ناسور ہی ہمارے چراغ ہی چشمِ آرزو کا

دل کا غبار پڑا اس ہوا کے بعد | نظارہ باز آنکھ کھلی ہے تغافل کے بعد
مانگا تھا ان کو انکی بلائیں گلے پڑیں | الٹا اثر دعا کا یہ دیکھا دعا کے بعد
ان بلبلوں کو خوب ملا پھل بہار کا | اب خاک اڑ رہی ہے چمن میں صبا کے بعد

مٹنا رہِ فنا میں وفا کا ثبوت ہے — سرمد صلہ ملیگا وفا کا فنا کے بعد

گرہ کا جشن شہِ تاجدار کو دیکھو — چمن کے ساتھ چمن کی بہار کو دیکھو
دکن ہے میکدہ ساقی حضور ہم میکش — نزولِ رحمت پروردگار کو دیکھو
یہ جشن شہ کی مسرت کا اک مرقع ہے — نشاط و عیش کے نقش و نگار کو دیکھو
قدوم شاہ سے آخر لپٹ گیا سرمد — نثار ہو ہی گیا جان نثار کو دیکھو

خوشا نصیب کہ پھر موسم بہار آیا — وہ شام عیش کی وہ روز وصل یار آیا
بہار آئی ہے ساقی کی نذر کو زاہد — کہ ٹکڑے توبہ کے لیلے کے بادہ خوار آیا
اُٹھے جو ہاتھ، اجابت کو کچھ نہ دیر لگی — دعا ادہر کی، ادہر فضل کردگار ہوا

سجدہ گاہِ عاشقاں دیر و کلیسا کیوں نہ ہو — نقش تصویر بتاں نقش کف پا کیوں نہ ہو
ساتھ پروانوں کے دل بھی خاک اپنا کیوں نہ ہو — شمع کے بدلے چراغ روئے زیبا کیوں نہ ہو
عشق میں آباد میرے دل کی دنیا کیوں نہ ہو — بس گئے جب رنج و غم ارماں پیدا کیوں نہ ہو
سوز ہے دونوں میں دونوں مبتلائے درد ہیں — بیقراری دلکی بجلی کا تڑپنا کیوں نہ ہو
دست وحشت کی درازی تا بدامن ہو گئی — دل لگے ہاتھوں میں گریبان تمنا کیوں نہ ہو
وہ تصور میں مرے آئے گئے مثل خیال — ہوش کا پردہ ہی خود خواب تمنا کیوں نہ ہو
یہ پھٹے کپڑے، یہ منہ پر گرد، یہ دیوانگی — سرمد اپنا حال محشر میں تماشا کیوں نہ ہو

ہمارا کام ہے سرتا پا التجا ہونا — زباں سے حرف تمنا ادا ہوا نہ ہوا

اے دل تو اس گلی میں پامال ناز ہو جا — قدموں پہ سر کو رکھ کر تو سرفراز ہو جا

سرور

احمد محی الدین ——— حضرت عیش کے فرزند اور شاگرد ہیں،

پہول ہر داغ ہے دل ہی میرا چہوٹا سا چمن — دیکھ لے آکے مری جاں دم فرصت دلمیں
جام چہوٹا سا ہے۔ مے ہلکی سی، ساقی کمسن — کیوں ذرا سا نہو پہر کیف مسرت دلمیں
کمسنی ہی میں ہے سفاک بلا کا وہ بُت — آنکھ میں اُسکی مروت نہ محبت دلمیں
کیوں نہ چہوٹی سی زباں پر ہو ذرا سا چہالا — کہ ذرا سا ہے ابہی سوزِ محبت دلمیں

سرور

ابوالقاسم ——— یو، پی کے باشندے اور مدت سے حیدرآباد میں مقیم ہیں، دارالترجمہ سرکار عالی سے ملازمتی تعلق ہے۔ اُردو، فارسی میں نہایت اچہے شعر کہتے ہیں، خصوصاً فارسی کی مشق بہت بڑہی ہوئی ہے۔

آج سامان ہے کس معرکہ آرائی کا — صفِ عشاق میں اک شور ہے پسپائی کا
پہولوں کو چومنا کانٹوں سے تنفر کرنا — صاف اظہار ہے کمزوری بینائی کا
طور پر ساغر نظارہ میں وہ تند تہی مے — ٹوٹ کر جام گرا ہمت بینائی کا

ان سے ہم قصۂ بیدادِ جفا کہتے ہیں — دیکہنا یہ ہے وہ سنکر اسے کیا کہتے ہیں
کچھ تری زلف کو گہنگہور گہٹا کہتے ہیں — اور کچھ وہ ہیں جو اس سے ہی سوا کہتے ہیں
کارواں زیست کا جاتا ہی لگی ہے ہچکی — یہ صدا وہ ہی جسے بانگِ درا کہتے ہیں

سروشؔ

ابوالنصر فتح اللہ ـــــ ۱۳۲۴ھ میں تولد ہوئے مولوی احمد مدنی صاحب مشہور مدرس کے صاحبزادے تھے، سروش کی تعلیمی حالت نہایت اچھی رہی، اسکول اور کالج میں امتیاز کے ساتھ امتحانات کامیاب کئے سنہ ۱۳۳۱ف میں جامعہ عثمانیہ سے بی، اے کیا اور حیدرآباد سیول سروس کے لئے منتخب ہو گئے ایچ، سی، ایس ہو کر جالنہ کے منصف مقرر ہوئے اور خدمت منصفی کا جائزہ لیتے ہی علیل ہو کر حیدرآباد آئے اور صرف چوبیس برس کی عمر میں ۱۵ اردے سنہ ۱۳۳۹ف کو انتقال کیا۔

ایں ماتم سخت است کہ گویند جواں مرد

نہایت معصوم مزاج، پارسا، قناعت پسند، راست باز، منکسر المزاج جوان صالح تھے، شعر بھی کہتے تھے، ابتداً چند نظمیں مولوی سلیم مرحوم کو دکھائیں، ناوقت موت نے حیدرآباد کو ایک ہونہار سے محروم کر دیا اگر سروش جیتے تو ملک کے لئے بہت کارآمد ثابت ہوتے

مولوی عظمت اللہ خاں مرحوم کی تتبع میں بھی نظمیں کہی ہیں اور خوب کہی ہیں،

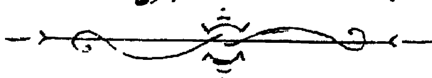
ہم پہ اگلی سی عنایات نہیں ۔۔۔ کیا ہوئی بات کہ وہ بات نہیں
کیا وہ اب گردش دوراں نہ رہی ۔۔۔ کیا وہ اب پہلے سے ذرات نہیں
کیا وہ اب مہر و اختر نہ رہے ۔۔۔ کیا وہ اب ارض و سماوات نہیں

وجہ کیا ہے کہ وہ اب تم نہ رہے | وجہ کیا ہے کہ وہ حالات نہیں
یا شب و روز تھا آنا جانا | یا مہینوں سے ملاقات نہیں
یا محبت کے تھے لاکھوں پیماں | یا عداوت کی بھی اک بات نہیں
ہے یہ اظہار حقیقت ورنہ | مجھکو منظور شکایات نہیں
جو گزرتی ہے وہی لکھتا ہوں | میرے اشعار خیالات نہیں

سید

ابو محمد سید علی — ۲۰ شوال ۱۳۲۳ھ کو حیدرآباد میں تولد ہوئے آپ کے والد سید محمد ابراہیم مرحوم حیدرآباد کے قدیم شرفا سے اور شرنپلی کے جاگیردار تھے مرحوم کو حضور غفران مکان رح کے صاحبزادگان کی اتالیقی کی عزت بھی حاصل تھی، سید نے تعلیم و تربیت حیدرآباد ہی میں پائی بچپن سے شعر و سخن کا شوق ہے ابتداً محمد حسین آزاد سے مشورہ کرتے تھے اب حکیم بہبود علی صفی سے مشورہ کرتے ہیں، طبیعت اچھی پائی ہے، خوب شعر کہتے ہیں،

سرکار عشق سے مجھے بس یہ عطا ہوا | احباب میں ذلیل تو گھر میں برا ہوا
کیا فقط تجھے مجھی کو شکوہ بیداد ہے | او ستم ایجاد تجھ سے کونسا دل شاد ہے
آنکھ میں آنسو ہیں دل میں درد ہے لب پر فغاں | کس بری حالت میں تیرا عاشق ناشاد ہے
بہ فیض حضرت مجنوں ہے آجتک جاری | کہ گھر میں وہ نہیں رونق جو ہے بیابانمیں



سطوت

محمد علی ـــــــ مشاعروں میں آپ اکثر غزلیں پڑھتے ہیں، شعر خوب کہتے ہیں،

ہے کٹھن چاک مجھے پردۂ عصیاں ہونا ۔۔۔ کب گوارہ ہے کسی جسم کو عریاں ہونا

دل کو برباد نہ کرتے جو سمجھ لیتے تم ۔۔۔ پارۂ دل کا مرے پارۂ قرآں ہونا

سعدی

عبدالحی ـــــــ حیدرآباد کے بہت قدیم اہلِ ذوق ہیں پندرہ بیس سال پہلے کی علمی سرگرمیوں میں بہت حصہ لیتے تھے ایک آدھ رسالہ بھی آپ نے جاری کیا تھا، شعر خوب کہتے ہیں مدت سے گوشہ نشین ہیں،

گلشن عالم کا ہے رنگ بقا دو چار دن ۔۔۔ چلتی ہے اس میں نسیم جاں فزا دو چار دن

آپ کو سمجھے جو شبنم اور اجل کو آفتاب ۔۔۔ بستر گل پر اسے نیند آئے کیا دو چار دن

روشنی رہتی ہے اے منعم دیئے کی مدتوں ۔۔۔ تیری شمع زندگی کی ہے ضیا دو چار دن

ہے جہاں میں ماتم عبرت نما دو چار روز ۔۔۔ ہے جہاں میں شادیٔ عشرت فزا دو چار دن

سعید

میر تراب علیخاں بہادر نواب یار جنگ ـــــــ نواب بہرام جنگ بہادر کے فرزند اور معتمدی مالگذاری کے مددگار ہیں پشتینی امیر اور شاعر بھی ہیں، طبیعت بڑی اچھی پائی ہے، شعر خوب کہتے ہیں، ہزاکسیلنسی سر مہاراجہ بہادر کے مشاعرۂ خاص کے علاوہ دوسری جگہ غزل بہت کم پڑھتے ہیں، نہایت خوش مزاج، زندہ دل،

اور قابل امیر ہیں،

وہ دن بھی تھے کہ کہتے تھے دل بیقرار ہے | اب وہ سکون ہے کہ طبیعت پہ بار ہے
وہ تو کہو کہ جذبۂ دل کا ہے یہ اثر | ورنہ تمھارے وعدوں کا کیا اعتبار ہے
تکلیف میں بھی آئے نہ لب پر کوئی گلہ | یہ بھی تو مشیت پروردگار ہے

نظر پڑنے لگی ہے باغباں کی | الٰہی خیر ہو آشیاں کی
تمھیں بھی یاد ہوگا ہم صفیرو | روش کچھ اور ہی ہے باغباں کی
فلک کے بانکپن کو بھی ہلا دے | کسی کی تمکنت ہی چال بانکی
نکل سکتے نہیں وہ سینے سے پیکاں | نشانی ہیں یہی آرام جاں کی
تجھے سمجھوں نہ کیوں لے کر ترا درد | کہ طاقت ہو نہ یہ ضبط فغاں کی

سعید

میر عابد علی ——— نواب شہید یار جنگ بہادر شہید کے فرزند ہیں۔ نوجوان شاعر ہیں، ابتدا ہے مگر شعر اچھے کہتے ہیں،

تا حشر نہ پاؤ گے کبھی آب بقا میں | اے خضر جو لذت ہے مرے جام فنا میں
ان میری وفاؤں کا بڑا صبر تجھی پہ | کیا ہوا اگر میں نے تمھیں اپنی دعائیں
ہم منت کش جنبشوں سے سنبھلتے نہیں ہرگز | عیسیٰ ہو تو دو شربت دیدار دوا میں
انسان تو غافل ہے سحر خیز پرندے | کس شوق سے سرگرم ہیں خالق کی ثنا میں

سعید

محمد سعید ــــــ فنونِ لطیفہ کا ذوق رکھتے ہیں آرٹ میں اچھا دخل ہے شعر بھی خوب کہتے ہیں،

نگاہِ شوق کہتی ہے تجلی طور کی سی ہے — زبانِ حال سے کہتا ہے یہ قدرت خدا کی ہے
ذرا دیکھیں حقیقت میں عجب شانِ حقیقی ہے — یہ سب سرکارِ عثمانِ غنی کی فیض بخشی ہے
دُرو گوہر سے مالامال ہے نوشاہ کا سہرا

رہیگی عمر ساری اسکی بُو بوئے وفا بنکر — پھرے گی گلشنِ امید میں بادِ صبا بن کر
دُرِ نایاب لایا ہے مرا آقا بنا بستکر — کرے روشن جہاں کو کیوں نہ مہرِ دعا بن کر
کہ ہے یہ مہرِ تاباں ابنِ آصفجاہ کا سہرا

سفیر

شایق حسین خاں ــــــ حیدرآباد کے شرفا سے اور فوج باقاعدہ کے میجر تھے، مدت ہوئی وظیفہ پر سبکدوش ہو گئے ہیں، نہایت اچھے شاعر ہیں کم کہتے ہیں مگر خوب کہتے ہیں،

تیغ قاتل کو شہادت کا میں عنواں سمجھا — مدِ بسم اللہ کو رودادِ شہیداں سمجھا
دیکھ کر نبض بھی پہچانی نہ دلکی حالت — کچھ مرض کو بھی میرے عیسیٰ دوراں سمجھا
ہو کے بشاش اُسے جان سی نعمت دیدی — ملک الموت کو بھی اپنا میں مہماں سمجھا

سلام

ابو الفخر سید سلام اللہ ——— المعی مرحوم کے شاگرد ہیں اور شعر اچھے کہتے ہیں؛

نشاط روح کو ممنون غم بنائے جا　　نشانِ ہستیٔ موہوم کو مٹائے جا
ہجومِ یاس بن اور زندگی پہ چھائے جا　　یہی ہے گر تیری مرضی تو دل دکھائے جا
رلائے جا مجھے شام و سحر رلائے جا

عزیز جان تجھے گردانے لگا ہوں میں　　نیاز و ناز کے گُر جانے لگا ہوں میں
خدائی عشق کو پہچانے لگا ہوں میں　　حجاب اُٹھنے لگے ہیں حجاب اُٹھائے جا
رلائے جا مجھے شام و سحر رلائے جا

سلامی

عبدالرحمن ——— حیدرآباد کے رہنے والے ہیں اور حیدرآباد ہی میں تعلیم و تربیت پائی، شعر و انشاء کا شوق ہے۔ ۱۳۲۶ف سے شعر کہنے لگے، ابتدا عبدالرحیم صاحب رحیم اور پھر مولوی غلام نبی صاحب نظمی سے مشورۂ سخن کرتے رہے، ڈرامہ، ناول، مصوری غرض فنون لطیفہ سے آپ کو دلچسپی ہے اور کچھ کچھ درک بھی رکھتے ہیں، ۲۲ سال کی عمر ہے نہایت موزوں مزاج، زندہ دل، شریف الطبع شاعر ہیں؛

کیوں دل میں مرے آئے گا اندیشۂ فردا　　کیا آج مرے ہاتھ میں پیمانہ نہیں ہے
اک بات ہے پیمانہ کی گردش سرِ محفل　　اک راز ہے مستی کوئی افسانہ نہیں ہے

ہستی کا جو [illegible] [illegible] اک سانس کا آتا ہے اک سانس کا جاتا ہے
پھر جوڑ کے ریزے [illegible] ٹوٹے ہوئے تارِ دل سے خورشید بناتا ہے

[illegible] نظامی

[illegible] ——— [illegible] کے مرید اور بڑے اچھے شاعر ہیں،

[illegible] پھر سے ہر اک دل [illegible] ہے — دی [illegible] پھولوں کا ہار ہے
[illegible] — [illegible] نگاہ اگرچہ خمار ہے
[illegible] — اب کیا خبر کہ اس کا کہاں پر قرار ہے
[illegible] — [illegible] کیوں مجھ پہ بار ہے

سلیم

وحید الدین [illegible] ——— پانی پت کے رہنے والے تھے، لاہور میں تعلیم و تربیت پائی، انٹرنس اور منشی فاضل کا امتحان پاس کیا، ذاتی طور پر مطالعہ کرتے رہے، بہاولپور اور رامپور میں ملازمت کی، چند سال تک مطب کیا اور پھر مولانا حالی کے ساتھ علی گڑھ چلے گئے، سر سید نے علیگڑھ گزٹ اور تہذیب الاخلاق کی ادارت میں امداد دینے کے لیے بلا لیا، [illegible] عثمانیہ قائم ہوا تو دار الترجمہ کی مجلس وضع اصطلاحات کے [illegible] حیدرآباد بلا لیا گیا اور پھر جامعہ عثمانیہ میں مددگار پروفیسر کی حیثیت سے کام کرنے لگے اور بعد کو پروفیسر ہو گئے اور مرتے دم تک پروفیسر رہے، نہایت زندہ دل [illegible] [illegible] روشن خیال، صوفی منش

ہنسی میرے گناہوں کی اُڑی زاہد کی محفلیں | ندامت ڈھونڈھتی پھرتی ہے یارب تیری غیرت کو
میں ہوں شمع محفل زندگی، میرا نام عہد شباب ہے | مری سانس باد بہار ہے، مری چال موج شراب ہے

مری عمر کی ہیں جو ساعتیں ہوئیں عشر تو نہیں تمام ہیں
یہی قہقہے یہی ہچکیاں مری زندگی کے پیام ہیں

سلیم

محمد یونس ——— ہز اکسیلنسی سر مہاراجہ بہادر کے مشاعرے کے شعراء میں سے ہیں، شعر خوب کہتے ہیں،

تھا نشانہ جو نگاہ ناز کا وہ دل نہیں | ہم سلیم اب امتحان عشق کے قابل نہیں
ہو گیا معمور جلووں سے تو دل پھر دل نہیں | قطرہ ہے قطرہ وہ جبتک بحر میں شامل نہیں
پہلے یہ ارمان تھا دل کا مر مٹوں اس شوخ پر | اب یہ حسرت ہے کہ مر مٹنے کے بھی قابل نہیں
جلوۂ رخ دیکھنے کیواسطے آنکھیں تو ہوں | طالب دیدار ہو جانا تو کچھ مشکل نہیں

سلیم

سراج محی الدین ——— موزوں طبع جواں اور کسی سنٹرل جیل کے داروغہ ہیں ایک زمانہ میں گلبرگہ سنٹرل جیل کے مہتمم مطبع تھے،

نہ گل سے غرض ہے نہ گلشن سے ہے | مجھے کام بس تیرے درشن سے ہے
نشان قبر کا کیوں مٹاتے ہو تم | یہ کیوں دشمنی میرے مدفن سے ہے
جگر کا دی نوک مژگاں نہ پوچھ | کہ بڑھ کر خلش اسکی سوزن سے ہے

سید

سید حسین ـــــ اچھے شاعر ہیں مشاعروں کے گلدستے آپ کے کلام سے مزین نظر آتے ہیں،

دین و ایمان کو عالم کے کیا زیر و زبر
فتنہ پرداز کا غارت گر ایماں ہوتا

زیر لب برقِ تبسم کی وہ ہر لحظہ نمود
طرز تمکین سے میرا ہنجو د و حیراں ہوتا

سیف

میر لیاقت ـــــ نواب معین الدولہ بہادر کی پائیگاہ کے متوسل اور نواب صاحب کے معتمد تھے، نہایت زندہ دل، خوش مزاج، کہنہ مشق شاعر تھے، شاگردوں کی تعداد بھی خاصی تھی، خنجر اسی سیف کے لخت جگر ہیں، ۱۳۵۲ھ میں انتقال کیا۔

وفورِ عشق بھی وحشت گریباں گیر رکھتے ہیں
گمر لپٹا کے سینے سے تری تصویر رکھتے ہیں

یہ دیوانوں کی طوق آہنی کا ہے اثر شاید
گلے میں سب جنیانِ جہاں زنجیر رکھتے ہیں

مصور از ادب اور ازادب اعزاز کیا جانیں
کہ آگے آئینہ جیسے تری تصویر رکھتے ہیں

کوئی کہدے پئے نظارہ لیلیں سیف کی آنکھیں
وہ اپنے سامنے ہی اگر تصویر رکھتے ہیں

پہلو سے اب تحمل بھی دل ہے قرار تو
میں تجھ کو ناگوار سمجھے ناگوار تو

پھر کیوں کسی کے سامنے پھیلاؤں میں ہاتھ
بے مانگے رزق دیتا ہے پروردگار تو

کیوں آ گئی قفس میں اسیروں سے کیا غرض
ہے آشنا ہوا کی نسیم بہار تو

سیادت

فخر الدین خاں ——— حضرت محشر کے شاگرد اور قدیم بزرگ تھے، گذشتہ سال انتقال کیا، سررشتۂ مال گذاری میں ملازم تھے، نہایت زندہ دل لطیفہ گو، بذلہ سنج تھے،

خشک لب سوزشِ دل دیدہ گریاں دیکھا — ہم نے کیا کیا تری فرقت میں حیراں دیکھا
رفتہ رفتہ ہوئے جھک جھک کے کماں پیری میں — عمر کو بھی صفتِ تیر گریزاں دیکھا
کون ہے وہ جو نہیں دونوں جہاں میں ممنون — جس کو دیکھا ترا شرمندۂ احساں دیکھا
سوزشِ دل سے بھر آنے لگی چھاتی اپنی — اتنے خشکی میں بھی بہتے ہیں کہ طوفاں دیکھا

سیفی

سید حسین ——— ضلع بیدر کے متوطن ہیں، غالباً دارالعلوم میں تعلیم پائی ہے، اور وہیں سے امتحان منشی فاضل کامیاب کیا ہے، مدت سے شعر کہتے ہیں، "ہندوستان سیفی" "نقشستانِ سیفی" "لخِ البیس" کے نام سے تین مجموعے شائع ہو چکے ہیں، قومی اور اخلاقی نظمیں بڑی اچھی کہتے ہیں، ابتداً سررشتۂ تعلیمات میں صدر مدرس و سررشتہ دار اور ناظر مدارس رہے بعد کو صدر محاسبی میں منتقل ہوئے، اب کسی ضلع کے سب خزانچی ہیں،

سنو دو چار دن کی زندگی کیا — پھر اس میں دوستی کیا دشمنی کیا
کلیجہ قیس کا دل کوہکن کا چاہیئے سیفی — کسی پر جان دینا ہر کسی سے ہو نہیں سکتا

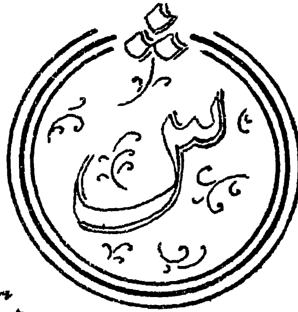
مصروف یادِ حق نہ کبھی حیف ہم ہوئے قدر خودہ بجز دو کرتے ہیں آخر چلے گیا
رہنے بھی دیں حضور یہیں جیسا سا ہے بس آپ ہی کے در کا ہو اک آسرا مجھے
جسکی اللہ کی بخشش پہ نظر ہوتی ہے وہ بھی محتاج و پریشان کہیں ہوتا ہے
نیند آنے کے عوض آنکھوں میں آنسو آئے سونے والے نہ سنیں رام کہانی میری

سیفی

عبدالرحیم ——— گلبرگہ شریف کے متوطن، اور عدالت میں ملازم ہیں، شعر بھی کہتے ہیں، خیر سے آپ کے شاگردانِ ارشد کی تعداد بھی کافی ہے۔ محلہ بھنی پورہ کے اساتذہ میں شمار ہوتا ہے۔ شعر پڑھنے کا انداز ہی نرالا ہے، بڑی خوبیوں کے بزرگ ہیں، موزوں اور ناموزوں کی جنجال میں نہیں پڑتے، اپنے جذبات جس طرح ذہن پر آجاتے ہیں ادا کر دیتے ہیں، طبعِ بلند پرواز وزن کی قید سے آزاد رہتی ہے،

عشق کیا ہمکو ہوا ہے اس پری رخسار کا گھر مصیبت کا بنا ساماں ہوا آزار کا
ناتوانی نے کیا ہے اس قدر نازک بدن سایہ اک بارِ گراں ہے گھر کی ہر دیوار کا
اے طبیبو تم خیالِ چارہ سازی مت کرو جانتے ہو درد کیا تم اس دلِ بیمار کا
گھلتے گھلتے ہجرِ یار میں حالت یہ اپنی ہو گئی تار ہے اک جسم اپنا بستر بیمار کا





شاغل

شیخ حسین ــــــــ حیدرآباد کے رہنے والے اور زیرک کے شاگرد ہیں، شعر خوب کہتے ہیں،

دل محبت میں رہے یا ہو محبت دلمیں ۔۔۔ کسی صورت نظر آئے تری صورت دلمیں

مہرماں مجپہ اگر ہو ستم آرا میرا ۔۔۔ مجکو سوگی نہ کیا کیا شب فرقت دلمیں

دیکھتے ہی مرے گلرنگ کو رندوں نے کہا ۔۔۔ اسکی توقیر نگاہوں میں ہی عزت دلمیں

شاکر

شاکر علی ــــــــ حضرت نادر علی برتر کے فرزند ہیں، بچپن سے حیدرآباد ہی میں ہیں اور بالکل دکنی بن گئے ہیں، نواب فخر الملک بہادر کے اسٹیٹ سے ملازمت کا تعلق ہے۔ شعر خوب کہتے ہیں، اپنے والد ہی کے شاگرد ہیں چالیس کے قریب عمر ہے۔

موجزن کچھ جو طبیعت کی روانی ہو جائے ۔۔۔ ہو زمین سخت سے ہی سخت تو پانی ہو جائے

میرا چاہا تو نہ پورا ہو کبھی زیر فلک
تو جو چاہے وہ ابھی ظلم کے بانی ہو جائے

زاہد خشک لگاتا ہے نظر پیر مغاں
جام میں بادۂ گلرنگ نہ پانی ہو جائے

میری محرومیٔ تقدیر نہ پوچھ اے ساقی
میرے منہ تک جو شراب آئے تو پانی ہو جائے

شاکر

یوسف علی ـــــ دس ایک سال پہلے تعمیرات گلبرگہ شریف کے سب اورسیر تھے شعر بھی کہتے تھے معلوم نہیں آجکل کہاں ہیں،

کام کر جائیں سپاہی نام ہو تلوار کا
باڑھ تو کاٹے گلا اور نام ہو تلوار کا

یہ وہ کوچہ ہے جہاں پر خضر بھی بھٹکا کریں
راستہ آسان نہیں ہے کوچۂ دلدار کا

اشک کا چشمہ رواں ہے دیدۂ پر آب سے
دل ہے ڈانواڈول تیری چاہ میں غمخوار کا

شاہد

سید زین العابدین حسینی ـــــ سید صفدر حسین صاحب مرحوم کے فرزند قدیم دکنی شرفا اور سادات سے ہیں ۱۳۱۱ف میں پیدا ہوئے، جوان صالح اور بہت متین، کم سخن، جوان العمر شاعر ہیں، دفتر دیوانی و مال و ملکی میں ملازم ہیں، غزل بڑی اچھی کہتے ہیں

چشم میگوں کی مہربانی سے
مست ہوں جام ارغوانی سے

سب کو فکر بقا ہے دامنگیر
کسکو الفت ہے دار فانی سے

بڑھ گئیں اب جہان کی فکریں
بچپن اچھا تو تھا جوانی سے

ہم جیسے مہربان تم اسکی قسمت کو پوچھتے کیا ہو؟ جیسے تم مل گئے اسکی مسرت کو پوچھتے کیا ہو؟

شیدا

شیخ احمد —— مالک محروسۂ سرکار عالی ہی کے رہنے والے ہیں اور اول تعلقداری پربھنی کے محاسب ہیں، شعر خوب کہتے ہیں؛

دونوں کھلی ہوئی ہیں جو مرنیکے بعد بھی آنکھوں کو انتظار ہے کسکا قضا کے بعد
دنیائے عشق میں کسی پہلو نہیں قرار پھر درد چاہتا ہے مرا دل دوا کے بعد
باشندگانِ شہرِ خموشاں سے پوچھئے ہو زندگی نصیب ہوئی ہو فنا کے بعد
جنت نیاز مند ہو اور ہم ہوں بے نیاز ایسا ہی وقت آئیگا روزِ جزا کے بعد

شباب

صاحبزادہ میر محمد معین الدین علیخان —— نبیرۂ ناصر الملک ہمایوں جاہ میر مغل علیخان بہادر، اقربائے سرکار سے اور ذی علم امیرزادے ہیں، شعر بہت خوب کہتے ہیں، ضامن کنتوری کے شاگرد ہیں؛

ہزار ترکِ محبت کو سب نے سمجھایا رہا اڑا ہوا ضد پر دلِ حزیں برسوں
جو ہونے والا تھا ہوکر رہا وہی آخر فضول کرتے رہے ہم خیالِ چنیں برسوں
کُن کے کہنے سے دو عالم کا ہوا اٹھنا تھا شوق جب اسکو ہوا انجمن آرائی کا
دل کیا شاد اڑا کر خبرِ مرگِ شباب ڈھنگ اچھا یہ نکالا ستم آرائی کا

ب بت رشکِ قمر کی ہی محبت دلمیں — حسن نے گھر کیا آنکھوں کی بدولت دلمیں
داے ضبطِ جنوں راز نہ کھلنے پائے — چپکے کی سی ہے یہ اب ہمت جرأت دلمیں

شباب

سیف الدین —— حیدرآباد کے رہنے والے اور محکمہ معتمدی تعمیرات کے رجسٹرار ہیں، دس، پندرہ سال پہلے آپ کی شاعری کا بازار گرم تھا نظم بڑی اچھی کہتے تھے، مسز سروجنی نائیڈو کی اکثر نظموں کا ترجمہ بڑی عمدگی سے کیا ہے۔ نمونتاً ایک نظم کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے۔ آپ مدت سے خاموش ہیں، شاید ولولۂ شباب کے ساتھ شاعری بھی رخصت ہوگئی

شمع

اے شمع زندگانی! آخر ہے یہ جلن سے — اک بار جل بجھی تو اس طرح تجھکو ہونا
ممکن نہیں کہ روشن پھر ہو شرارہ تیرا — اور تیرہ خاکدان میں کیونکر گذر ہو میرا
اے نخلِ زندگانی! بستہ قضا نے تجھکو — افسوس بیخ و بن سے پامال کرکے چھوڑا
ممکن نہیں کہ پھر تو سرسبز و بار ور ہو — جو نخل سوکھ جائے دشوار ہے کہ تر ہو
اے وجہ زندگانی! تلخی مرگ سے پیارا — آنکھیں ہیں دل کے پارے دل ہے شکستہ
فی الاصل ایک سے ہم جب ہوچکے جدا تو — بے سود ہو چکے تھا سب باقی نہیں رہیگا

شبیر

سید تقی شبیر —— آگرہ کے رہنے والے ہیں، تقریباً چالیس سال سے حیدرآباد

میں ہیں اور حیدرآباد ہی کو وطن بنالیا ہے، نظم و نثر دونوں کا شوق ہے بڑی اچھی طبیعت پائی ہے انگریزی سے ترجمہ بھی بڑا اچھا کرتے ہیں "حجاز کے فرنگی سیاح" "تاریخ خانۂ کعبہ" وغیرہ کئی ایک تصانیف طبع ہو چکی ہیں، نظم شبیر کے نام سے اپنے کلام کا ایک مجموعہ بھی شائع کر چکے ہیں، ہائیکورٹ کے سررشتہ دار تھے اب وظیفہ لے لیا ہے، تصنیف و تالیف میں مشغول رہتے ہیں فریضۂ حج سے بھی سبکدوشی حاصل کرلی ہے۔

درِ امیر پہ جاکر غریب بیچارہ — سلام عید کا بارِ گراں اُتار گیا
امیر بت بنے بیٹھے رہے خبر نہ ہوئی — کہ ان کے پیٹ میں سرکوں آکے مار گیا

اگلی رسموں کا مزا جاتا رہا — پچھلی باتوں کا مزا جاتا رہا
چل گئی ہیں اب تو ترکی ٹوپیاں — ان کلاہوں کا مزا جاتا رہا
بال انگریزی جواب رکھنے لگے — ببری پٹھوں کا مزا جاتا رہا
جب سے پتلونیں ہوئیں رائج یہاں — ان پیجاموں کا مزا جاتا رہا
ناڑے کے بدلے بٹن ٹکنے لگے — سرخ نیفوں کا مزا جاتا رہا
چڑھ گئی انگریزیت ہر ایک کو — سب ہی سرموں کا مزا جاتا رہا

شبیر

محمد شبیر بادشاہ ——— بیدر کے رہنے والے اور حضرت ملتانی بادشاہ کی اولاد سے ہیں، شعر بھی خوب کہتے ہیں،

جلوہ گر آنکھوں میں گر وہ بے نشاں ہو جائیگا — خانۂ دل بھی مکاں لامکاں ہو جائیگا

بولے مرقد کو مری ٹھکرا کے وہ — سونے والے اٹھ قیامت آگئی

سینکڑوں ارمان لاکھوں حسرتیں — وسعتِ قلبِ بشر کو دیکھئے

آفت ہماری جان پہ لاتے ہیں بار بار — وہ بار بار پردے سے دیکھو دکھا کے ہاتھ

ملے خاک میں چاند سی شکل والے — حسین کیسے کیسے جوان کیسے کیسے

خوابوں میں آئے آنکھوں میں شب بھر رہا کرے — یہ خوب صبح کو جو ملے تو حیا کرے

شمیم

خواجہ محمد شمعون —— چند سال پہلے حیدرآباد میں تھے، معلوم نہیں حیدرآبادی بھی ہے یا نہیں، شعر اچھے کہتے تھے،

سحرائے آرزو مرا رشکِ چمن ہوا — خنداں جو بزم ناز میں غنچہ دہن ہوا

لینے نہ دیا چین فلک نے کہیں مجھے — گھر بار چھوڑ کر گو غریب الوطن ہوا

لو ان کو رحم آگیا وہ مسکرا دئے — جاگے میرے نصیب مرا دل مگن ہوا

شرف الدین علیخاں

صاحبزادے، اور جامعۂ عثمانیہ کے بی، اے ہیں، نظم بھی خوب کہتے ہیں،

ایک نظم قنوطی کے چند شعر یہ ہیں،

نہیں جس میں شباب و کیف میں وہ نوجوانی ہوں — جو آئے موت کے آغوش میں وہ زندگانی ہوں

جو آنسو بہکے بہ جاتا ہو میں وہ دل کا ٹکڑا ہوں — جو مٹتا ہو بن بن کر میں وہ نقشِ کفِ پا ہوں

جو جلتی ہو شب فرقت میں وہ شمع شبستاں ہوں | جو بکھری زلف حسن افسردہ ہے وہ زلف پریشاں ہو
خوشی کی محفلوں میں جو بدلتا ہو وہ پہلو ہوں | ٹپکے دیدۂ نم سے جو گرتا ہو وہ آنسو ہوں

شعر

عبدالغفور ——— آپ کا کلام اکثر مشاعروں کے گلدستوں میں نظر آتا ہے۔ شعر اچھے کہتے ہیں،

بے سبب آج نہیں جوش مسرت دلمیں | نظر آتی ہے مجھے آپ کی صورت دلمیں
دیکھنے والونکو حیرت ہے کہ بدلی کروٹ | آپ کے آتے ہی یہ آگئی قوت دلمیں

شعر

دولت خاں ——— حیدرآباد کے رہنے والے اور اچھے شاعر ہیں،

رقاصۂ فلک کا برا حال کیوں ہے آج | بکھرے ہوئے ہیں کس لئے گیسوئے عنبری
چپ چاپ ہیں پروں کو پھلائے ہوئے پرند | طاؤس کی کہاں ہے وہ رفتار دلبری
نرگس کی آنکھ کس لئے خونبار آج ہے | کیوں ہے خمیدہ باغ میں شاخ صنوبری
نہروں میں دلفریبیاں باقی نہیں رہیں | بگڑا ہوا ہے آج مزاج سمندری
ساقی وہ اب کہاں ہے کہاں ہیں وہ بادہ خوار | وہ لطف دور ساغر صہبائے احمری

شعر

شیخ احمد ——— سکندرآباد کے رہنے والے ہیں ۱۳۰۵ف میں تولد ہوئے پنجاب سے منشی فاضل کا امتحان کامیاب کیا اور ملازمت کرلی۔ اب جامعہ عثمانیہ میں بی۔ اے

(   ) کی تیاری کر رہے ہیں، کمسنی ہی سے شعر کہتے ہیں، خواجہ حسین صاحب اثر سے تلمذ ہے، طبیعت اچھی پائی ہے۔ نہایت منکسر مزاج، تکلف پسند شاعر ہیں،

شمع محفل کو بھی کو نسبت ہے سوز و ساز سے — آنکھیں جھپکاتی ہے پر تیرے شہید ناز سے
ہے لب لعل ستمگر کا تصور دل نشیں — سوز بھی کچھ کم نہیں ہے حقیں تیرے ساز سے
ایک آفت ہی نظارہ حسن عالمتاب کا — بجلیاں گرتی ہیں رہ رہکر نگاہ ناز سے
یارب یہ کیا معاملہ حسن و عشق ہے — آنکھوں میں میری وہ ہیں میں انکی نظر سے دور

شریف

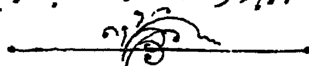
محمد شریف ـــــ حیدرآباد کے رہنے والے اور اچھے شاعر ہیں،

نام آوری تو ہوگئی حرماں نصیب کی — فرہاد نام تھا تو لقب کوہکن ہوا
کیونکر نہ فوقیت ہو حسینان دہر کی — ختم اس صنم پہ حسن ہوا بانکپن ہوا
جن کو مسافرت میں وطن کا خیال تھا — جب مر گئے تو مقبرہ انکا وطن ہوا

شعار

سید شعار احمد ہاشمی ـــــ مولوی سید مختار احمد کے فرزند اور نوجوان شاعر ہیں، دفتر دیوانی و مال سرکار عالی میں ملازم ہیں، شعر خوب کہتے ہیں،

فلک پر جلوہ گر جبتک الٰہی بزم انجم ہو — عروج نیر اقبال آصف جاہ ہفتم ہو
خدا دکھلائے ایسے جشن صدہا تجھکو اے عثمان — یہ مسعود و مبارک جشن سال بست و پنجم ہو



شفیق

میر پرورش علی ـــــ منصبدار اور بڑے اچھے شعر کہنے والے ہیں،

احمدِ پاک کی رکھتا ہوں محبت دلمیں ۔۔۔ کھنچگئی خود بخود اللہ کی صورت دلمیں
جز خدا اور کسی کا نہ طلب گار بنے ۔۔۔ اتنی سی بات کی رکھ لے کوئی ہمت دلمیں
میرے مالک کو پسند آگیا ناچیز کا گھر ۔۔۔ ہوگئی جلوۂ خالق کی سکونت دلمیں
کیا کروں چھٹ نہیں سکتا ہے محبت کا لگاؤ ۔۔۔ کھپ گئی اے بت کافر تیری صورت دلمیں

شفا

خواجہ عبد القادر ـــــ حیدرآباد کے رہنے والے ہیں، مدرسۂ نظامیہ میں تعلیم پائی ہے۔ طبیب یونانی اور مجددیہ نقشبندیہ سلسلہ میں بیعت ہیں، شعر بھی خوب کہتے ہیں، غلام دستگیر صاحب آبرؔ سے تلمذ ہے، دفتر دیوانی و مال میں ملازم ہیں،

دنیا سے نرالا ہے حسینوں کا طریقہ ۔۔۔ جو چاہیں انہیں اُن سے یہ الفت نہیں کرتے
طوفان اٹھاتے نہیں کسدن مرے آنسو ۔۔۔ نالے مرے کس روز قیامت نہیں کرتے

شکیب

بدر الدین خاں ـــــ حیدرآباد کے شرفاء سے ہیں جامعہ عثمانیہ کے طیلسانی اور بہت اچھے شعر کہنے والے نوجوان ہیں، بہت کہتے ہیں اور خوب کہتے ہیں حیدرآباد کی علمی اور ادبی سوسائٹی میں آپکا خاص درجہ ہے،

سراب حیات

زندگانی آہ یہ مایوسیاں ایک دل اور سیکڑوں مجبوریاں
عشق کی دنیا ہے اک رنگیں خواب اک طلسم آرزو حسن و شباب
ہے ہوس اک بحر ناپیدا کنار اور مسرت گل پہ شبنم کی بہار
لالہ و گل موت کی تفسیر ہیں اور بہاریں خود خزاں تعمیر ہیں
ذرہ ذرہ دہر کا ناپائدار زندگانی کا نہیں کچھ اعتبار
حسرت عالم میں جان خاموش ہے بیکسی سے زیست ہم آغوش ہے
ہاں مسرت دہر میں ناپید ہے زندگی موہوم سی امید ہے

شمشاد

غلام پنجتن ——— نواب سراج یار جنگ بہادر رکن ہائیکورٹ کے فرزند ہیں ۱۸۸۹ء میں اٹاوہ میں تولد ہوئے، ابتدائی تعلیم وطن میں پائی اور پھر علیگڑھ یونیورسٹی سے ۱۹۱۲ء میں بی اے اور ۱۹۱۵ء میں ال، ال، بی کامیاب کیا، اور الہ آباد ہائیکوٹ سے سند لیکر وکالت شروع کی، اٹاوہ میں قومی اور ملکی خدمت بھی کرتے رہے، بچپن سے مضمون نگاری اور شاعری کا شوق ہے، شعر خوب کہتے ہیں۔ ۲۳ر فروردی ۱۳۳۵ف کو مددگار معتمد عدالت و کوتوالی امور عامہ ہوئے نہایت زندہ دل، لطیفہ گو، بذلہ سنج اور نیک نفس بزرگ ہیں،

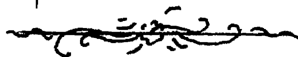
سوال وصل پر ہتی ہے ہاں نہیں برسوں الٰہی ٹالتے رہتے ہیں کیوں حسین برسوں

تری تلاش تری جستجو میں دن کاٹے | ترے خیال میں راتیں گزار دیں برسوں
نگاہ ساقی ہوش کی جس پہ پڑتی ہے | وہ اپنے ہوش میں آتا ہے پھر کہیں برسوں
اور چمکے گا ترے حسن خداداد کا رنگ | کیلئے جیب تحفہ بہار آئے گی رعنائی کا
دوست تو دوست الٰہی کبھی دشمن کو نہو | شب مہتاب میں غم عالم تنہائی کا
چھنے تنکوں کی جا بجلی کے ٹکڑے | بنا یوں ڈالی ہم نے آشیاں کی
فشار قبر، برزخ، حشر، جنت | وہی پھر بے تکی واعظ نے ہاں کی
میاں شمشاد اپنی خیر مانگو | پڑی کیا ہے تمہیں سارے جہاں کی

شمس

ابوطالب عمر ——— حیدرآباد کے شرفا سے ہیں، یہیں پیدا ہوئے اور تعلیم و تربیت پائی، مددگار معتمد فینانس ہیں، آج سے آٹھ دس سال پہلے تک مضامین لکھا کرتے تھے اور نظم بھی کہتے تھے، اب مصروفیت کی وجہ سے مضامین نگاری چھوڑ دی ہے مگر شعر کہتے رہتے ہیں، اور خوب کہتے ہیں،

خدا کا شکر اتنا رنگ تو لائی فغاں میری | نہایت شوق سے وہ سن رہے ہیں داستاں میری
تمنا اس دل مجروح کی کچھ تو نکلنے دے | نہ کر برباد مٹی اس طرح اے آسماں میری
لئے پھرتا ہے شوق دید مجھکو جن کے کوچے میں | مرے گھر لائیں وہ تشریف یہ قسمت کہاں میری
زمانہ منحرف، غمگین دل، تقدیر برگشتہ | یہ سامان الم اور ایک جان ناتواں میری



تمیم

نبی الحسن (عثمانیہ) ۱۹۳۰ء میں مجلہ عثمانیہ کے مدیر رہے ہیں، شعر خوب کہتے ہیں، آجکل کہیں تحصیلدار ہیں۔

مزدور

تیری ممنون ہے دُنیا کی یہ ہل چل ساری
تیرا احسان ہے کہ نہریں ہیں عمل کی جاری

تیرے قربان کہ جب مائل تدبیر ہوا
خانہ کعبہ تیرے ہاتھ سے تعمیر ہوا

تجھ کو دیتے ہیں دعا مسلم و کافر دونوں
تیرے ممنون ہیں مسجد و مندر دونوں

تجھ سے معمور ہوئے تہذیب کے سب گہوارے
تیری کاوش کا نتیجہ ہیں تمدن سارے

اپنی فطرت میں تکبر ہے یہ مجبوری ہے
ورنہ جو کرتے ہیں انسان وہ مزدوری ہے

تو نے فطرت کے ذخیروں پہ کیا ہے قبضہ
تیرے ہاتھوں سے تو بجلی کا اثر ہے پیدا

جوش ایثار کی راہو نمیں دکھایا تو نے
اپنے مقصد کے لئے خون بہایا تو نے

اس غریبی پہ بھی تیرا ہے اثر لوگوں پہ
آج بھی تیری حکومت ہے کئی ملکوں پہ

تو نے دُنیا میں کیا کام بہت سا لیکن
آریا ورت میں بیدار تو ہو گا کس دن

فکر فردا نہیں عزت کا تجھے پاس نہیں
اپنی حالت کا یہاں کچھ بھی تجھے احساس نہیں

ایسی محنت پہ بھی افلاس سے رشتہ جوڑے
تیری تقدیر میں لکھا ہے کہ پتھر ہی توڑے

خود فراموش نہ بن بندۂ زر گھبرا کر
وقت آیا ہے تو کچھ جوش عمل پیدا کر



شمس

سید عبدالرحیم ——— ۱۲۶۳ھ میں تولد ہوئے، چونکہ والد کا سایہ کمسنی ہی میں اٹھ گیا تھا۔ اس لئے سید عبداللہ صاحب سید نے جو آپ کے حقیقی بڑے بھائی تھے پرورش کیا اور تعلیم دی ۱۲۸۵ھ سے آپ نے شعر کہنا شروع کیا اور سخنور سے اصلاح لینے لگے، سررشتہ آبکاری سرکار عالی میں ملازمت کرلی، سکندرآباد میں آپ نے سخنور مرحوم کے ساتھ ساتھ شعر کی خدمت کی اور ۷ ذیقعدہ ۱۳۴۸ھ کو انتقال کیا،

ہم بھی چلے ہیں سب کیطرح قتل گاہ میں ۔۔۔ بھرتا ہے کون دیکھئے اونکی نگاہ میں

حاسدوں نے مری اے شمس بہت سر ٹپکا ۔۔۔ نہ زبان آئی مری اور نہ فصاحت آئی

شمس دعوئی کمال اچھا نہیں ۔۔۔ آدمی کو چاہیئے جھک کر چلے

اب شمس کا اٹھتا ہے جنازہ کوئی دم میں ۔۔۔ ہوگی بھی اگر دیر تو دو چار پہر کی

یاد آرہا ہے شمس خدا مغفرت کرے ۔۔۔ تھیں خوبیاں ہزار وہ اک جان ہار تھا

شمس

محمد شمس الدین خاں ——— عدالت جاگیر تیموری کے ناظم اور اچھے شاعر ہیں،

آنکھیں کھلی ہوئی ہیں جو میری فنا کے بعد ۔۔۔ اب کون آنیوالا ہے پیکِ قضا کے بعد

ای ضبط عشق دیکھ ترے ہاتھ شرم ہے ۔۔۔ آمادۂ جفا ہیں وہ عہدِ وفا کے بعد



شمشیر

محمد عبدالکریم خاں ــــــ عثمان آباد کے متوطن تھے ابتداً محکمہ کوتوالی میں ملازم ہوئے اور تدریجی ترقی کرتے ہوئے کوتوال بلدہ کے جلیل القدر عہدہ تک پہونچے اور خان بہادر کے خطاب سے سرفراز ہوئے ۱۳۲۱ف میں ناظم کروڑگیری ہوئے اور وہاں سے وظیفہ پر سبکدوش ہوکر اپنے وطن جارہے اور وہیں انتقال فرمایا آپ کو شعر و سخن کا بہت شوق تھا' ایک دیوان ۱۳۳۲ھ میں "متاع المعرفت دیوان شمشیر" کے نام سے ابوالعلائی اسٹیم پریس آگرہ میں (۱۴۰) صفحات پر بتحریک عاشق حسین آتف ابوالعلائی کی فرمائش پر چھپا ہے ۔ آپ کا کلام تصوف کا بہترین نمونہ ہونے کے علاوہ بلند تخیل' صاف ستھری زبان اور بندش الفاظ کا اعلیٰ نمونہ ہے' آپ کی اور بھی تصانیف "شمشیر بے نیام" وغیرہ چھپ چکی ہیں' ۱۳۴۲ھ میں انتقال ہوا' نمونۂ کلام یہ ہے'

یارش مجھے شراب کی آنے لگی نظر | مستی میں میں نے نام جو اُٹھا شراب کا

دل بلبل بستانِ مدینہ ہے ازل سے | صحرا سے اسے کام نہ کہسار سے مطلب

جویا تری رحمت کے ہیں محشر میں الٰہی | کرتے ہیں گنہ ہم تجھے غفار سمجھ کر

ہو جاؤں مست جب میری آنکھوں کو دید ہو | قامت کو دیکھ لوں تو قیامت بپا کروں

پرہیز نہ کر بادہ پرستی سے خبردار | لے نقد کبھی اور کبھی دام کئے جا

پتے پتے سے عیاں شانِ حقیقت تیری تھا | بوٹی بوٹی میں تجھے رنگ بدلتے دیکھا

ہوا ہے عالمِ پیری سے ہاتھ میں رعشہ — کہاں فسانۂ عہدِ شباب لکھتے ہیں

آنسوؤں نے گناہ دھو ڈالے — آبِ رحمت نہیں تو پھر کیا ہے

شوق

غلام محمد عرب ——— اُردو فارسی شعر خوب کہتے تھے، دونوں زبانوں میں دیوان مکمل کر کے چھپوانے کے بعد آٹھ دس سال ہوئے کہ انتقال کیا، حیدرآباد کے رہنے والے اور معتمدی عدالت و کوتوالی اور امورِ عامّہ کے صیغہ دار تھے،

تماشا دیدنی ہے دیکھ لو اللہ کی قدرت کا — کہ ہر سنگِ دکن اب آئینہ ہی زیب و زینت کا

مچی ہے دھوم ہر جا شاہ کی مسند نشینی کی — جہاں میں شور ہی ہر سمت عثمانی خلافت کا

نہیں ہی کام کچھ جز مدحت سرائی اور کچھ اپنا — وظیفہ ملگیا ہے شوق اب تو حسنِ خدمت کا

شوق

برہان الدین احمد ——— مدرسہ وسطانیہ شورا پور ضلع گلبرگہ شریف کے مدرس اور اچھے شاعر ہیں،

ہر دم یہی خیال ہے عہدِ وفا کے بعد — دامانِ صبر چھوٹ نہ جائے جفا کے بعد

راحت میں ہی رفیق تو مونس ہے رنج میں — ہمدم نہ ہوگا کوئی دلِ مبتلا کے بعد

دل سے میرے نکال نہ پیکانِ آرزو — کچھ تو رہے خلش نگہ فتنہ زا کے بعد

یا رب مریضِ عشق کو ہرگز شفا نہو — یہ غم نصیب شاد نہو گا شفا کے بعد



شوق

عبدالحمید ــــــــ پنجاب کے بی۔ اے (آنرز) ہیں صوبہ گلبرگہ شریف میں کسی مدرسہ کے صدر مدرس ہیں، نفسیات پر ایک مختصر سی تالیف بھی طبع ہو چکی ہے،

عجب انداز ہیں امید بھی نومیدی بھی ــــ کبھی صورت کو دکھانا کبھی پنہاں ہونا
ہے رہ عشق میں اس بات کی حاجت سبکو ــــ اک پتنگے کیطرح سوختہ ساماں ہونا

شوکت

احمد علیخاں ــــــــ حضرت سردار بیگ صاحب قبلہ کے مرید اور مولوی علی رضا خاں مرحوم ایم۔ اے سابق رکن ہائیکورٹ سرکار عالی کے فرزند تھے، شعر خوب کہتے تھے کسی کے شاگرد نہ تھے، ۱۳۴۸ھ میں زندہ تھے،

لگاؤ دلکا ہو گر کسی سے ــــ تو چین کیسا نکر ہو خواب کیسا
دل وہ جلجائے نہو جسمیں ترے عشق کی آگ ــــ سر نہ باقی رہے جس میں نہ ہو سودا تیرا
پگھل رہی ہیں مری ہڈیاں حرارت سے ــــ عجب کرشمہ ہے دیتی نہیں دکھائی آگ
ہوا چاک وحشت میں ایسا گریباں ــــ نہ جائے رفو ہے نہ سینے کے قابل

شہرت

میر اعجاز علی ــــــــ کاکوری (لکھنؤ) کے سادات اور شرفا سے تھے، ابتدائی تعلیم و تربیت حیدرآباد میں پائی اور فوج میں ملازم ہو گئے، باقاعدہ کے کپتان رہ کر وظیفہ پر سبکدوش ہوئے اور شہزادگان بلند اقبال کے اتالیق بھی رہے، نظم و

نثر دونوں پر خاصا عبور تھا' اخبار حسن کار میں مضامین بہت لکھتے تھے شہباز بلند پرواز کے نام سے فکاہیہ شعر بھی کہتے تھے'

۱۸ اردسمبر ۱۹۳۵ء کو یکایک انتقال کیا' امجد صاحب جو آپ کے شاگرد رشید ہیں آپ کا دیوان چھپوانے والے ہیں'

کس کو بہلاؤں کبھی باغ کبھی صحرا میں
دل ہی چھوٹے تو سہی زلف دوتا سے پہلے

دینے والے تو بہت دیکھے غنی ہوتے ہیں
صدقہ دیتے ہیں فقیر ونکو صدا سے پہلے

آئینہ جس سے خجل ہوجائے ایسا دل بنا
خود وہ کہدیں اب میری تصویر کے قابل بنا

قصر گنبد مسجد اور مندر نہ اوغافل بنا
دلمیں گنجائش دو عالم کی ہو اپنا دل بنا

رکھتا ہے کون لطف و تلافی کی آرزو
کچھ رحم کیجئے ستم ناروا کے بعد

اب تو اللہ ہی نگہبان ترے سودائی کا
پھر ہوا شور وہ صحرا میں بہار آئی کا

بہت دولت ہی اطمینان ہی بیکار رہتے ہیں
نہیں ہے کوئی بیماری مگر بیمار رہتے ہیں

ترقی کی ہی دھن جنکو کہاں نیند انکو آتی ہی
وہ سوتے ہی ہیں راتو نکو تو دل بیدار رہتے ہیں

نہ درد قوم ہی دلمیں نہ پاس ملک و ملت ہے
مگر ہم شائق سیر گل و گلزار رہتے ہیں

نہ ذوق شہسواری ہے نہ شوق تیغ بازی ہی
وہ کیف علم ہی ہم رات دن سرشار رہتے ہیں

تپنچہ تیغ کیا گھر میں مرے لکڑی نہیں شہرت
مگر ہاں میگزین اخبار کے انبار رہتے ہیں

نواب شہید یار جنگ بہادر

نواب شہید یار جنگ بہادر ——— حیدرآباد کے قدیم اور اعلیٰ گھرانے کے

بزرگ ہیں، غزل، مرثیہ اور سلام خوب کہتے ہیں، مددگار صدر محاسب سرکار عالی اور
عالی الشان نواب معظم جاہ بہادر کے سکریٹری بھی ہیں، کہنہ مشق اور اچھے شاعر ہیں، حضرت نظم
طباطبائی سے تلمذ تھا،

آمادہ وفا ہوئے ترکِ جفا کے بعد | اب ابتدا ہوئی ہے مگر انتہا کے بعد
آسان نہیں ہے منزلِ الفت کا راستہ | ہر ہر قدم نزولِ بلا ہے بلا کے بعد
دیکھا گیا نہ حال مریضِ فراق کا | رونے لگے وہ منہ کو پھرا کر دعا کے بعد
طولِ شبِ فراق نے قصہ چکا دیا | آئے وہ اپنے وعدہ پہ لیکن قضا کے بعد
اے باغباں بہار پہ اتنا غرور کیا | صرصر بھی چلنے والی ہے بادِ صبا کے بعد
آہیں ذرا جو رک گئیں آنسو رواں ہوئے | بارش نے خوب زور کیا ہے ہوا کے بعد

شیدا

میر محمد علی ——— ۱۳۲۹ھ میں حیدرآباد میں تولد ہوئے، میر عزیز علی صاحب
عزیز مرحوم سررشتہ دار عدالت دیوانی ضلع بیدر کے فرزند ہیں، حیدرآباد ہی میں تعلیم
پائی ۱۳۴۴ھ سے شعر کہہ رہے ہیں، میر غضنفر علی صاحب بیتاب سے تلمذ ہے
طبیعت میں چونچلا ہے، شعر بھی اچھے کہتے ہیں،

آتی ہے یاد جب تری زلفِ رسا مجھے | اک سانپ لوٹتا ہے دلِ بیقرار پر
کیا کہئے تیرے عشق نے کیا کیا کیا مجھے | رسوا کیا، خراب کیا، دربدر کیا
سب کے سب شیدا ہیں ای شیدا کسی کے حسن پر | میرا دل، میرا جگر، میری نظر، آنکھیں مری

تجھسے ہی بڑھ گئے مرے حق میں وفا دار ہے یہ | تو گیا دل سے مگر تیری محبت نہ گئی

شیدا

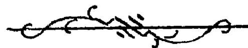
عبدالعزیز ــــــ انٹرمیڈیٹ کالج ورنگل کے لکچرار ہیں، شعر بھی اچھے کہتے ہیں،

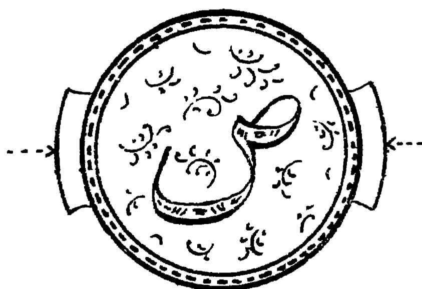
نظر کرم سے آج تو مجھکو نواز دے | بس ایک ہی مراد ہی اور مدعا ہے ایک
بدلے وفا کے جور و ستم کب روا ہی دوست | تیری تو طرز سارے جہاں سے جدا ہی ایک
شیدا اکیطرح تجھکو ملیں گے نہ باوفا | مسلک ہے سب کا ایک، نہ ہی مدعا ہی ایک
غش کھا کے گرے موسیٰ کچھ بن نہ پڑا ان سے | جب طور پہ ہلکی سی تنویر نظر آئی
بس ایک ہی سجدہ میں کافور ہوئے سب غم | دہلیز کی مٹی ہی اکسیر نظر آئی

شیدا

شیخ احمد ــــــ دکن ہی کے رہنے والے ہیں بمبئی میں مقیم ہیں شعر بھی اچھے کہتے ہیں،

بہاتا نہیں ہے کس کو ملکِ دکن ہمارا | چھوٹے نہ ہم سے یارب پیارا وطن ہمارا
پورے ہوں یاالٰہی اس کے دلی مقاصد | اور خوش رہے ہمیشہ شاہِ دکن ہمارا
کیا ہو سکے گی ہمسے توصیف تیری شاہا | کیا ہے زباں ہماری کیا ہے دہن ہمارا
گلہائے وصف عثماں ہر جا کھلے ہوئے ہیں | سرسبز کیوں نہ ہو پھر شیدا چمن ہمارا





صابر

عبدالوکیل ——— حیدرآباد ہی کے رہنے والے ہیں، ہز اکسیلنسی سر مہاراجہ بہادر کے مشاعرے میں شریک رہتے ہیں شعر خوب کہتے ہیں،

کس جگہ لیلیٰ نہیں ناقہ نہیں محمل نہیں ہاں مگر اب مثل مجنوں کوئی اہل دل نہیں
جگمگاتا سا کیا یہ پروانوں کے دم کے ساتھ تھا ہے وہی محفل مگر اب رونق محفل نہیں
ہے اسی اک آخری ہچکی میں روداد حیات بیمروت ابتو سن، یہ شکوۂ باطل نہیں

صابر

سید محمد انوار اللہ ——— حیدرآباد کے رہنے والے نوعمر شاعر ہیں، شعر خوب کہتے ہیں، صوبہ داری گلبرگہ شریف کے صیغہ دار ہیں،

بے چینی بڑھ گئی ہے دلِ ناصبور کی تڑپا رہی ہے یاد کسی رشکِ حور کی
وہ ننگ خلق ہوں کہ میں جاتا ہوں جسطرف آتی ہے اس طرف سے صدا دور دور کی
صابر اگرچہ تیرے معاصی ہیں بے شمار حد ہی نہیں ہے رحمت ربِ غفور کی

صابر

نعیم الدین حسین ـــــــ غلام نبی صاحب سابق پروفیسر کلیہ جامعہ عثمانیہ کے فرزند نوعمر شاعر ہیں مشاعروں میں غزل پڑھتے ہیں، رشید ترابی اور آزاد انصاری سے مشورہ کرتے ہیں،

خون ہاتھوں میں ملا میرا حنا سے پہلے ‌ ‌ ‌ ‌ عذر وعدوں کا کیا اس نے وفا سے پہلے
دم رفتار اٹھا کرتے ہیں وہ لاکھوں فتنے ‌ ‌ ‌ ‌ حشر ہوتے ہیں بپا روز جزا سے پہلے
قتل کا ڈھنگ نکالا ہے نیا قاتل نے ‌ ‌ ‌ ‌ مار ڈالا نگہ ہوش ربا سے پہلے

صابری

مرزا بشیر احمد ـــــــ سرکار عالی کے منصف عدالت تھے، اب وظیفہ پر سبکدوش ہو کر مطب کرتے ہیں شعر بھی خوب کہتے ہیں خصوصاً نعت سے بڑا شغف ہے، منقبت بھی کہتے ہیں،

کوئی بتلا دے کسی کی شان میں ‌ ‌ ‌ ‌ تحک لحمی نبی نے ہے کہا
سننے والوں پر یہ فرض عین ہے ‌ ‌ ‌ ‌ دونوں نامو نبی کہیں صل علی
تجھ کو دلسے ہی جو نسبت صابری ‌ ‌ ‌ ‌ آج دونوں ناموں کا عقدہ کھلا

صادق

میر جعفر علی ـــــــ حیدرآباد کے رہنے والے اور جامعہ عثمانیہ کے اولین طیلسانیوں میں سے ہیں، آج کل کسی سمستان کے مدرسہ کے ہیڈ ماسٹر ہیں شعر

بہی خوب کہتے ہیں،

حکایت مختصر یہ ہے مری حال پریشاں کی
نہیں گردیبا باں جو بہاریں تہیں گلستاں کی

چراغِ دہر یا شمع حرم پروانہ کیا جانے
نہیں کچھ قید حسن وعشق میں کافر مسلماں کی

کسیکے عشق کی منظور ہمکو پردہ داری ہے
وگرنہ لے چکے ہوتے خبر اب تک گریباں کی

تیری کافر نگاہوں کا یہی عالم رہا چندے
تو پہر مجہسے حفاظت ہو چکی بس دین ایمان کی

صادق

محمد عبدالغنی ـــــــ ضلع ناندیڑ میں وکالت کرتے ہیں، شعر بہی خوب کہتے ہیں،

مٹ مٹکے ہم بنے ہیں زمانے میں بار بار
ہم کو حیات تازہ ملی پہر فنا کے بعد

پیدا ہوا حیات کا ساماں زہے نصیب
وہ مائل وفا ہیں بڑی التجا کے بعد

مجکو ملاؤ خاک میں لیکن یہ سوچ لو
کس پر جفا کروگے مری جاں فنا کے بعد

کس اشتیاق سے لیا رحمت نے گود میں
مجرم کو انفعال ہوا جب خطا کے بعد

صبا

غلام علی ـــــــ حیدرآباد کے رہنے والے ہیں کبہی کبہی گلدستوں میں آپکا کلام نظر آتا ہے، شعر خوب کہتے ہیں،

آتش ہجر جلا دیتی ہے سب کچھ لیکن
وصل کی ایک رہا کرتی ہی حسرت دل میں

اسکے جانیسے ہو کیا حال خدا ہی جانے
جسکے آنیسے پڑی جاتی ہی فرحت دل میں

دل اسے پیار کرے اور اسے ڈہونڈیں آنکھیں
جسکے لب پر نہ تبسم نہ مسرت دل میں

صبر

نظام الدینخاں ——— نواب صادق جنگ بہادر حلم مرحوم کے صاحبزادے اور نہایت اچھے شاعر ہیں،

کیوں انکو فکر جور ہی اپنی جفا کے بعد — کچھ اور انتہا بھی ہے اس انتہا کے بعد
پھر دل پہ ہاتھ رکھنے کی زحمت وہ کیوں کریں — اب درد لاعلاج ہوا انکی دوا کے بعد
مدت سے سوگوار ہے دنیائے عاشقی — اب کسکو ڈھونڈتے ہیں وہ اہل وفا کے بعد
اپنی وفا پہ ہم تو پشیماں ہو چکے — ہیں آپ کیوں خجل ستم ناروا کے بعد

صدر

شاہ محمد اکرام الحق ——— قدوسی گھرانے سے ہیں وعظ بھی کہتے ہیں اور شاعر بھی بڑے اچھے ہیں، یو۔پی کے رہنے والے ہیں مگر مدت سے دکن میں ہیں،

صدر ہیں شاد شاہ عالی گہر — آصف وقت بر سریر، زر
زیر دست، اور صاحب وقعت — جسکا ہے جشن جوبلی گھر گھر
ہو فزوں اوج اختر اقبال — عمر دے اور ایزد برتر
دُرفشاں صدر اس پہ تاج گہر — خلعت لاجوردی ہے در بر
۱۳۴۵ھ

صدق

سید تصدق حسین ——— جائس کے رہنے والے ہیں بیس ایک سال سے

دکن میں ہیں، گورنمنٹ ہائی اسکول کے مدرس ہیں، نہایت قابل شاعر ہیں نظم اور غزل خوب کہتے ہیں،

کہا میں نے یہ پردہ چشم مردم سے بشر ہو کر | کہا پھر کیا بپا کر دوں قیامت جلوہ گر ہو کر
کہا میں نے کہ دل پتھر ہے شاید ان حسینوں کا | کہا پھر دلمیں گھر پتھر کے پیدا کر شرر ہو کر
کہا میں نے وہ اپنے قول تمنے سب بھلا ڈالے | کہا سہو و خطا سے کون خالی ہے بشر ہو کر
کہا میں نے کہاں حسن خم ابرو کہاں خنجر | کہا یہ بھی پری بنجائیگا زیب کمر ہو کر

صدیقی

خواجہ عبد العلی ——— حیدرآباد کے رہنے والے دفتر تحصیل عنبر پیٹھ کے صیغہ دار ہیں شعر بھی اچھے کہتے ہیں،

سالِ نو کی ہے خوشی چاہ بھی ہے پیار بھی ہے | تم بھی ہو ہم بھی ہیں بلبل بھی ہے گلزار بھی ہے
دل مراندر ہے فرمائیے منظور حضور | با وفا بھی ہے یہ اور عاشق سرکار بھی ہے

صغیر

محمد حبیب الدین ——— ۱۳۰۰ھ میں حیدرآباد میں تولد ہوئے آبائی وطن قندہار ہے جہاں پر آپ کی زمینداری بھی ہے اور قضاۃ کی معاش بھی حیدرآباد ہی میں تعلیم و تربیت پائی اور شعر بھی کہنے لگے ابتدائے مشق ہی سے پنڈت سورج بہان (صوفی شمس الحق سجاد علی) میکش تھانوی سے مشورہ کرنے لگے، حضرت احمد کلیم اللہ سے بیعت کی، میکش کی وفات کے بعد سے کیفی سے تلمذ اختیار کیا، دیوان مکمل کیا ہے،

خود پرستی نے مری کی یہ عطا نعمت مجھے | تیری ہر شے میں نظر آنے لگی صورت مجھے
میری تنہائی میں پوشیدہ ہیں حسن آرائیاں | انجمن کا لطف دیتی ہے میری خلوت مجھے
حق پرستی اصل میں صورت پرستی ہے میری | جستجو ہے اس کی صورت کی بہر صورت مجھے
کون ہوتا اور سجدہ ملک میرے سوا | دی ہے صورت آفریں نے اپنی ہی صورت مجھے

صفی

محمد بہاؤ الدین —— (بہبود علی) حکیم منیر الدین صاحب مرحوم کے فرزند ہیں، ۲۶ رجب ۱۳۱۰ھ کو اورنگ آباد میں تولد ہوئے، سات سال کی عمر میں حیدر آباد آئے اور مدرسۂ نظامیہ میں تعلیم پانے لگے، مدرسۂ طبیہ میں شریک ہو کر تکمیل نصاب کیا مگر امتحان نہیں دیا، بہبود علی نام آپ نے خود رکھ لیا ہے، نسباً شیخ صدیقی ہیں بچپن ہی سے شاعری کا شوق ہے، ابتداً ضیا دہلوی کو اپنا کلام دکھایا، پھر ظہور احمد دہلوی سے مشورہ کرنے لگے ان کے بعد فروغ سے تلمذ اختیار کیا، ۱۳۳۶ھ سے کیفی کو اپنا کلام دکھانے لگے، ۱۳۳۸ھ میں کیفی نے انتقال کیا، اور آپ نے اپنے طور پر غزل کہنا شروع کیا گویا کم و بیش دو سال تک کیفی کی شاگردی کی اور اس عرصے میں چند ہی غزلیں دکھائیں،

صفی آج حیدر آباد کے واحد غزل گو شاعر ہیں وہ غزل کو صرف غزل کی حیثیت سے کہتے ہیں، جذبات بالکل فطری، معاملہ بندی میں لطافت، زبان میں سلاست، محاورہ میں چستی اور روزمرّہ نہایت صاف ہوتا ہے حد درجہ تیز، پُر گو

ذہین سیاح منکسر المزاج لاابالی اور رند مشرب ہیں، یار باشی میں فرد، دل باختگی میں اپنی آپ نظیر، رات کے راجہ ہیں اگر آپ کی گل افشانی گفتار دیکھنی ہو تو کوئی رات کو دیکھے،

حیدرآباد کا شاید ہی کوئی بدنصیب ایسا ہو جس کے کان آپ کے کلام سے ناآشنا ہوں، کئی ایک غزلیں ریکارڈ بھی ہو گئی ہیں،

بس اب راضی خوشی سے اپنے مرنا ہی بہتر ہے
یہ دنیا جسمیں دنیا جی رہی ہے موت کا گھر ہے

ہوا کرتے ہیں ظلم و جور بھی دلکش حسینوں کے
جو سب کے واسطے ہی عیب انکے حق میں زیور ہے

عدو نے بھی اڑائی ہیں ادائیں دل لبھانے کی
ستمگر جو تیری صحبت میں بیٹھا ہی ستمگر ہے

زر گل کیلئے گل کو بھی چھوڑا ورنہ سب کہتے
کہ یہ اللہ کا بندہ نہیں ہے بندۂ زر ہے

گنہگاروں پہ اپنی رحم کر اے داور محشر
قیامت اور کیسی میں پریشاں ہوں وہ مضطر ہے

ہیں کم سے کم زیادہ سے زیادہ عشق کے معنی
سمجھنے والوں کو اک لفظ بے سمجھوں کو دفتر ہے

صفی کو طفل مکتب جانتے ہیں اسلئے شاعر
کہ ہر اک شعر اسکا بچے بچے کی زباں پر ہے

ادا عزیزوں سے خفا ہوتے بگڑنے والے
کہہ دیا کس نے ترا چاہنے والا میں ہوں

حسن والوں میں تو ہر اک نے خدائی کی ہے
نہیں معلوم کس اللہ کا بندہ میں ہوں

دل جو دیا دل کے لئے غم دیا
زخم دیا زخم کو مرہم دیا

جانتے ہیں وہ کہ میں آزاد ہوں
پھر مجھے جو کچھ بھی دیا کم دیا

عشق میں بشاش بہت کم رہے
مے نے مجھے کیف بہت کم دیا

آپ نے بخشا دلِ سوزاں مجھے | یا کسی کافر کو جہنم دیا؟
شکر ہے دل اسنے دیا ہے صفی | اور نہایت خوش و خرم دیا

صمد

محمد عبد الصمد ــــــ قصبۂ مکاراج پیٹھ تعلقہ میدک کے رہنے والے اور دفتر بند و بست علاقہ جاگیرات میں ملازم ہیں، شعر بھی خوب کہتے ہیں،

غیرتِ گلزار ہے یوں حیدر آباد دکن | کھل رہی ہے ہر کلی بن کر تمنائے دلی
یہ دعا ہے بچے بچے کی زباں پر اے صمد | ہو مبارک شاہِ عثمان کو یہ سلور جوبلی
۱۳۵۵ھ

صمد

صمد رضوی ــــــ مشہور ہیں پورا نام اور حالات معلوم نہ ہو سکے، جامعہ عثمانیہ کے طیلسانی ہیں، شعر بھی خوب کہتے ہیں،

دامن کوہسار ہو چادر سبزہ زار ہو | پاس ہی جوئبار ہو، موج بھی بیقرار ہو
بلبل دلفگار ہو نکہت گل نثار ہو | آتشِ لالہ زار ہو چاروں طرف بہار ہو

میرا وہاں مزار ہو میرا وہاں مزار ہو

پھیلی ہو ہر طرف چمن پھول ہوں مثلِ سیم تن | گونجتا ہو گلوں کا بن اس پہ طیور نغمہ زن
غنچے بھی کھول دیں دہن دیکھکے بادۂ کہن | جبکہ شفق وہ گلبدن چرخ پہ آشکار ہو

میرا وہاں مزار ہو، میرا وہاں مزار ہو

صمصام

آقا عباس شیرازی ——— آقا سید عبداللطیف کے فرزند ہیں جو اپنے ایک اخبار "سید الاخبار" کی وجہ سے حیدرآباد میں بہت مشہور ہیں، صمصام کی ولادت حیدرآباد ہی میں ہوئی، فارسی مادری زبان ہے مگر اُردو بھی خوب بولتے ہیں اور شعر بھی اُردو میں اچھے کہتے ہیں، ڈاکٹر اَلَم سے تلمذ ہے،

ہر کوئی ہے دو جہاں میں نوحہ خوانِ کربلا ۔۔۔ کیا قیامت ہے خدایا داستانِ کربلا

دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں تیغِ رنج سے ۔۔۔ خون کے آنسو رولاتا ہے بیانِ کربلا

دیکھنا جنت میں لے لیکے مزے کس شوق سے ۔۔۔ جام کوثر پی رہے ہیں تشنگانِ کربلا

راہِ حق میں جان دیکر کیسی میٹھی نیند ہائے ۔۔۔ سوتے ہیں خاکِ تپاں پر کشتگانِ کربلا

صہبا

احمد حسین ——— حیدرآباد کے رہنے والے ہیں غزل خوب کہتے ہیں،

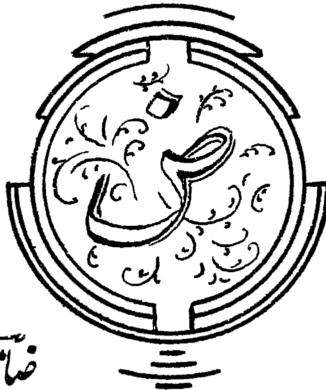
یہ مستی سلامت یہ لغزش مبارک ۔۔۔ ادھر بھی بہک کر چلے آیئے گا

یہ رنگیں ادائیں یہ بیتاب نظریں ۔۔۔ کہاں بجلیاں آج برسایئے گا

کہاں دہرِ فانی کہاں عالمِ دل ۔۔۔ مجھے ڈھونڈیئے گا تو کھو جایئے گا

فراموش کر دینگے ہم دین و دُنیا ۔۔۔ اگر یوں ہی رہ رہ کے یاد آیئے گا





ضامن

سید محمد ضامن کنتوری ——— مولوی سید محمد کاظم حبیب کنتوری کے فرزند ہیں ۷ ذیحجہ ۱۲۸۷ھ کو کنتور میں تولد ہوئے خانگی طور پر مختلف بزرگوں سے تعلیم پائی اور کمسنی ہی میں اپنے والد کے ہمراہ حیدرآباد آگئے، پھر علیگڈہ جاکر انٹرنس کامیاب کیا اور واپس آکر نواب محبوب یار جنگ ناظم الملک بہادر کے کتب خانہ کی ترتیب کے لئے مامور ہوئے اور پھر صرفخاص میں ملازم ہوکر سررشتہ تعلیمات میں منتقل ہوگئے، ۱۳۲۵ف میں دار الطبع میں منتقل ہوئے اور مدت تک منتظم کی حیثیت سے کارگزار رہ وظیفہ پر سبکدوش ہوئے۔ بڑے اچھے شاعر اور انشاپرداز ہیں نظم و نثر دونوں پر یکساں قدرت ہے، انگریزی نظموں کا ترجمہ بڑی عمدگی سے کرتے ہیں دو دیوان اور کئی ایک تصانیف شائع ہوچکی ہیں، ۱۹۱۰ء میں بریلی سے ایک ماہوار رسالہ استبصار کے نام سے جاری کیا اور ۱۹۲۳ء میں لسان الملک نامی رسالہ حیدرآباد سے اجرا کیا یہ دونوں رسائل معیاری تھے اور بڑی محنت سے

مرتب کئے جاتے تھے،

آپ نہایت منکسر المزاج، ہمدرد، ملنسار اور خلیق بزرگ ہیں شعر خوب کہتے ہیں اور پڑھنے کا انداز بھی دلکش ہے حیدرآباد میں آپ کے شاگردوں کی تعداد خاصی ہے،

دل میں جو اک شگاف سا ہے ۔۔۔ اس رخنے سے کوئی جھانکتا ہے
چلتی رہتی ہے سانس ہر دم ۔۔۔ یعنی ہر کارۂ قضا ہے
سو جان سے بیدلی کے صدقے ۔۔۔ اب دل ہے نہ دل کا مدعا ہے
میں بھی میری وفا بھی جھوٹی ۔۔۔ جو آپ کہیں وہی بجا ہے
ٹوٹے سب آسرے جہان کے ۔۔۔ مالک بس تیرا آسرا ہے
پوچھو ضامن سے عشق کے راز ۔۔۔ یہ قطرۂ بحر آشنا ہے

ضیا

شہزادہ حافظ مرزا منیر الدین ضیا دہلوی ــــــ آپ مرزا رحیم الدین حیا کے فرزند اور تیموری شہزادوں میں سے ہیں تخمیناً پچاس سال سے حیدرآباد میں ہیں بلکہ حیدرآباد ہی کو وطن بنا لیا ہے، صدر محاسبی سے ملازمت کا تعلق تھا اور اب وظیفہ پر سبکدوش ہو گئے ہیں عروض کے بڑے ماہر ہیں مدت ہوئی تحقیقات ضیا کے نام سے ایک مختصر رسالہ شائع کر چکے ہیں،

مجھے آجائے ہوش ایسی پلا اے پیر میخانہ ۔۔۔ سقا ہم بہم سجھوں کروں تو قیر میخانہ

کوئی گلرنگ خوشرو مغبچوں میں ہو گیا شامل
مثال آفتاب اب چمکے گی تقدیر میخانہ

ہمیشہ بیخود مے ہوں مری کیفیت ایسی ہے
کہ گھر میں بت تو میخانہ میں اک تصویر میخانہ

سوائے ذکر مینوشی نہیں آتی مجھے کچھ بات
نہیں ہے اور کچھ لب پر بجز تقریر میخانہ

ضیا پرہیزگاری قید ہے بیجا و مت ایسا
خرید و ساز میخواری کرو تدبیر میخانہ

ضیغم

محمد عبد اللہ خاں ——— نواب محمد صلاح خاں کے فرزند ہیں آپ کے اجداد کابلی تھے عہد شاہی میں لکھنؤ آکر خدمات جلیلہ سے سرفراز ہوئے لکھنؤ کا قندھاری باغ انہیں کا بسایا ہوا تھا جو غدر میں برباد ہو گیا، ۱۲۹۱ھ میں صلاح خاں صاحب کے انتقال کے بعد ضیغم نے لکھنؤ چھوڑا اور حیدرآباد آرہے، اور اپنے خالو آنریبل نواب سر شرف الامرا کے، سی، ایس، آئی، کی صاحبزادی سے شادی کی، سرکار عالی سے منصب جاری ہوا اور آپ نے حیدرآباد کو وطن بنا لیا، ۱۳۰۱ھ سے عباس علیخاں ششدر کی صحبتوں میں شعر گوئی شروع کی ۱۳۰۹ھ تک نیاز احمد ہوش بریلوی سے مشورہ کرتے رہے ان کے انتقال کے بعد محمد باقر لکھنوی سے تلمذ اختیار کیا، دیوان مکمل اور مردف ہے ایک تذکرہ "یادگار ضیغم" کے نام سے شائع کر چکے ہیں، اسّی سال کے قریب عمر ہے، شعر خوب کہتے ہیں، مدت تک مشاعرہ بھی کرتے رہے، بڑی خوبیوں کے بزرگ ہیں،

گلوں پر اشک شبنم دیکھ کر بلبل یہ نالے ہیں
مرا دل دیکھ تو وہ بھی کوئی چھالوں میں چھالے ہیں

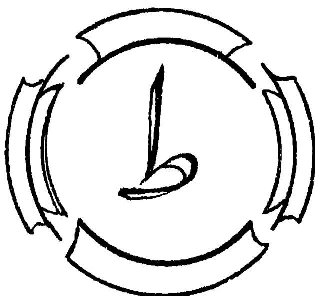
مرے پر بھی رہی یادِ مژہ کی رخنہ اندازی   مرے سنگِ لحد میں سینکڑوں سوراخ ڈالے ہیں

گدا ہر چند ہوں کہتی ہے یہ چیں جبیں اپنی   فقیری میں بھی شانِ تمکنت جاتی نہیں اپنی

تصورِ رنگِ حدت کا سما جاتا ہی جب دلمیں   تو صورت آئینہ میں دیکھ لیتے ہیں ہمیں اپنی

تن بدن میں اپنے روشن داغِ سوزاں ہو گئے
ہم سراپا صورتِ سروِ چراغاں ہو گئے





طالب

نواب عثمان نواز جنگ بہادر ــــــ حیدرآباد کے معزز طبقے سے تعلق رکھتے ہیں، علم وادب سے دلچسپی ہے کار وتجربے خشک عہدے سے سرفراز ہیں مگر شعر بھی کہتے ہیں اور خوب کہتے ہیں،

کیا خبر ان کو کسے ناز وادا کہتے ہیں ۔۔۔ لوگ نادان ہیں جو اسکو جفا کہتے ہیں

دلِ ناداں کے ستانے کو جفا کہتے ہیں ۔۔۔ کیا نہیں جانتے اسکو ہی سزا کہتے ہیں

اے حضور ایسا تو ہوتا نہیں دیکھا ہم نے ۔۔۔ کہیں اچھا جسے اسکو ہی بُرا کہتے ہیں؟

بے وفا مجھ کو جو کہتے ہیں بجا اور درست ۔۔۔ یہ تو معلوم ہو پھر کس کو وفا کہتے ہیں

طالب

محمد سراج الدین ــــــ مولوی کمال الدین صاحب مرحوم رکن پائیگاہ کے فرزند تھے، تاریخ پر خاصا عبور تھا، نظام علیخاں شیر جنگ "میر عالم" کے مبسوط سوانح حیات شائع کئے بڑے اچھے مضمون نگار اور شاعر تھے، عروض کے ماہر



...ر شعر بھی کہتے تھے ۲۳ مئی ۱۹۳۰ء کو انتقال کیا۔

جفا میں ستم کی سر افرازیاں ہیں   وفا شرط مشروط جانبازیاں ہیں
نہ الفت کی باتیں نہ دلسازیاں ہیں   بتو تمہیں فقط کچھ نظر بازیاں ہیں
قدم سے ترے شورِ محشر بپا ہے   ستمگر یہ کیا فتنہ پردازیاں ہیں
نشیمن پہ بجلی گری فصلِ گل میں   فلک کی یہ خانہ براندازیاں ہیں

طاہر

...مل طاہر ـــــــ حیدرآباد کے رہنے والے شریف اور قدیم گھرانے سے ...یں، بچپن سے شعر و سخن کا ذوق ہے، شعر بہت کم کہتے ہیں، مگر اچھے کہتے ہیں ...ج کل مدرسہ دار العلوم سے ملازمت کا تعلق ہے۔ نہایت شریف، یار باش اور ...رنجان مرنج بزرگ ہیں، فنونِ لطیفہ سے بھی لگاؤ ہے،

...با کے موسیٰ تو فقط طور پہ کرتے تھے کلام   عرشِ اعظم پہ گئے شاہِ ہدیٰ شام کے بعد
...انگ لو صدقہ میں اس صاحبِ معراج کے آج   ہو گی مقبولِ خدا سب کی دعا شام کے بعد

چاند شرمائے مہ جبیں ایسا   تو نے دیکھا فلک! حسین ایسا؟
بڑھ کے خورشید سے ضیا پائی   داغِ الفت کا ہے نگیں ایسا

طاہر

محمد طاہر علی ـــــــ حیدرآباد کے رہنے والے اور اچھے شاعر ہیں،

ہم سمجھتے ہیں انہیں شافعِ محشر اپنا   مظہرِ خاص جنہیں کہتا ہے داور اپنا

راحمد کی جبیں سائی جو حاصل ہو ہمیں پھر یہ سمجھیں گے کہ ہے اوج پہ اختر اپنا
زرسرکار ہو ہر وقت درود لے طاہر لایق پیش کشی ہے یہی گوہر اپنا

طیب

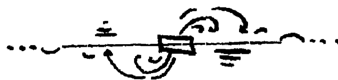
غلام طیب ——— بی، اے، ال، ٹی، اورنگ آباد انٹر کالج کے لکچرار ہیں شعر خوب کہتے ہیں آپ کی بڑی لمبی لمبی نظمیں اورنگ آباد کے سہ ماہی رسالہ اردو میں طبع ہوتی ہیں، ایک نظم بادل کا ایک بند یہ ہے،

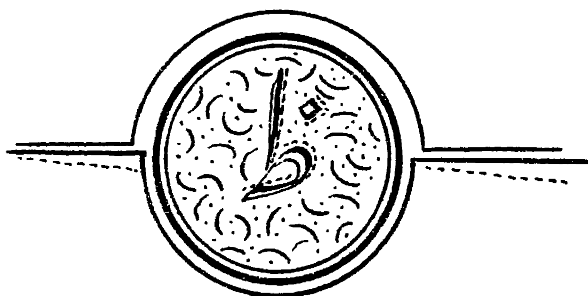
گگن میں لیلا رچی ہوئی ہے برات ساون کی آرہی ہے
گھٹا میں بجلی چمک رہی ہے نکالے گھونگٹ دلہن کھڑی ہے
اُمنڈ اُمنڈ کر بلا کے بادل پرانے فتنے جگا رہے ہیں
پہسار کو گڈ گڈا رہے ہیں جنوں کے شانے ہلا رہے ہیں

طیب

حبیب علی ——— سکندر آباد میں رہتے ہیں شعر بھی اچھے کہتے ہیں،

گئے دن کہ تھی دنیائے محبت دلمیں اب نہ ارمان کوئی باقی ہے نہ حسرت دلمیں
ہے بہالے کی محبت ہی محبت ہے کوئی نہیں رہتی کبھی منہ دیکھے کی الفت دلمیں
لو خاک اور میری خاک کو برباد کیا پھر بھی باقی ہے ستمگار کدورت دلمیں





ظریف

محمد عبدالقادر ـــــــ قدیم دکنی اور منصبدار ہیں، ۱۳۲۳ھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم گھر پر پائی اور شعر کہنے لگے حضرت عیش سے تلمذ ہے، طبیعت اچھی پائی ہے، کلام میں خاصا رنگ ہے ابھی ابتدا ہے یقین ہے کہ اگر مشق جاری رکھیں تو اچھے شاعر ہوں گے، حیدرآباد میں اپنے رنگ کے یہ ایک ہی ہیں۔

فیشن اچھا نہ اسکا احسان اچھا ۔۔۔ لیڈی اچھی نہ اسکا ارمان اچھا
یورپ کے حسینوں پہ عبث مرتے ہو ۔۔۔ باہر کے ڈلی سے گھر کا شیطان اچھا

ہوتے ہیں حسینوں کے کنائے ہی غضب کے ۔۔۔ سفاک یہ ہوتے ہیں بڑی چال کے ڈھب کے
دل لینے کو ظالم نے بلایا تھا یہ لکھ کر ۔۔۔ بائیسویں کو آئیے کونڈے ہیں رجب کے

غیر رہتا ہے جو اس بانی بیداد کیساتھ ۔۔۔ یعنی فرعون رہا کرتا ہی شداد کے ساتھ

غیر دل کی تو خوشامدیں کر جو تیاں اٹھا ۔۔۔ احسانِ اقربا کا نہ بارِ گراں اٹھا

تلخی و شیرینی ہوتی گر لبِ معشوق میں ۔۔۔ ہکھیوں پر مکھیاں مچھر پہ مچھر بیٹھتے

محبت ہو بیوی کی دل میں نہ کیونکر — یہ جنت سے لایا تھا دادا ہمارا

یہ اس کی نزاکت کا ادنیٰ اثر ہے — کہ دل بن گیا ہے بتاشا ہمارا

جا کے میخانہ میں بے کیف چلے آجانا — شیخ کو ہمنے جب ہی تو خرِ عیسیٰ جانا

حال دل میرا بڑے ، جانتے والے آئے — تم نے جانا یہی تو کیا بھینس کا انڈا جانا

دامِ تزویر میں تم آگئے جو دشمن کے — اسلئے ہم نے تمہیں اُلّو کا پٹھا جانا

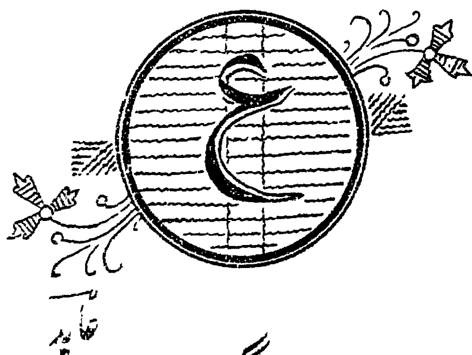
خدا جانے یہ خمیازہ ہے کس حسنِ عقیدت کا — چُرا کر لے گیا مسجد سے کوئی جوتیاں میری

سنتے ہیں کل جو عقد ہوا تھا ظریف کا — وہ بھیڑ تھی کہ جوتے پہ جوتا سوار تھا

دال روٹی ہی ملے گر عزت و توقیر سے — میں یہ سمجھوں گا کہ بریانی ملی تقدیر سے

دُبلے پتلے سے نہ کیوں بہتر ہو معشوقِ جسیم — اچھا ہوتا ہے ڈبل روٹی کا میٹھا کھیر سے





عابد

میر عابد علیخاں بہادر صولت جنگ ——— حیدر آباد کے قدیم شرفا سے تھے طبیعت میں انکسار، ہمدردی، ملنساری بہت تھی میر محمد علیخاں ناظم مرحوم کے ماموں تھے استاد داغ سے تلمذ تھا، مذاقِ عابد، یادگارِ عابد، نغمۂ روح، نامۂ عشق، کلیاتِ عابد، چار دیوان طبع ہو چکے ہیں، چمنستانِ وحدت، آئینۂ ارشاد کے نام سے دو مجموعۂ انتخاب الگ شائع ہوئے ہیں، شعر خوب، کہتے تھے پُرگو تھے کلام بے عیب ہوتا تھا، ۵ رمضان ۱۳۳۷ھ کو انتقال کیا،

تجھ کو کوثر ہو مبارک ناصح   مجھ کو ہے شربتِ انگور پسند
شیفتہ ہیں جو تمہارے رخ کے   کیونکر آئیگی انہیں حور پسند

زرا دیکھو تو کیا اونچا ہوا نخچیر کا رتبہ   اٹھا کر لے چلا صیاد اسکو پشتِ توسن پر
کعبہ کو چلے تھے دیر پہونچے   جانے تھے کدھر کدھر گئے ہم

تیر پر تیر لگاؤ تمہیں ڈر کس کا ہے   دل یہ کس کا ہے میری جان جگر کس کا ہے

عابد

قاضی محمد زین العابدین ـــــ حیدرآباد کے قدما اور شرفا سے ہیں، حیدرآباد ہی میں تعلیم پائی اور سیول سروس کامیاب کرکے ملازم ہوگئے آج کل محکمۂ مال میں اول تعلقدار ہیں، نہایت ذی خلق، منکسر مزاج، شریف علم دوست نوجوان اور شاعر ہیں، شعر خوب کہتے ہیں،

وطن میرا تھا قریہ اور میں تھا ایک دہقانی
لڑکپن کھیل میں گزرا کیا گر کچھ تو چوپانی

جوانی میں چلایا ہل دیا کھیتوں کو بھی پانی
بہرصورت گزاری، ہو گرانی یا کہ ارزانی

غلامی کا خیال آیا نہ آیا کچھ حکومت کا
نہ کچھ تھا امتیاز ما و تو، یا قوم و ملت کا

نہ پروا مفلسی کی تھی نہ لالچ مال و دولت کا
تقابل غیر سے کرتا نہ تھا میں اپنی حالت کا

مگر انسان تھا اور فطرت انسان رکھتا تھا
جگر کے پاس اک دل، دل میں اک ارمان رکھتا تھا

جو گھر میں جسم تو کھیتی میں اپنی جان رکھتا تھا
پہلے پھولے یہی اک فکر میں ہر آن رکھتا تھا

عابد

مرزا عابد علی بیگ ـــــ حکیم مرزا قاسم علی بیگ اخگر کے فرزند اور معتمدی مالگزاری سرکار عالی میں ملازم ہیں، شعر بھی خوب کہتے ہیں،

حرم میں دیر میں تھے آستاں نشیں برسوں
تو دل میں تھا تجھے ڈھونڈا کئے کہیں برسوں

ستم اٹھاتے ہیں عادی ہیں ظلم سہنے کے
رہا ہے دشمن جاں آسماں زمیں برسوں

دلمیں درد آنکھ میں آنسو ہیں لبوں پر فریاد
مشغلہ ہے یہی ہم کو شب تنہائی کا

عابد

حکیم سید محمد عابد ——— مہتمم شفاخانہ اور طبیہ کالج میں بھی طب پر لکچر دیتے تھے۔ بڑے اچھے شاعر تھے۔ ستمبر ۱۹۳۷ء میں انتقال کیا۔

حال وہ پوچھتے ہیں مجھ سے تو رو دیتا ہوں — ضعف اتنا ہے کہ یارا نہیں گویائی کا
بزم زندوں کی ہے نادیں کہے دیتا ہوں — اب مناسب نہیں لینا تجھے انگڑائی کا

عاجز

محمد قدرت اللہ ——— عیش کے شاگرد ہیں شعر بھی خوب کہتے ہیں۔

ایک میں ہی ہوں کہ رکھتا ہوں محبت دلمیں — ایک تم ہی ہو کہ ہے مجھسے کدورت دلمیں
آنکھ میں جلوہ ترا لب پہ مرے یاد تیری — میرے سر میں ترا سودا تیری الفت دلمیں
آہ کیسا تھ ہی کیوں لب پہ نہ چھالا آئے — جبکہ ہو شعلہ فشاں آتش فرقت دلمیں
سر گیا بھی تو ترے عشق کا سودا نہ گیا — دل گیا بھی تو رہی تیری محبت دلمیں

عارف

میر لطف علی ——— قاضی سید عبدالرحیم صاحب مرحوم کے فرزند اور سلسلۂ ابوالعلائیہ میں بیعت ہیں آپ کے اجداد عہد بہمنیہ میں دکن آئے تھے آپ کے ایک جد اعلیٰ قطب شاہی دور میں دیوان رہ چکے ہیں جن کا نام سید علی اکبر تھا، آپ پر اب تک معاش قضاء پرگنہ ہتنورہ بحال ہے، حضرت تدبیر سے اردو، فارسی، عربی پڑھی ہے (۴۷) سال کی عمر ہے شعر بھی خوب کہتے ہیں ریاض عارف کے نام سے

ایک مختصر سا دیوان طبع ہو چکا ہے، اور فرہنگ عثمانیہ ایک دفتری اصطلاحات کی لغت بھی طبع ہو چکی ہے، نہایت سیدھے سادھے یار باش بزرگ ہیں، راقم الحروف کے خاص کرمفرما ہیں،

جو دل رکھ کے دلدار نے شرم رکھ لی ۔ بڑی بات کی یار نے شرم رکھ لی
مرے دل کی کچھ بھی نہ تھی قدر و قیمت ۔ مگر اک خریدار نے شرم رکھ لی
سیہ کاریوں سے خجل ہم تھے لیکن ۔ مدینے کے سرکار نے شرم رکھ لی
واعظ تو ذکر جنت و دوزخ کا چھوڑ دے ۔ کیا ہوگا کیا خبر ہے تجھے روزِ جزا کے بعد
جبینِ شوق کو ٹھوکر لگا دے ۔ مری بگڑی ہوئی قسمت بنا دے
نگاہِ ناز سے بجلی گرا دے ۔ کسی کا خرمنِ ہستی جلا دے
نہ چھوٹے میکدہ مر کر بھی ساقی ۔ مری مٹی کا پیمانہ بنا دے
الٰہی بنجائے مقتل طورِ سینا ۔ نقابِ رخ اگر قاتل اُٹھا دے
عجب کیا ہے خدا ملجائے اسکو ۔ خودی اپنی اگر عارف مٹا دے

عاقل

فخر الدین ـــــــ حیدرآباد کے رہنے والے عربی، فارسی، انگریزی سے واقف تھے، ٹیوشن بھی کرتے تھے اور کتب فروشی بھی، چوک میں ایک چھوٹی دوکان پرانی کتابوں کی تھی نہایت اچھے شاعر اور با مذاق بزرگ تھے ستر سال سے زاید عمر پاکر تین چار سال ہوئے کہ انتقال کیا،



میرلطف علی - عارف

ایک سے ایک زمانے میں حسین اچھے ہیں	اپنی نظروں میں سمائیں جو نگیں ایسے ہیں
دلمیں ہے حسرت ارماں و تمنا کا ہجوم	ان مکانوں میں جو بستے ہیں مکیں اچھے ہیں

یہ روشن ہے کہ روشندان نہیں اس بیتک بے مطلب
شرارت سی شرارت ہے یہاں تاکا وہاں جھانکا

دن کو ہی تو رہو سورج کی طرح پہلو میں
چاند کی طرح سے تم رات کو آتے کیوں ہو

عاقل

محمد عاقل علیخاں ــــــ اورنگ آباد کے شریف گھرانے سے تعلق ہے اور بڑے اچھے شاعر ہیں۔

طوفان ہے قطرہ قطرہ میرے سیل اشک کا	دریا ہے موجزن مرے چشم پرآب میں
اے انقلاب دہر یہ کیسی ہے منصفی	رہتے ہیں بوم گنبد افراسیاب میں
پیتا ہوں شوق یاد میں اک رشک ماہ کی	ساقی شراب دے قدح آفتاب میں

عالی

محب اللہ خاں ــــــ نواب مظفر جنگ بہادر مرحوم کے فرزند اور حیدرآباد کے مشہور امیر حیدر الدولہ کے پروتے تھے، عربی، فارسی کے منتہی اردو کا مذاق بڑا پاکیزہ تھا، حضرت طباطبائی مرحوم سے مشورہ کرتے تھے فن عروض پر ایک کتاب بھی طبع ہو چکی ہے نہایت زندہ دل اور شریف الطبع شاعر تھے حضرت

حضرت تمکین کاظمی کے قریبی عزیز تھے اور ان دونوں میں بڑا خلوص تہا،
دس پندرہ سال پہلے سرور نگر میں انجمن ارباب اردو قائم کی تحفہ ماہوار ایک مدت تک اپنے ذاتی سرمایہ سے نکلتے رہے،
۱۹۳۶ء میں بعارضہ سکتۂ قلب انتقال کیا،

کہتے ہیں مست بلبل ہے میخانۂ بہار — فنجانِ گل کو سمجھے ہیں پیمانۂ بہار
اوراقِ گل پہ ہے خطِ ریحاں لکھا ہوا — عالیؔ چمن میں آیا ہے پروانۂ بہار
وعدہ وصل کو وہ حشر پہ ٹہیرا کے چلے — مجھ کو دہوکا یہ ہوا وعدۂ فردا سمجھا
شغل مے شب کو ہوا دن کو عبادت ای شیخ — ایک نے اسکو برا ایک نے اچھا سمجھا
عشق میں ہو گئی ہے عقل بہی اندھی زاہد — عیب کیا عشقِ بتاں میں ہے خدارا سمجھا

عالی

راجہ نرسنگ راج بہادر ——— راجہ گردہاری پرشاد باقی عرف بنسی راجہ کے فرزند ہیں، آپ کے جد اعلیٰ آصف جاہ بہادر کے ہمراہ دکن آئے تہے، اور بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز رہے آپ کے والد راجہ باقیؔ مشہور صوفی اور شاعر تہے،
آپ علاوہ اپنی خاندانی جاگیر اور اعزاز کے مہتمم ٹپہ خانہ جات ریلوے بہی ہیں، شعر نہایت اچھے کہتے ہیں، عربی، فارسی، اردو اور سنسکرت میں عالمانہ تبحر رکھتے ہیں، نہایت بامذاق اور مخیّر بزرگ ہیں،

حامی جہاں میں کون مرا کردگار ہے — ہو مہر کی نظر تو مرا بیڑا پار ہے

غیر کے دکھ درد میں انسان اگر شامل نہیں
خاک کا تودہ ہے وہ عالی کسی قابل نہیں

ہیں گل گلشن وہی لیکن نہیں لطف بہار
یار محفل میں نہیں ہے تو رونق محفل نہیں

چاہتا تھا جس دوا کو اب نہیں اسکی تلاش
درد تو باقی ہے لیکن اب مراد دل نہیں

کوئی پرواہ نہیں آہ و فغاں کی
خدا رکھے جوانی اس جواں کی

کہوں کیا شان میں کوئے بتاں کی
بلندی ہے زمیں میں آسماں کی

ہمیں تو وہ حسین ہے سب سے پیارا
نظر ترچھی ادا ہو جس کی بانکی

عالی

محمد اسمٰعیل خاں ——— خورجہ ضلع بلند شہر کے رہنے والے ہیں ایک مدت سے حیدرآباد میں ہیں، شعر خوب کہتے ہیں مہاراجہ بہادر کے مشاعرے میں عموماً شریک ہوتے ہیں،

کیا کہوں میں حال دل کہنے کے یہ قابل نہیں
جب سے دیکھا ہے تمہیں قابو میں میرے دل نہیں

کیا سناؤں درد دل کی میں کہانی آپ کو
آپ کے سننے سنانے کے تو یہ قابل نہیں

دوستوں آنے دو آئی ہے اگر فصل بہار
اب کہاں وہ ولولے وہ ہم نہیں وہ دل نہیں

دیکھو گر چشم بصیرت سے تو کھل جائے ابھی
میرے انکے درمیاں پردہ کوئی حائل نہیں

عبرت

عبدالرسول ——— گلبرگہ شریف کے باشندے تھے، نظامت عدالت گلبرگہ کے محافظ دفتر تھے شور مرحوم سے شاگردی کی نسبت تھی، شعر خوب کہتے تھے نعت گوئی

کا بہت شوق تھا۔ پانچ چھ سال ہوئے کہ گلبرگہ ہی میں انتقال کیا،

حور و غلماں کا ہے ساتھ لحد میں یارب — تیرا بندہ ہوں میں عادی نہیں تنہائی کا
دیکھنا وہ لئے جاتے ہیں عدم کو احباب — کہ جنازہ ہے مرا یا تری رسوائی کا

عبدالسلام

عبدالسلام انصاری ـــــــ یوپی کے باشندے مسلم یونیورسٹی کے گریجویٹ اور ایل ایل۔ بی ہیں۔ ابتداً تعلیمات میں مدرس رہے، اب تقریباً آٹھ دس سال سے نہایت کامیابی کے ساتھ وکالت کر رہے ہیں۔ نہایت ذی خلق ذکی اور فہیم شاعر اور وکیل ہیں شعر بھی خوب کہتے ہیں،

ہاں مغنی طرب انگیز ہیں شادیانے ہیں درنگ — جشن برپا ہے بجیں زیر و بم و بوق و چنگ
پیدا ہر ساز طرب سے ہو صدا دل خوش کن — سن کے صوت طرب افزا ہو ہر اک دل میں امنگ
مژدہ سالگرہ ہے کہ نوید جاں بخش — واہ کیا صوت طرب زا ہے کیا پیدا رنگ
میر عثمان علی شاہ، نظام آصف جاہ — صاحب تاج و اکلیل و سریر دا و رنگ

عبدالعزیز

محمد عبدالعزیز ـــــــ حیدرآباد کے رہنے والے اور علیگڈھ کالج کے بی۔ اے، بی ٹی ہیں۔ شعر بھی خوب کہتے ہیں آجکل ورنگل انٹر کالج کے پرنسپل ہیں۔

زندگی کا عجب مزا ہوتا — قیس سا تو جو باوفا ہوتا
عشق کی قدر اور زاہد کو — کاش یہ امر واقعہ ہوتا

سنگ در ہی مجھے بنا تا اگر | میں در یار پر پڑا ہوتا
میری کشتی کا اس خدائی میں | اے خدا کوئی ناخدا ہوتا

علیق

سید محمد انور الدین ——— حیدرآباد کے رہنے والے اور اچھے شاعر ہیں'

چارہ سازی بھی کریں آپ مسیحائی بھی | سر سے بیمار کے ٹلتی ہے کہیں آئی بھی
محفلِ یار سے نکلے تو کہا دل نے چلو | دیکھ لیں ایک نظر کوچۂ رسوائی بھی
غیر کا دخل نہیں میں ہوں تصور ہے ترا | خلوتِ خاص ہے کیا گوشۂ تنہائی بھی

علیق

محی الدین خاں ——— حیدرآباد کے رہنے والے اور مقید کے شاگرد ہیں
شعر بھی خوب کہتے ہیں'

مجھ کو واللہ عجب صبر و سکون ہی حاصل | عشقِ احمد ہے کہ اللہ کی رحمت دل میں
جاؤں اس شان سے محشر میں مزا آجائے | ہاتھ میں دامنِ حضرت تو ندامت دل میں

عثمان

میر عثمان خاں ——— حیدرآباد کے رہنے والے اور بڑے اچھے بزرگ
ہیں مدت سے صدر محاسب صرفِ خاص مبارک رہے ہے' شعر بھی خوب کہتے ہیں'

مدینہ کو چلا ہوں زائروں کا قافلہ لیکر
اکیلا میں نہیں ہوں ساتھ اک بستی کی بستی ہے

عثمان

محمد عثمان ــــــ عثمان صحرائی کے نام سے مشہور ہیں گلبرگہ شریف کے رہنے والے ہیں وہیں تعلیم و تربیت پائی ۱۳۴۳ف میں گلبرگہ سے ایک ماہوار رسالہ بھی جاری کیا تھا، شعر بھی اچھے کہتے ہیں ایک نظم رقاصہ کا ایک بند نقل کیا جاتا ہے،

رنگین فضائیں ہوں پورب کی ہوائیں ہوں
کوئل کی نواز ہوں فطرت کی ادائیں ہوں
معمور ہوں نظارے
ہوں بکھرے ہوئے تارے

عجیب

محمد حسین ــــــ نائب قاضی شہر حیدرآباد ہیں محلہ حسینی علم میں جتنے نکاح ہوتے ہیں آپ ہی پڑھاتے ہیں اور شعر بھی خوب کہتے ہیں،

تم سے توقعات رکھیں کیا وفا کے بعد ہاں، دلسے دے رہے ہیں دعائیں دعا کے بعد
دیکھیں وفائیں میری جو اسنے جفا کے بعد شرمندہ ہو گیا ستم ناروا کے بعد
تیرا علاج اے دل بیتاب کیا کروں آہ رسا کو بھیج رہا ہوں صبا کے بعد

عادل

اکثر مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں،

محویت ایسی ہی دیکھ کے صورت دلمیں رہ گئیں حسرتیں اپنی شب وصلت دلمیں

واعظا منع نہ کر رندوں کو مے پینے سے　　کر دعا یہ کہ ہو توفیق وہدایت دل میں

عریاںؔ

حیدرآباد کے ایک مشہور ڈاکٹر ہیں آپ کے بزرگ دہلی کے متوطن تھے آپ بچپن میں دہلی سے حیدرآباد آئے عمر یہیں گذاردی اب تو حیدرآباد کو وطن بنا لیا ہے، طبیعت اچھی پائی ہے شعر وسخن کا ذوق بھی ہے ریختی ہزل اور فکاہیہ اشعار خوب کہتے ہیں اپنے رنگ کے ایک ہی شاعر ہیں،

تماشہ بینی تری بدولت ہماری اب جان پر بنی ہے
ہزار افسوس کیا خبر تھی کہ بخت کو ہم سے دشمنی ہے
غضب کی سینے میں سنسنی ہے

سیاہ رنگ اس پہ زرد آنکھیں جو تنگ ماتھا تو جسم ڈھیلا
ہیں ہونٹ موٹے ذرا سی گردن وہ پستہ قد ہنس کی جنی ہے
یہ میری معشوق دکنی ہے

بہت گیا ہوں میں اسکے ڈیرے مجھے تو موت آئے اب سویرے
گلے میں پھندا لگادو میرے نہیں تو الماس کی کنی ہے
کہ مجھپہ اب وقت جاں کنی ہے

نہ ہے ہم طالب ایفائے وعدہ　　دیا تھا دل تجھے سمجھے تھے سا ہو
مگر تو چل دیا یہ کہہ کے ظالم　　برات عاشقاں بر شاخ آہو

یہ میرا چاک گریباں ہی کچھ نہیں لہنگا — کہ جی میں آئی تو تم نے سیا سیا نہ سیا
تمہاری پھر گئی آنکھوں میں شکل ای عریاں — کسی نے کی جو مرے آگے بہوت کی تعریف

بُرا زمانہ ہے آپس کی چوٹ رہنے دو — بھگاؤ سر سے مسانوں میں بہوت رہنے دو
ہمارے چہروں پہ خاک تیمم آئے نظر — تم اپنے جسم پہ اپنی بھبوت رہنے دو
زمانہ بھولو نہ اکبر کا اپن اکبر کا — ہمارے ذمے پہ بار ثبوت رہنے دو

چوسے تو نے بہت لب رنگیں — جن پہ رہتی تھیں مِسّی کی دھڑیاں
چل چٹورے نہ عاقبت کو بھول — گلگوں کی بنیں گی اب بڑیاں
گلرخوں کا خیال چھوڑ عریاں — چھوڑ جنت میں جا کے پھلجھڑیاں

محبت اس کو کہتے ہیں محبت ایسی ہوتی ہے — ادھر گل کی کلی چٹکی ادھر دم نکلا بلبل کا
دلِ غم دیدہ جب چشم ترسے بوسے لیتا ہے — تو پھر وں چشم ناروشن دل ناشاد کہتا ہے

عرشی

عبدالرزاق ——— حیدرآباد کے رہنے والے اور شعر بھی کہتے ہیں۔

میں کیا کہوں جو ربط ہے اس حیلہ ساز سے — دل کو ادا سے عشق کلیجہ کو ناز سے
قدر آئینہ کی پوچھئے آئینہ ساز سے — آئینہ چور چور ہے اک برق ناز سے

عروضی

خواجہ معین الدین ——— حیدرآباد کے رہنے والے نوجوان شاعر ہیں قیس حیدرآبادی سے تلمذ ہے۔ شعر خوب کہتے ہیں۔

خواہش کو اپنی ہم نے دیا مدعا قرار　　دل جیسی پاک چیز کو ناپاک کر دیا

زمین و آسماں فرہاد و مجنوں ایک کر بیٹھے　　مگر ہم عاشقوں میں ہو گئے مشہور گھر بیٹھے

ریختی

کیوں نہ وہ کہل کے غم میں مر جائے　　جس کی مر جائے میٹھی جان جوان

کنڈی دروازے کی اندر سے لگا لو صاحب　　کہیں باہر سے نہ آ جائے میرا گھر والا

فکاہیہ

فرشتے موت کے رہتے ہیں اس جا　　یہ دفتر نام کا دار القضا ہے

گھر سیٹھ جی کا سارا پٹاخوں سے جل گیا　　اب کی دوالی میں تو دیوالہ نکل گیا

عزیز

نواب عزیز یار جنگ بہادر —— نواب فیاض الدین خاں کے فرزند اور نواب مشرف جنگ بہادر کے پوتے ہیں۔ آپ کے اجداد دکن کے قدیم شرفا سے تھے اور حضرت آصف جاہ اول کے ہمراہ دکن آئے تھے۔ آپ کی ولادت حیدرآباد میں ۱۲۹۲ھ میں ہوئی۔ حیدرآباد ہی میں تعلیم و تربیت ہوئی اور آپ ناظم عطیات صرفخاص مبارک ہوئے۔ ۱۳۱۲ھ میں آپ کو عزیز یار جنگ خطاب ملا اور مدت تک اول تعلقدار ضلع اطراف بلدہ رہ کر وظیفہ پر سبکدوش ہوئے۔ یورپ کا سفر بھی کیا اور اب علمی ادبی مشغلوں میں وقت گزارتے ہیں۔ بچپن ہی سے شعر و سخن کا مذاق ہے نہایت اچھے شعر کہتے ہیں۔ حضرت داغ کے حیدرآباد آتے ہی آپ نے تلمذ

اختیار کیا اور استاد ہی کے رنگ میں شعر کہنے لگے، دو تین دیوان طبع ہو چکے ہیں حال ہی میں ایک مجموعہ ڈاکٹر زور نے بھی شائع کیا ہے، مشاعرہ فیض مدت تک آپ ہی کے زیر اہتمام ہوتا رہا، آپ نہایت روشن خیال، سنجیدہ اور نیک نفس بزرگ ہیں آپ کا ایک واسوخت بہت مشہور اور بے نظیر ہے،

کچھ قناعت کچھ تواضع چاہیئے　　آدمی اچھے سے اچھا کیوں نہ ہو

خموشی سے میری بہت کام نکلے　　سمجھتا نہیں کوئی کیا چاہتا ہوں

وضعداری گلا دباتی ہے　　منہ سے نالے نکل نہیں سکتے

کچھ اسطرح مرے لب پہ خدا کا نام آیا　　ہوا یہ شور کہ موسیٰ کا ہمکلام آیا

محبت تیری کیا تیری وفا کیا　　ذرا پھر تو کہو تم نے کہا کیا

سیتجائے دل سے لذت آزار جھوٹ جھوٹ　　ٹلجائے سر سے ہجر کی آفت غلط غلط

نالہ دل ہمنوائے لحن مرغ نخل طور　　سیل اشک دیدہ تر آبشار نغمہ ہے

کیا خبر کیا کہتی پھرتی ہے گلستاں میں صبا　　ہاں کی ہر پنکھڑی مست بہار نغمہ ہے

راہ منزل گم اگر ہو جائیگی　　خود طبیعت راہبر ہو جائیگی

جائیگی کیونکر محبت کی خلش　　نوک مژگاں نیشتر ہو جائیگی

سرد آہیں دم بدم اچھی نہیں　　آہ دل کی تیز تر ہو جائیگی

کر چکے پامال فتنے اٹھ چکے　　بیٹھ ہی جاؤ نظر ہو جائیگی

عزیز

عزیز احمد ——— اُستاد جلیل (نواب فصاحت جنگ بہادر) کے صاحبزادے اور اچھے شاعر ہیں۔

تڑپتے جس پہ وہ برق نظر گری ہوگی — جگر کو جان کو دلکو جلا گئی ہوگی
گماں یہ ہوگا ستارے ہیں چاند کی آگے — تمہارے مدِمقابل جو آرسی ہوگی
وہ ہم ہیں تشنۂ دیدار دیکھنا سرِ حشر — ہماری پیاس نہ کوثر سے بھی بجھی ہوگی
وہ تیر دل پہ لگا کر بہت پریشان ہیں — کہ راہ پلکے تمنا نکل گئی ہوگی

عزیز

عبدالقادر ——— حیدرآباد کے رہنے والے اور اچھے شاعر ہیں۔

بے نقاب انکا سرِ بزم نمایاں ہونا — صورتِ آئینہ ہر شخص کا حیراں ہونا
یاس و حسرت سے شبِ ہجر وہ مرنا میرا — اسکا بالیں پہ وہ انگشت بدنداں ہونا

عزیز اللہ

عزیز اللہ ——— نظام کالج کے طالب علم تھے زمانۂ طالب علمی میں نظم خوب کہتے تھے معلوم نہیں اب بھی کہتے ہیں یا نہیں۔

انسان

ایک ہستی ہے جہاں میں جسکا انسان نام ہے — زندگی اسکی ازل سے موردِ آلام ہے
دامنِ ہستی میں خوابیدہ فنا کا راز ہے — موت کے مضراب سے پیدا بقا کا راز ہے

قطرۂ بے مایہ کے مانند ہی جو دہر میں ڈوبکر موتی جو بنتا ہے عدم کی بحر میں
ایک ہی ہی اسکی گویا انتہا اور ابتدا یہ خدا سے نکلا تہا اور پہر خدا میں جا ملا
حیف یا اپنی حقیقت سے نہیں آگاہ ہی اسلئے یہ معرفت کی راہ سے گمراہ ہے

عشرتی

غلام خواجہ خاں ——— حیدرآباد کے رہنے والے اور اچھے شاعر ہیں،

یادنے اسکی بپا کی ہے قیامت دلمیں پیار آنکھوں میں ہی جسکی نہ محبت دلمیں
آپ سے کیا میں کسی سے بہی نہیں کہہ سکتا آپ دلمیں ہیں کہ ہی کوئی مصیبت دلمیں

عشق

محمد حبیب اللہ ——— حیدرآباد کے رہنے والے اور دفتر معتمدی صرفخاص مبارک میں ملازم تہے شعر بہی اچہے کہتے تہے،

فغانِ بے اثر فریاد بے تاثیر رکہتے ہیں عجب حسرت تمہاری عاشق دلگیر رکہتے ہیں
ارادہ ہے ملاکر دیکہ لیں حوروں سے جنت میں کسیکی ہم بہی اپنے پاس اک تصویر رکہتے ہیں
فقط اک ترچہی چتون ہی جو سبکو مار رکہتی ہے بتانِ نازنیں کب خنجر و شمشیر رکہتے ہیں
بڑی دولت ہے ایدل خاکساری ہی زمانے میں جو یہ رکہتے ہیں اپنے پاس وہ اکسیر رکہتے ہیں

عظمت اللہ خاں

نعمت اللہ خاں صاحب دہلوی کے فرزند تہے ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے الہ آباد یونیورسٹی سے بی - اے کیا - حیدرآباد آکر ہیڈ ماسٹر ہوئے اور

پھر مددگار ناظم تعلیمات و کمشنر امتحانات سرکار عالی مقرر ہوئے، نہایت شریف نیک دل، پرخلوص، وسیع النظر شاعر اور ادیب تھے، مضامین نثر بھی بڑے اچھے لکھتے تھے، فکاہیہ مضامین آپ کے بڑے اعلیٰ درجہ کے ہوتے تھے، عروض و قافیہ پر بھی عبور تھا، آپ اردو میں ہندی کے بحور استعمال کرنے کے محرک تھے چنانچہ آپ نے ایسی ہی نظمیں کہیں، حیدرآباد کو وطن بنالیا تھا، دق سے علیل ہوکر اردو گیا بہ رم گئے اور دق جیسے موذی مرض سے شفا پا کر یکایک سکتۂ قلب میں مبتلا ہوکر عین جوانی میں ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۳۴۶ھ میں انتقال کیا۔

"میرے حسن کے لئے کیوں مرے"

نہ بھلے کی تھی نہ برے کی تھی مجھے کچھ جہان کی خبر نہ تھی
تمہیں عشق ہی کا جو دھیان تھا تمہیں میری چاہ اگر نہ تھی
"میرے حسن کیلئے کیوں مرے نہیں لینے تھے تمہیں یوں مزے"
بہت اپنی چاہ جتا جتا میرے دل کو موہ کے لے لیا
میرے واسطے یہ بہشت تھی تمہیں زندگی تھی یہ کھیل تھا
میرے حسن کے لئے کیوں مرے
مری چاہ بھی بڑی قیمتی بس غریب تھی یہ امیر تھی
تم امیر تھے یہ نہ چاہ تھی میں امیر تھی یہ فقیر تھی
میرے حسن کے لئے کیوں مرے

نہ تھا اس جہان میں آسرا میری جان تھی یہ جہان تھا
میرے سُکھ تھیں، تمہیں چین تھے تمہیں چاہ یہ گمان تھا،
میرے حسن کے لئے کیوں مرے

عظیم

لطیف احمد ـــــــــ سادات علویہ سے ہیں آبائی وطن یو، پی ہے مگر حیدر آباد میں ۱۹۱۱ء میں پیدا ہوئے تعلیم و تربیت بھی یہیں پائی ۱۹۲۷ء سے شعر بھی کہنے لگے یادر علی اعظم کے شاگرد ہیں ڈرامہ نویسی کا شوق بھی ہے ۱۹۲۰ء سے فلمی دُنیا میں کھوئے ہوئے ہیں فلم سازی پر تنقیدی اور فنی مضامین لکھ رہے ہیں اس فن کا گہرا مطالعہ کیا ہے ایک مستقل تصنیف بھی فلمیات پر سپرد قلم کر چکے ہیں، شعر اچھے کہتے ہیں، اُستاد جلیل سے تلمذ ہے، راقم کے شفیق اور کرمفرما ہیں،

ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی یہ کیوں آرہی ہے ۔۔۔ گھٹا کالی کالی یہ کیوں چھا رہی ہے
چمکتی ہے بجلی یہ آمد ہے کس کی ۔۔۔ یہ پی پی کی کیسی صدا آرہی ہے
اری چپ بھی رہ کالی کوئل خدا را ۔۔۔ تری کوک اور دل کو تڑپا رہی ہے
اپنا شیرازۂ خاطر جو پریشاں ہو جائے ۔۔۔ بے خودی اور بڑے لطف کا ساماں ہو جائے

عفو

سید شاہ ابراہیم ـــــــــ حیدرآباد کے قدیم بزرگ تھے، معتمدی تعمیرات سے ملازمتی تعلق تھا علم دوست اور شاعر بھی تھے، شعر کم کہتے تھے مگر بہت اچھے

کہتے تھے، مولوی احمد عارف مدیر روزنامہ صبح دکن آپ کے نواسے ہیں۔ ار ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ کو آپ نے انتقال کیا۔

غنی ہے ذات خداوند قادر و مختار ۔۔۔ ہیں اس کے رحم کے محتاج کافر و دیندار
وہ اسکا فضل ہی ہم پر کہ حد نہیں جسکی ۔۔۔ ہیں اسکے ہم پہ وہ احسان نہیں ہے جنکا شمار
اسی نے بخشا جہان میں بقدر استعداد ۔۔۔ بشر کو علم و شرف اور زمیں کو برگ و بار
بقا سخن کو اثر نغمہ کو بیتوں کو تاز ۔۔۔ گہر کو آب تو شاعر کو طبع گوہر بار

علی

علی احمد - اُستاد جلیل (نواب فصاحت جنگ بہادر) کے صاحبزادے ہیں شعر بھی اچھے کہتے ہیں،

ناز کیا کیا ناوک انداز ی پہ ہوتا ہی انہیں ۔۔۔ اسکو کشتہ اسکو گھائل اسکو بسمل دیکھ کر
اس نے اپنے حسن کا اپنی ادا کا ناز کا ۔۔۔ کر لیا اندازہ میری حالت دل دیکھ کر

رندوں کا ذکر کیا ہے جب آجاتی ہی بہار ۔۔۔ زاہد کی تو یہ کہاتی ہے غوطے شراب میں
کیا دور تہا وہ ہائے فراغت کا جن دنوں ۔۔۔ منہ دیکھتا تھا اُٹھ کے میں جام شراب میں

علم

سید شمس الدین محمد ــــــــ حضرت کیفی کے فرزند ہیں، طبیعت موزوں پائی ہے شعر بھی خوب کہتے ہیں، مسلسل نظم عموماً خوب کہتے ہیں۔ غزل بھی اچھی کہتے ہیں۔ ۱۳۱۹ھ میں پیدا ہوئے حیدرآباد ہی میں تعلیم پائی، دفتر دیوانی و مال

سرکار عالی میں ملازم ہیں،

کیوں آنکھ پھری تیری بتِ چشم غزالا! کیوں تو نے دلِ علّم کو پہلو سے نکالا
کیوں خاطرِ نازک میں اسے پہلے جگہ دی کیوں سینۂ پر کینہ میں اس درد کو پالا
کیوں اپنا بنا کر گلِ رخسار کا بلبل کیوں اپنے چمن سے اسے بیطرح نکالا
کیوں دستِ حنائی سے تسلی مجھے دی تھی کیوں تو نے مرے خون میں ہاتوں کو کھنگالا

علیم

صاحبزادے میر علیم الدین خان ـــــــ نواب منور الدولہ مرحوم کے پوتے اور بڑے اچھے شاعر ہیں،

دستِ قاتل میں چمکتی ہوئی تلوار ہی ہے عاشقِ زار اد ہر جان سے بیزار ہی ہے
منع کرتے نہیں ہم شوق سے دیکھو موسیٰ یہ تو بتلاؤ مگر طاقت دیدار بھی ہے
وعدۂ وصل کے بعد آئی ہنسی یوں تمکو کیا یہ مطلب ہی کہ اقرار ہی انکار ہی ہے

علیم

علیم الدین ـــــــ حیدرآباد کے قدیم خاندان سے، جوان صالح اور نیک نفس ہیں جی پائگاہ ـــــ وقار الامرا میں تحصیلدار ہیں شعر خوب کہتے ہیں،

جرأت خطا کی بڑھ گئی پہلی خطا کے بعد گویا پھر آرزو ہے سزا کی سزا کے بعد
ہے یہ دعا کہ موت ہی آجائے وصل میں پھر کوئی مدعا نہ ہو اس مدعا کے بعد
کسکی مجال ہی یہ کرے انسے عرض کون پھر کس پہ ظلم ڈہاؤگے اہلِ وفا کے بعد

کھینچی جو آہ بہنے لگے اشک چشم تر   پانی کا رنگ جم گیا آخر ہوا کے بعد

عندلیب

عبدالوہاب ــــــ حیدرآباد کے رہنے والے اور بڑے کہنہ مشق شاعر ہیں، مگر اب کم کہتے ہیں، محکمہ امورات مذہبی سے ملازمتی تعلق ہے ایک ماہوار رسالہ مذہبی بھی مدت سے نکال رہے ہیں،

دل ہوا مصروف جب حمد خدائے پاک میں   ہو گئی پیدا جلا آئینہ ادراک میں

نور کے ذرے ہوئے درخشندہ مشتِ خاک میں   چار چاند اسنے لگائے گنبدِ افلاک میں

مرتبہ وقتِ رقم اعلیٰ سے اعلیٰ ہو گیا

خامۂ معجز رقم کا بول بالا ہو گیا

اللہ اللہ فیض ہے کیا حمد کی تحریر کا   بہر تحسین کھل گیا منہ غنچۂ تصویر کا

رنگ چوب خشک میں پیدا ہوا تقریر کا   اور اب کیا اس سے بڑھکر ہو اثر تاثیر کا

بدلے خاموشی کے پیدا رنگ گویائی ہوا

دو زبانوں سے قلم مداح یکتائی ہوا

عیش

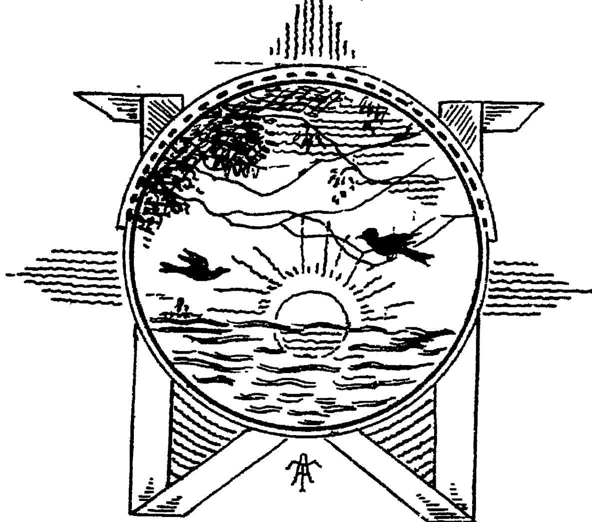
غلام محمد عرف شرف الدین ــــــ حیدرآباد کے رہنے والے اور زیرک کے شاگرد تھے، شاگردوں کی تعداد بھی خاصی تھی، کہنہ مشق اور بڑے اچھے شاعر تھے طباعت تذکرہ ہذا کے دوران میں ۱۳ ار خورداد ۱۳۴۶ ف کو انتقال کیا،

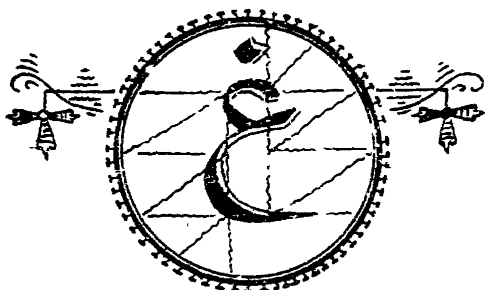
آنکھ میں ہے ترا جلوہ تری صورت دلمیں | لب پہ ہے نام ترا تری محبت دل میں
دفن دل ہی میں ہوا لاشۂ ارمان دلی | ایک چھوٹی سی بنا رکھی ہے تربت دل میں
درد ہے رنج ہے الجھن ہے الم ہے غم ہے | جمع ہے سارے زمانے کی مصیبت دلمیں
او ستمگر تری الفت کا ہو کیا اندازہ | درد ہی ہے تو یہ اندازۂ الفت دل میں

علیمیؔ

سید غوث الدین —— حیدرآباد کے رہنے والے اور عدالت ضلع گنجوٹی علاقہ پائیگاہ کے ناظم ہیں شعر بھی خوب کہتے ہیں۔

اپنا ایمان ہے دین اپنا ہے داور اپنا | فکر کس بات کی ہے شافع محشر اپنا
گر غلامی شہ والا کو ہو منظور اپنی | ہو سکندر سے فزوں طالع برتر اپنا





غازی

صاحبزادہ نواب غازی الدینخاں بہادر ——— نواب ہمایوں جاہ بہادر کے پوتے اور خاندان شاہی سے ہیں۔ بی ، اے ، نہایت اعزاز کے ساتھ کامیاب کیا ہے شعر خوب کہتے ہیں،

سامنے جاتے ہی انکے ہوا حسن کا رعب ‌ ‌ ‌ ‌ حوصلہ مہر بلب ہو گیا گویائی کا

غربت

محمد میر خاں ——— حیدرآباد کے شرفا سے اور نظام کالج کے فارغ التحصیل ہیں آجکل غالباً مددگار اکزامنر آف اکاؤنٹس شاخ تعمیرات ہیں، نظم اور غزل خوب کہتے ہیں مدت تک نظام کالج میگزین کے اڈیٹر بھی رہ چکے ہیں،

"نظام کالج"

اے کالج بے مثل اے معیار تعلیم و کمال ‌ ‌ ‌ ‌ اے شمع تہذیب و صفائی مصلح حسن و خیال

ای وہ کہ پر اخلاص ہے اور زندہ دل تیری فضا ‌ ‌ ‌ ‌ ای وہ کہ پنہاں ہے ترے ہر ذرہ میں اک قہقہا

بدیہ یہ تیری نذر ہی اور ہے خدا سے یہ دعا | دنیا میں جبتک تو ہے اور فیض تعلیمی ترا
جبتک تیری بزمِ حسین اک پارۂ جنت رہے | اسوقت تک یہ پھول تیری ہار کی زینت رہے

غفار

عبدالغفار ـــــــ مدراس کے باشندے اور بڑے بامذاق شاعر تھے تجارت کرتے تھے مدراسی زبان میں بڑے دلچسپ شعر کہتے تھے، حیدرآباد کو وطن بنا لیا تھا تقریباً دس سال ہوئے کہ یہیں انتقال کیا،

بادام لیئے بھیجیں کتے صندوق میں بہا کو | سینے میں ہمیں رکھتیں ہنکیوں کو لگا کر
نکو جھٹری ہمنا اے بادِ صبا تو | اول بیچ بیٹھیں ہمسیں دلکو جدا کر
قاصد کو ہمیں بھیجیں سیکل پو بٹھا کو | ادمیوں کو نچا تا ئے انین بندراں بنا کو
مرنے لگیں جوانوں تو ردرد کو میں پو لیا | ہائے ہائے تمیں کاں جائیں اجی ہمنا پھنسا کو
اُنو آینگے تو ہم جیبر کو دل دیچ ڈالیں گے | تلوار کو رکہتیں ہمیں گہس کو گھسا کو

ماندہ پڑ کو مرنے بیٹھوں جاں کتو جانا نمیں ہے | پیو کو بولو آ کو کنا اٹکیا سو دم ہنکیوں میں ہے

غفور

عبدالغفور ـــــــ حیدرآباد کے رہنے والے نظامت بندوبست میں ملازم ہیں شعر بھی خوب کہتے ہیں،

مدتوں سے ہی کسی چاند کی صورت دلمیں | گھر بنا ئیگی نہ کیوں اسکی محبت دل میں
اب کوئی شوق مرے دلمیں سماتا ہی نہیں | بھر گیا اسطرح کچھ عشقِ رسالت دل میں

روضۂ پاک پہ اب جا کے فدا ہو جاؤں　　　روز اٹھتا ہے یہ طوفانِ محبت دل میں
سالہا سال کا بیمار ہوں لیکن پھر بھی　　　اڑ کے جانے کی مدینہ کو ہے ہمت دل میں

غمگین

سید عبد الصمد ——— جامعہ عثمانیہ کے طیلسانی اور بڑے اچھے شاعر ہیں، نظم خوب کہتے ہیں۔

مخمور چاند تارے

انوارِ حسن سے سب دریا بہائے ہوں　　　بادل کی چادروں پر موتی بچھائے ہوں

آہِ شکستہ پا سے

بیتاب دل کے ذرّے کہتے ہیں چپکے چپکے

اے حاصلِ محبت

پیدا مری رگوں میں طوفاں ہزار کرنا　　　رازِ وفا خدارا مت آشکار کرنا

ٹھنڈی ہوا کے جھونکے

صحرا کی نکہتوں میں کرتے ہیں گدگدی جب　　　آتی ہے طائروں کو بیساختہ ہنسی جب

روحِ فسردگی سے

کہتے ہیں زخم پنہاں تو بھی ذرا ہو خنداں

ہلکا سا اک تبسم

پردوں پہ چشمِ غم کے کرتا ہے یوں ادائیں　　　جیسے برستے بادل میں چاند کی شعاعیں

غنی

محمد ابراہیم ——— حیدرآباد کے رہنے والے ہیں، چھبیس ستائیس سال کا سن ہے۔ سر رشتۂ ٹپہ سرکار عالی میں ملازم ہیں، عیش سے تلمذ ہے شعر بھی اچھے کہتے ہیں،

حرم سے شیخ جو اٹھا تو ہاتھ خالی تھے — میں میکدے سے لئے ساغر شراب اٹھا

مفلسی میں بھی ہے غنی کا یہ رنگ — رات دن ہیں شراب کی باتیں

نازل ہوں غنی روز نہ کیوں تازہ بلائیں — معلوم ہیں ہم شیفتۂ زلف رسا ہیں

زاہد خشک اور مے نوشی — مردہ دل سے یہ کام ہوتا ہے؟

غیور

سید عابد علی ——— حیدرآباد کے شرفا سے اور طبیب یونانی ہیں آجکل کسی شفاخانہ کے مہتمم ہیں شعر خوب کہتے ہیں نہایت کہنہ مشق اور پرگو شاعر ہیں غزل، قطعہ، مرثیہ، سلام سبھی کہتے ہیں اور ہر چیز اچھی ہوتی ہے،

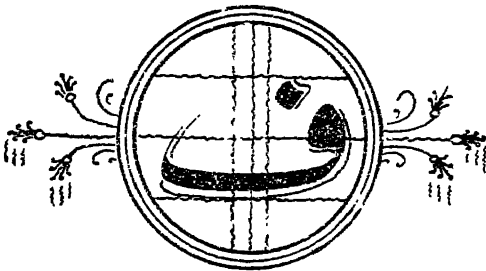
ہے جتنا حسن ابھی اتنا غرور باقی ہے — وہ نشہ تو نہیں لیکن سرور باقی ہے

یقین ہی آگیا اب میری بھی نجات کا وقت — کہ ایک میں ہوں بس اک حور باقی ہے

ہو کر زباں دراز وہ غنچہ دہن ہوا — میں تلخ کام ہو کے بھی شیریں سخن ہوا

زخمی کیا کلیجے کو اس نے تو ناز تھا — اور میں جو چیخ اٹھا تو دیوانہ پن ہوا

ہائے بے سجدہ بن نہیں پڑتی — کیا خدا ہے تمہاری صورت میں



فاتح

محمود فاتح ——— حیدرآباد کے باشندے جامعہ عثمانیہ کے فارغ التحصیل اور ورنگل انٹر کالج کے مددگار ہیں شعر بھی خوب کہتے ہیں،

آئی ہے ارضِ دکن پر وہ بہار بے خزاں ۔۔۔ شاخ پر پتھر کی ہے روئیدگی کا آشیاں

علم کی دیوی کا ہے استھان فرخندہ نشاں ۔۔۔ وِدّیا کا ٹرسکوں ساگر ہے قدموں میں رواں

جس کے ہیروں کی چمک کے تاج بھی محتاج ہیں

اس زمیں پر شاہدِ معنی کے ہر سوراج ہیں

فاروق

فاروق علی ——— حیدرآباد کے رہنے والے کارخانہ دارالصنعت کے مالک ہیں صنعتی دماغ پایا ہے جس میں شاعرانہ لطافت بھی موجود ہے،

چشم مخمور ہے مستانہ ادا جوشِ شباب ۔۔۔ ہم سے پوچھے کوئی عالم تری زیبائی کا

مختصر قصہ ہے یہ زینت و زیبائی کا ۔۔۔ تیری زیبائی سے رتبہ بڑھا زیبائی کا

فاضل

سید قطب الدین محمود علی ــــــ حیدرآباد کے مشہور امیر (جو بعد کو فقیر ہو گئے تھے) نواب سید غیاث الدین علیخاں کے فرزند اور عالم و فاضل بزرگ پائیگاہ سر خورشید جاہ کے معتمد تھے پندرہ ایک سال ہوئے کہ انتقال کیا،

ڈاکٹر میر سیادت علیخاں، ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی، بی۔سی۔ایل، ناظم عدالت ضلع محبوب نگر اور ڈاکٹر میر ولی الدین ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی، بیرسٹر ایٹ لا پروفیسر جامعہ عثمانیہ اور حضرت میر قادر علی شاہ آپ ہی کے فرزند ہیں، عربی، فارسی، اردو میں بڑے اچھے شعر کہتے تھے۔

محبت تیری زلفوں سے بتِ بے پیر کہتے ہیں ۔۔۔ جنونِ عشق کی ہم پاؤں میں زنجیر کہتے ہیں

زباں ہی بند ہو جاتی ہے انکے سامنے اپنی ۔۔۔ اگرچہ ہم بہت کچھ دعویٰ تقریر کہتے ہیں

انکی زلفوں سے بپا حشر کا طوفاں دیکھا ۔۔۔ جسے دیکھا اسے سودا سے پریشاں دیکھا

عرش سے فرش تک ایسی نہیں ہرگز کوئی شے ۔۔۔ موجزن جسمیں نہ کچھ جلوۂ جاناں دیکھا

فاضل

حسام الدین ــــــ حیدرآباد کے مشہور عالم و فاضل اور مشائخ جامعہ عثمانیہ کے پروفیسر منسپلٹی کے وارڈ کمشنر ہیں اور شاعر ہیں نعت خوب کہتے ہیں۔

کملی والے اسے خالی نہ پھرانا ہرگز ۔۔۔ تیرے دروازے پہ رحمت کا طلبگار آیا

مظہر رحمت غفار جناب صدیق رض ۔۔۔ جانشین شہ ابرار جناب صدیق رض

یادشاہ بحر و بر حضرت عمرؓ سید جن و بشر حضرت عمرؓ
نور حق مطلع انوار ہیں عثمان غنیؓ مظہر احمد مختار ہیں عثمان غنیؓ
ہیں جانشین مصطفیٰ حضرت علیؑ مشکلکشا سرتاج و فخر اولیا حضرت علی مشکلکشاؑ

فاضل

میر محمد حسین خاں ـــــــ حیدرآباد کے رہنے والے اور اچھے شاعر ہیں،

فکر تحصیل رضاے دوست کے قابل نہیں جسکو دل کہتے ہیں اہل دل وہ میرا دل نہیں
درد دل سننے کے تم کہنے کے ہم قابل نہیں جاؤ اب وہ تم نہیں وہ ہم نہیں وہ دل نہیں
مانگ دلکی ہی الگ فرقت کی ہکی ہی الگ وہ کہڑی ہیں سامنے اور میرے دلمیں دل نہیں
چشم و ابرو و رُو و مو و دندانؐ لب کا ذکر کیا تیرا شیدا انکی ہست و بود کا قایل نہیں

فاضل

محمد فاضل ـــــــ حیدرآباد کے رہنے والے اور صدر محاسبی سرکار عالی میں ملازم ہیں، "گلدستہ جشن عثمانی" کے نام سے ایک "جوبلی نامہ" نہایت محنت اور کوشش سے شائع کیا ہے، شعر بھی کہتے ہیں،

جنکا عاشق ہی خدا انکی ہی الفت دلمیں یعنے محبوب خدا کی ہے محبت دلمیں
کیوں نہ جاں بخش ہو تیر مردہ دلونکو ہر دم یا علیؓ کہتے ہی آجاتی ہی طاقت دلمیں
وصل جاناں نہوا وقت وصال آپہونچا رہ گئی آہ مرے دل ہی کی حسرت دلمیں

فائق

نواب احمد نواز جنگ بہادر ـــــــ حضرت علوی کے شاگرد اور مرید تھے۔ شعر بہت خوب کہتے تھے۔ دس پندرہ سال ہوئے کہ انتقال کیا،

جینا تو محبت میں ہر دشوار ہی لیکن ۔۔۔ مرنا بھی کچھ اس راہ میں آسان نہیں ہے
کیوں تم پہ فدا ہوتے جو ناداں نہ ہوتے ۔۔۔ سچ کہتے ہو تجھسا کوئی نادان نہیں ہے

فانی

شوکت علیخاں ـــــــ ۱۲۹۷ھ / ۱۸۷۹ء میں پیدا ہوئے، بریلی کالج سے بی۔ اے کیا اور ۱۹۰۳ء میں علیگڈھ سے ال، ال، بی کامیاب کیا۔ لکھنؤ بریلی وغیرہ میں مدتوں وکالت کی چند سال سے حیدرآباد میں ہیں اور تعلیمات میں ملازم ہیں، شعر خوب کہتے ہیں آجکل آپ کا شمار اساتذہ میں ہوتا ہے، نہایت خلیق، ملنسار کم گو اور قابل شاعر ہیں۔

نہ آؤ سامنے لیکن تصور میں تو آؤ گے ۔۔۔ یہ آنکھ کا نکالا ہے پردہ دل سے پردہ ہو نہیں سکتا
میرے شوق نے سکھایا اسے شیوۂ تغافل ۔۔۔ نہ مجھے نیاز ہوتا نہ وہ بے نیاز ہوتا
نگاہ دلنواز کی دہائی جمال جانسوز کی ہائی ۔۔۔ رہ محبت میں تمنے لوٹا شکیب صبر و قرار میرا
مختصر قصۂ غم یہ ہے کہ دل رکھتا ہوں ۔۔۔ راز کونین خلاصہ ہے اس افسانے کا
مجھکو مری نصیب نے روز ازل نہ کیا دیا ۔۔۔ دولت دو جہاں نہ دی اک دل مبتلا دیا
کسیکی یاد مژگاں دلمیں جب نشتر چبھوتی ہے ۔۔۔ خلش ہوتی ہی لیکن کسقدر پر لطف ہوتی ہے

وہ تم کہ تم نے جفا کی تو کچھ برا نہ کیا — وہ میں کہ ذکر کے قابل نہیں وفا میری

تمہیں کہو تمہیں اپنا سمجھ کے کیا پایا — مگر یہی کہ جو اپنے تھے سب پرائے ہوئے

دیا اک جان سے دشمن کو دل جاں نذر دلبر کی — یہ ہے اپنی کہانی قصہ کوتہ زندگی بھر کی

کیوں اہل حشر ہے کوئی نقاد سوز دل — لایا ہوں دل کے داغ نمایاں کئے ہوئے

فخر

فخر الدین ——— حیدرآباد کے شرفا سے ہیں، مدرسہ مفید الانام میں مدرس ہیں، شعر بھی خوب کہتے ہیں،

بجلیاں گرتی ہیں چل جاتے ہیں خنجر دل پر — یاد جب آتا ہے عالم تیری انگڑائی کا

فدا

محمد عبدالغفور ——— حیدرآباد کے رہنے والے ہیں سررشتہ تعلیمات میں ملازم ہیں، شعر بھی اچھے کہتے ہیں،

حجاب دیدۂ منکر نہ اب ہوگی پشیمانی — فروغ قلب حق آگاہ ہے یہ عہد عثمانی

گدا بھی گدا، زلہ ربا ہیں زور و زر والے — در عثمان علیخاں پر جھکی شاہوں کی پیشانی

نہیں کھلتی کسی کے رخ پہ کسریٰ ہو کہ قیصر ہو — اسی دربار سے وابستہ ہے شان جہاں بانی

جہان کی برکتیں سب نعمتیں حاصل ہیں عالم کو — سروں پر سایہ گستر جب ہے یہ ظل سبحانی

الٰہ العالمین اسکو ہمیشہ شاد و خرم رکھ — رہے ذرات اسکی عمر و دولت میں فراوانی

فدائی

ھدایت محی الدین خاں ـــــــ ناظم دیوانی بلدہ تھے، حضرت معروف علی شاہ فدا کے فرزند ہیں، شعر بھی خوب کہتے ہیں،

آج عالم میں دو عالم کا وہ سردار آیا | جس پہ قربان ہے خدائی وہ طرحدار آیا
زاہدو شکر کرو سید ابرار آیا | مے کشو رقص کرو ساقیٔ خمار آیا
عاصیو مژدہ کہ ہم سب کا خریدار آیا | شافعِ روز جزا احمدِ مختار آیا

فرحت

رائے بالا پرشاد ـــــــ حیدرآباد کے تعلیم یافتہ کائستھ گھرانے سے ہیں جناب مہدی سے تلمذ ہے شعر اچھے کہتے ہیں،

ہر ایک پردے میں جسکا ظہور ہوتا ہے | خیال اسکا کہیں دور دور ہوتا ہے
جو دیکھ لیتا ہوں ساقی کی آنکھ متوالی | خمار آنکھوں کو دل کو سرور ہوتا ہے
تم اپنے ہاتھ سے غیروں کو جام دیتے ہو | ہمارا شیشۂ دل چور چور ہوتا ہے

فرحت

مرزا فرحت اللہ بیگ ـــــــ دہلوی الاصل بزرگ ہیں غالب کے خاندان سے اور مرزا ناقم کے قریبی عزیز ہیں۔ صوبۂ میدک کے سشن جج ہیں نظم اور نثر دونوں پر یکساں عبور ہے، نثری مضامین کے تین مجموعے اور نظموں کا ایک مجموعہ طبع ہو چکا ہے۔ خوب شعر کہتے ہیں، دکن کو وطن بنا لیا ہے،

دو جہاں کا غم سمٹ کر آدمی کا دل بنا
دل بنا کیا یوں کہو اک عقدۂ مشکل بنا

پرتو حسن ازل سے کل جہاں معمور ہے
پہلے اپنے آپکو تو عشق کے قابل بنا

کھیل جائیں گے یہ اپنی جان پر تو یاد رکھ
جان نثاروں کو نہ اپنے اسقدر پر دل بنا

آسمانوں سے نہ جو بار امانت اٹھ سکا
میں اسے ناحق اٹھا کر ظالم و جاہل بنا

فرحت

محمد امان خاں ——— یو.پی کے رہنے والے ہیں مدت سے حیدرآباد میں اور محکمۂ آبکاری کے انسپکٹر ہیں، نظم اچھی کہتے ہیں ایک نظم "فیشن پرست بہنوں سے خطاب" کے چند شعر یہ ہیں،

اک حسن کی دیوی ہو جو حسن کی شہرت بھی
بی.اے. کی سند بھی ہو حسن لیاقت بھی

رہنے کیلئے اچھا بنگلہ بھی ہو جنگل میں
ہو سیر کو موٹر بھی اور خرچ کو دولت بھی

ماں باپ کی پروا ہو نہ پاس ہو شوہر کا
خود آنکھ چراتے ہوں سب اہل قرابت بھی

پڑنے کا تصور تک اک بار نہ ہو دل پر
اس نام کے آتے ہی تغیر ہو حالت بھی

زیبا ہی فقط ایسی خوش باشوں کو ای فرحت
فیشن میں نکھرنا بھی فیشن کی قیادت بھی

فرخ

نواب فرخندہ یار جنگ بہادر ——— حیدرآباد کے قدیم امیر گھرانے سے ہیں شعر بھی خوب کہتے ہیں،

تیغ ہے تیغ ادا ابروئے خمدار نہیں
ایک تلوار سی تلوار ہے تلوار نہیں

سادگی یہ ہے کہ سر سینکڑوں کے اڑتے ہیں
تیر ترکش میں نہیں میان میں تلوار نہیں

روز فرقت ہے شب غم ہے غم الفت ہے
کوئی مونس نہیں ہمدم نہیں غمخوار نہیں

فروغ

عبدالولی فاروقی ——— حیدرآباد کے رہنے والے اور اچھے شاعر ہیں۔

نہ میر البخت بد چمکا نہ بگڑی غیر کی قسمت
فلک نے سینکڑوں نقشے بنائے بھی بگاڑے بھی

تم نہ الٹو نقاب چہرے سے
دل الٹ جائیگا زمانے کا

تنکے اڑ اڑ کے دے رہے ہیں مجھے
کچھ پتہ میرے آشیانے کا

اے بے نیاز جس کو جو چاہا بنا دیا
دینے پہ تو جو آئے تو تیرے ہزار ہاتھ

فروغ

سید محمد علی ——— رامپور کے باشندے اور مدت سے حیدرآباد میں کسی مدرسہ کے مدرس ہیں۔ شعر بھی خوب کہتے ہیں۔

کیا قیامت ہے کہ دل جینے سے بیزار بھی ہے
اور کبھی مائل لطف نگہ یار بھی ہے

دل مرا آنکھ تیری دونوں ہیں الفت ہی بہم
کہ جہاں چشم مسیحا وہیں بیمار بھی ہے

یہی دل ہی جو ہے سرمایہ عالم کا مآل
صاحب راز بھی ہے کاشف اسرار بھی ہے

فضا

قاضی محمد غوث ——— گہن پورے کے قاضی زادے ہیں، سرور آنجہانی کے کلام کا ایک مجموعہ بھی شائع کیا ہے، کوآپریٹیو کے انسپکٹر ہیں۔ شعر بھی خوب

کہتے ہیں،

آہ! یہ برسات پھر یہ سبزہ زار | رت نئی موسم نیا تازہ بہار
پیلے پیلے پھول پتے سبز سبز | رنگ ریبوں میں عروساں بہار
کالی کالی ہیں گھٹائیں چرخ پر | سبزہ زار باغ میں لطف خیار
دیکھ کر سبزے کی کیفیت شفا | چھا گیا ہے اپنی آنکھوں میں خمار

فضل

محمد عبدالمقتدر ——— حیدرآباد کے قدیم مشائخ گھرانے کے عالم و فاضل بزرگ ہیں، جامعہ عثمانیہ کے پروفیسر تھے اب وظیفہ لے لیا ہے، شعر بھی خوب کہتے ہیں، خصوصاً نعت،

دیدار یار اٹھے پھر اپنا کام ہے | نعت حبیب پاک ہمارا کلام ہے
دیر و حرم میں کیا ہے کہو شیخ و برہمن | اپنے ہی دل میں دیر ہی بیت الحرام ہے
آراستہ ہے خلد جہنم ہے آج سرد | آتا ہے کون آج یہ کیا انتظام ہے
کسکی امید میں ہیں کھڑے سب گناہگار | عرش بریں کے پاس یہ کسکا مقام ہے

فقیر

حکیم فقیر احمد ——— حیدرآباد کے رہنے والے مدرسہ طبیہ کے فارغ التحصیل محکمہ نظامت تنظیم جمعیت سرکار عالی میں ملازم اور شعر بھی خوب کہتے ہیں، اُستاد ظہیر کے شاگرد ہیں اُستاد نے آپ کو "طوطی ظہیر" خطاب دیا تھا مسدس بھی کرتے ہیں

کروں ہی عرض تمنا تو اِنسے خاک کروں | ذرا سی بات پہ رہتے ہیں خشمگیں برسوں
پیوستہ انکی تن سے بقا ہی بقا سے ہم | لپٹی ہوئی قدم سے حنا ہی حنا سے ہم
کیوں درد میں ہو فکر ہمیں دفع درد کی | مانوس جب دوا سے شفا ہی شفا سے ہم
ہی عجب حال جنوں میں تیرے سودائی کا | جادہ کا خوف نہ خطرہ اسے رسوائی کا

فوق

نواب میر ورّ علی خاں ـــــــ نواب مکرم الدولہ بہادر کے برادر زادے اور نواب میر حسین علی خاں فائق کے فرزند ہیں، صاحبزادے اور مدرسۂ عالیہ کے طالب العلم رہ چکے ہیں، ۱۳۱۳ف میں سرکار عالی میں کار آموز مقرر کئے گئے ۱۳۱۴ف میں جہاندار النساء بیگم صاحبہ محل نواب سرو قار الامراء کی جاگیرات کے مددگار مقرر ہوئے، ۱۳۲۱ف میں پولیس ٹریننگ اسکول کامیاب کیا اور حسب فرمان خسروی ابتداً کو توالی بلدہ میں اور پھر کو توالی اضلاع میں کام کرتے رہے، اور پھر وظیفہ لیکر خدمت سے سبکدوش ہو گئے۔ طبیعت اچھی پائی ہے شعر خوب کہتے ہیں، تاریخگوئی میں ید طولی حاصل ہے، بعض مادہائے تاریخی نقل کئے جاتے ہیں،

حضرت غفران مکاں دہلی کو تشریف لیجا کر مراجعت فرما ہوئے تو کہا،

"سنا دہلی سے حضور آتے ہیں"
۱۳۲۰ھ

نواب سالار جنگ بہادر کی دیوانی کی تاریخ کہی،

"نامور یوسف علیخاں آج دیوان ہو گئے"
۱۳۳۴ھ

اپنی پھوپی ساس کی شادی کی تاریخ کہی

"شکر خالق آج شہزادی کا جلوہ ہو گیا"
۱۳۳۱ھ

خود اپنا تبادلہ ورنگل پر ہوا تو کہا۔

"در علیخاں آج ورنگل چلا گئے"
۱۳۳۹ھ

نواب عنایت جنگ کو فرزند پیدا ہوا تو کہا،

"عنایت تم کو اک لڑکا ہوا رب کی عنایت ہے"
۱۳۳۶ھ

رزیڈنسی کے واپسی کی تاریخ کہی ہے۔

"ہیں خوش ہم آج شہ کو یہ رزیڈنسی مبارک ہو"
۱۳۵۲ھ

حضرت ولیعہد بہادر کمانڈر انچیف مقرر ہوئے تو کہا۔

"شہ نے اعظم کو کیا سردار فوج"
۱۳۵۳ھ

مرثیہ بھی بڑا اچھا کہتے ہیں،

در فردوس بریں کو در جاناں سمجھا — کوچۂ یار کو میں روضۂ رضواں سمجھا
پھٹی صبح کی جس وقت شب وصلت میں — کسی دیوانے کا میں چاک گریباں سمجھا
آکے کعبے میں صنم نے دیا دھوکا مجھکو — ان کو میں سیدھا مسلمان مسلماں سمجھا
سیر کو جاؤ گے بازار تو بک جاؤ گے — کیا کرو گے جو کوئی یوسف کنعاں سمجھا

سنتا ہوں فوق سے بوجہ وہ ڈھیٹ ہوئے ہیں   اپنے معشوق کو حل دو غیاں سمجھا

نسیم

سید غلام دستگیر ——— دکن کے شرفا سے ہیں، آجکل شاید صوبہ اورنگ آباد میں بسلسلۂ ملازمت مقیم ہیں شعر بھی اچھے کہتے ہیں،

جسے آپ کہتے ہیں دنیائے فانی   مرے درد و اندوہ کی ہے کہانی
ابھی ایک جنبش سے ہوں لاکھوں بسمل   کوئی تیغ ابرو کی دیکھے روانی
قراں مشتری کا زحل سے ہوا ہے   رقیب سیہ رو ہوا یار جانی
ذرا اپنی آنکھوں سے تم دیکھ جاؤ   میری ناتوانی میری نیم جانی

فیاض

ابو الفیض ——— حیدرآباد کے شرفا سے ہیں حضرت کیفی سے تلمذ تھا شعر خوب کہتے ہیں آپ کی ایک مثنوی عقد بیوگان کے متعلق بہت مقبول ہوئی۔

رشک فردوس ہے بے شبہ دیار یثرب   ہے نہیں جسکو خزاں وہ ہے بہار یثرب
یاں کی ایذا میں بھی ہے درد محبت کا مزا   پھول کیا ہونگے جو ہوں پھول سے خار یثرب
کوئی میری طرف نہیں مائل   ہائے میں مستم نہیں کوئی قاتل
مجھ سے لوگوں کو کیوں یہ نفرت ہے   یہی آئین آدمیت ہے
کچھ بھی میرا نہیں لحاظ و پاس   میرے غم کا نہیں کسی کو احساس

فیاضؔ

فیاض علی ——— طب یونانی سے واقف اور نظامی سلسلہ میں بیعت ہیں۔ شعر بھی خوب کہتے ہیں؛

دیکھا ہے جب سے روئے منور نقاب میں ۔۔۔ پاتا ہوں اپنی جان تمنا عذاب میں

افسانہ بن گئیں تری محشر خرامیاں ۔۔۔ اک وہم پڑ گیا ہے قیامت کے باب میں

فیضیؔ

محمد اشرف الدین ——— دکن کے قدیم شرفا سے اور دھارور کے باشندے ہیں ۱۳۲۵ھ میں پیدا ہوئے، حیدرآباد میں تعلیم و تربیت پائی، شعر گوئی کا شوق ہوا تو اخلاق پہلو اختیار کیا گلشن اخلاق کے نام سے نظموں کا ایک مجموعہ بھی مرتب کیا ہے، کسی مدرسہ کے معلم ہیں؛

اک دن اک چھوٹا سا لڑکا ۔۔۔ سیر کی خاطر باغ میں پہونچا

رنگا رنگی پھول کھلے تھے ۔۔۔ فوارے بھی چھوٹ رہے تھے

سبزے کا اک فرش بچھا تھا ۔۔۔ لگا ٹہلنے اس پر لڑکا

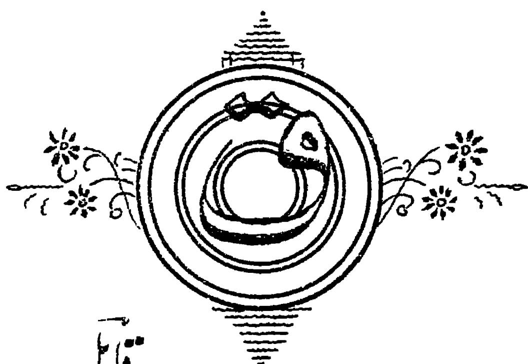
ننھی سی اک حسین ہستی ۔۔۔ اسکے آگے سے جب گزری

لڑکا لپکا تو یہ دیکھا ۔۔۔ معمولی سا ہے اک ٹڈا

ٹڈے دیکھے تھے پہلے بھی ۔۔۔ جنگلی صورت تھی بھونڈی سی

تھی مگر اس کی شان نرالی ۔۔۔ سر تا پا تھا شوخ سنہری

رنگین دھبے بازو پر تھے ۔۔۔ نیم دلکش اور نازک تر تھے



قابل

بھروں پرشاد ــــــ حیدرآباد کے کایستھ خاندان کے بزرگ اور تائب لکھنوی کے شاگرد تھے شعر خوب کہتے تھے سنہ وفات معلوم نہ ہوسکا،

ارے کمبخت دل او بے وفا دل — انہیں سے جاکے تو بھی مل گیا دل
حقیقت عشق کی کھلجائے ساری — جو آجائے کسی پر آپ کا دل
میرا دل لیکے شوخی سے وہ بولا — نیا ہر روز ایسا دے خدا دل
سنا ہے جب سے قابل مژدۂ وصل — مثالِ گُل شگفتہ ہو گیا دل

قادر

سید قادر حسین ــــــ حیدرآباد کے رہنے والے اور اُستاد داغ کے شاگرد تھے ۱۳۵۱ھ میں انتقال کیا، شعر خوب کہتے تھے،

لالہ ہوا گلاب ہوا نسترن ہوا — اک ایک داغ رشکِ بہارِ چمن ہوا
غیروں سے نوک جھوک ہے اپنوں سے چھیڑ چھاڑ — کب تو کسی کا اے بتِ پیماں شکن ہوا

رہ رہ کے دے رہا ہے محبت میں گردشیں دشمن نصیب سے مرا چرخ کہن ہوا
گرد ملال و یاس میں لپٹی ہوئی ہے لاش ہم بے کسوں کو ایسا میسر کفن ہوا

قاسم

سید محمد قاسم غزنوی ـــــــ مسلم یونیورسٹی کے ایل ایل۔بی ہیں، حیدرآباد ہی میں رہتے ہیں، شعر بھی خوب کہتے ہیں،

حیات چند روزہ لیکے تو گلشن میں آئی ہے
دکھانے کیلئے دنیا کو شاید راز ہستی کا بتانے کیلئے میکش کو انجام اسکی مستی کا
عروس موسم گل بنکے تو مدفن میں آئی ہے
ترا ہر غنچہ تھا اک راز سربستہ تباہی کا
ترے ہر پھول میں پنہاں تھی عالم کی پریشانی لباس رنگ و بو میں بھی ترے مضمر تھی عریانی
ترا ہر پتہ اک دفتر تھا قسمت کی سیاہی کا

قاصد

محمد یحییٰ ـــــــ حیدرآباد کے رہنے والے مولوی فاضل، منشی فاضل، اور دار العلوم کے قدیم فارغ التحصیل، سرکار عالی کے منصف عدالت اور بڑے اچھے شاعر ہیں، عربی اور فارسی زبان میں بھی شعر کہتے ہیں۔

پانی آئینہ بنے عکس کف پا سے ترے جلوۂ رخ سے ترے آئینہ پانی ہو جائے
سادگی ہے جو لڑکپن میں جوانی میں کہاں صدقے اس تیرے لڑکپن پہ جوانی ہو جائے

اچھی تصویر سے ہوتا ہے مصوّر مشہور تیری تصویر جو کھینچے وہی مانی ہو جائے

قاضی

خواجہ حفیظ الدین قادری ——— حیدرآباد کے رہنے والے اور فرسٹ لانسرز کے قاضی ہیں، مفید سے تلمذ ہے شعر خوب کہتے ہیں،

جس پر ہو لطف تیرا کیا پوچھنا ہے اسکا جس پر تیرا کرم ہو وہ کیا خراب ہوگا

ہم گئے حشر میں سوئے کوثر ہوس ساغر و سبو نہ گئی

نہیں مٹی کا پتلا آدمی آفت کا پتلا ہے فرشتے سے نہیں ہوتا جو کچھ ہوتا ہے انساں سے

قتیل

محبوب علی ——— حیدرآباد کے رہنے والے اور اچھے شاعر ہیں، رسالہ "تاج" میں اکثر آپ کا کلام طبع ہوتا تھا،

تو آیا نظر جلوۂ رب دیکھ لیا جو کچھ مجھے دیکھنا تھا سب دیکھ لیا

بن کر مہ عین اپنی آنکھوں سے آج میں نے تجھے یا شاہِ عرب دیکھ لیا

قادر

سید یحییٰ حسینی ——— حیدرآباد کے سادات و مشائخین کے گھرانے سے ہیں شعر بہی خوب کہتے ہیں،

وقتِ کلام جب کہ وہ غنچہ دہن ہوا ہر گل سراپا گوش میانِ چمن ہوا

ہستی کا چاک وقتِ جنوں پیراہن ہوا دامانِ دشت اہلِ دل اپنا کفن ہوا

بعد فنا ہی بخت زلیخا کو دیکھیے — کہتے ہیں لوگ دامن یوسف کفن ہوا
کچھ راز فتنہ گر تیرے ہنسنے میں ہی ضرور — کیا بات یاد آئی ہے کیوں خندہ زن ہوا

قدرت

نواب قدرت نواز جنگ بہادر —— نواب جہانگیر جنگ بہادر کے صاحبزادے اور دکن کے قدیم امیر گھرانے سے ہیں، والا شان ہز ہائینس پرنس آف برار حضرت ولیعہد بہادر دام اقبالہ کے ماموں ہیں، نہایت خلیق، ملنسار، رحمدل اور نفاست پسند امیر ہیں، نظامت نظم جمعیت کے عہدے اور آبائی جاگیر و منصب سے سرفراز ہیں شعر بھی خوب کہتے ہیں طبیعت نہایت اچھی پائی ہے،

ادا غنچہ کی ہے خونریز جوڑا سرخ ہی گل کا — ہیلے ہے چمن میں آج سامان قتل بلبل کا
خدا کیواسطے چُن چُن کے کلیاں سوسم گل ہیں — نہ لے سر اپنے اے گلچیں تو ناحق خون بلبل کا
جان عالم تجھ پہ شیدا دیکھ کر — مجھ سے عالم کو عداوت ہو گئی
مشق ادا جو کرتے ہو آئینہ دیکھ کر — تم کو بتائے گا یہ ستمگار آئینہ
قدرت کسی کے روئے منور کو دیکھکر — حیران کھڑا ہے صورت دیوار آئینہ
خدا کرے کبھی آنکھوں میں شکل غم نہ پھرے — پھر زمانہ مگر ہم سے وہ صنم نہ پھرے
بتوں کے عشق نے پکڑا اچھا سطح دامن — کہ دیر سے کبھی ہم جانب حرم نہ پھرے

قدرت

سید نور الرسول —— حیدرآباد کے رہنے والے اور اچھے شاعر ہیں،

فاش ہو جائے نہ یہ راز محبت ظالم　　میری رسوائی سے ڈر ہے تری رسوائی کا

قطب یار جنگ

قطب الدین احمد ـــــــ قطب یار جنگ مرحوم، یو پی کے ایک شریف گھرانے سے علیگڈھ کے قدیم طالب العلم اور بی، اے تھے، ابتداً حیدرآباد آکر فوج میں ملازم ہوئے پھر محکمۂ مال میں اول تعلقدار ہو گئے۔ شکار کے بڑے ماہر تھے اس فن پر آپ کی ایک کتاب بھی طبع ہوئی ہے جو اُردو زبان میں فنِ شکار پر پہلی تصنیف ہے، نہایت زندہ دل اور نیک طینت بزرگ تھے شعر بھی خوب کہتے تھے زمانہ طالب علمی میں ایک مسدس سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ کے حالات پر لکھی تھی جسے پسند فرما کر مولینا حالی نے آپ کو انعام دیا تھا یہ مثنوی طبع ہو گئی ہے جس کے شعر نقل کئے جاتے ہیں، بصارت کی خرابی کی وجہ سے آپ نے وظیفہ لے لیا تھا چار ایک سال ہوئے کہ حیدرآباد میں انتقال کیا، دکن کو وطن بنا لیا تھا، آپ کا خاندان یہیں ہے،

خدا کے لئے دورِ چرخِ ستمگر　　اسیری غم سے کر آزاد دم بھر
کہانتک کریگا جفا بے کسوں پر　　کوئی ظلم کی حد بھی اے کینہ پرور
رکھے گا ہمیں زار و ناشاد تا کے
کریگا اُمنگوں کو برباد تا کے
بہت رو چکے اب رُلائیگا کب تک　　کیا تلخ عیش اب ستائیگا کبتک

جفا جو تبا دل دکھائے گا کبتک ہوئے خاک یکسر جلائیگا کبتک
بدل یہ روش دلمیں خوف خدا کر
گھڑی بھر کو بند الم سے رہا کر

قمر

سید ابراہیم ــــــ سید زین العابدین کے فرزند ہیں بہمن ۱۳۰۷ف میں حیدرآباد میں تولد ہوئے، فرقۂ مہدویہ کے پیرزادے ہیں جلال الدین توفیق سے تلمذ تھا، نظامت کوتوالی اضلاع میں ملازم ہیں شعر بھی خوب کہتے ہیں،

دیکھنے والے پہ اس نے عام جلوہ کر دیا چشم مجنوں کیلئے ہر شئے کو لیلی کر دیا
بھلے کو میں رہا بیہوش میخانہ میں دنیا کے ہوئیں نازل بلائیں ورنہ ہر ہشیار پر کیا کیا
پرے باندھے ہوئے ہر سمت انکے چاہنے والے کوئی کہتا ہے رخ اچھا کوئی کہتا ہے خال اچھا
رفتار سے کھلائے ہوئے گل جہاں چلے رستے کو وہ بنائے ہوئے گلستاں چلے

قمر

سید منجو ــــــ حیدرآباد کے رہنے والے اور پیرزادے ہیں تھیٹریکل ڈرامے بھی خوب لکھتے ہیں کئی ایک ڈرامے اسٹیج بھی ہو چکے ہیں، شعر بھی اچھے کہتے ہیں،

محبت ہے ضیا تاریکی شب دور کرتی ہے ازل کا نور ہی سارا جہاں پرنور کرتی ہے
محبت ہے نسیم صبح دل مسرور کرتی ہے محبت ہی جہان سے رنج کو کافور کرتی ہے
پر پرواز کو اڑنے سے بھی معذور کرتی ہے غرض ہر طرح سے مختار کو مجبور کرتی ہے

فضائے نور بنتی ہے زمین معمور کرتی ہے　　یہی قانونِ قدرت ہے منور طور کرتی ہے

قمر

عبدالحمید خاں —— ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ ۱۹۲۵ء کو قلعہ گولکنڈہ حیدرآباد تولد ہوئے، یہیں تعلیم و تربیت پائی، بچپن ہی سے شعر و سخن کا ذوق ہے،

تماشا دو عالم اک نمونہ ہے قیامت کا　　کہیں آبادیاں دیکھیں کہیں بربادیاں دیکھیں

شعر کیا دل کی ترجمانی ہے　　بس یہی راز زندگانی ہے

جدا سارے عالم سے ہوا سے قمر تو　　نرالی طبیعت کا انسان نکلا

قمر

کاظم حسین —— حیدرآباد کے متوطن اور مدرسۂ سلطان بازار کے مدرس ہیں شعر بھی خوب کہتے ہیں

پھر وہ وفا بھی کرتے ہیں جور و جفا کے بعد　　آئے ہیں نعش پر وہ ہماری قضا کے بعد

جدت پسند یار ملا ہے زہے نصیب　　کرتا ہے مجھ پہ ظلم نیا ہر جفا کے بعد

مہندی لگی ہے ہاتھوں میں یارب ہو دل کی خیر　　کس کس کا خون ہوتا ہے دیکھیں حنا کے بعد

قمر

سید قمر حسن —— یو، پی کے باشندے اور علیگڈھ کے ایم۔ اے، ال ال، بی ہیں، حیدرآباد میں وکالت کرتے ہیں بڑے اچھے شاعر ہیں

لالۂ داغدار کی صورت　　ہے خزاں میں بہار کی صورت

آمدِ یار ہے بہار کے ساتھ — نغمہ زن ہوں ہزار کی صورت
اس کی آنکھوں کو دیکھتا ہوں میں — دیکھی ہے خمار کی صورت
اُٹھ رہی ہے نقاب چہرے سے — کھنچ رہی ہے بہار کی صورت

قوی

محمد عبید الحق ——— حیدرآباد کے رہنے والے ہیں شعر بھی اچھے کہتے ہیں،

میں جو آمادہ ہوں خود جان سے جانے کیلئے — اب وہ تیار نہیں مجھکو ستانے کے لئے
ہم ادھر ضعف سے مجبور ادھر یار خفا — کاش یہ جان چلی جائے منانے کیلئے
دیکھ عشاق کی یہ شان الوالعزمی ہے — موت آئی ترے کوچے سے اُٹھانے کیلئے
میں وہ ہوں وضع کا پابند زمانہ میں قوی — جسنے سر پر کبھی احسان نہ زمانے کے لئے

قیس

خواجہ بدیع اللہ ——— حیدرآباد کے رہنے والے ہیں مہاراجہ بہادر کے مشاعروں میں ہمیشہ شرکت کرتے ہیں، بڑے اچھے شاعر ہیں،

میں اگر چاہوں تو ہو جائیگا مشکل سہل کام — تم اگر چاہو تو سب کچھ سہل ہے مشکل نہیں
چلتے پھرتے ہیں تصور میں وہ میرے رات دن — انکے میرے درمیاں پردہ کوئی حائل نہیں
آرزو حسرت تمنا یاس کا ہے جمگھٹا — یہ تو سب کچھ ہے مگر پہلو میں میرے دل نہیں

کس طرح ملتی سخن کی داد اہلِ بزم سے
قیس صاحب ناقصوں میں بھی تو تم کامل نہیں

قیصر

سید ابوالحسن ـــــــ ٹیکمال کے مشائخ اور دکن کے شرفا سے ہیں، صدارت العالیہ (مذہبی) کے مددگار اور بڑے کہنہ مشق شاعر نہایت زندہ دل و نجان مرنج بزرگ ہیں،

جو تم کو چاہے وہ رسوا ضرور ہوتا ہے
مآلِ عشق کا فوراً ظہور ہوتا ہے

نظر میں پھرتی ہے اک کوندتی ہوئی بجلی
جو بیقرار دلِ ناصبور ہوتا ہے

قصور پر بھی کسی کو معاف کرتے ہیں
کوئی شہیدِ جفا بے قصور ہوتا ہے

وہ تم ہو جو نہیں کرتے کبھی قصور معاف
وہ میں ہوں جس سے ہمیشہ قصور ہوتا ہے

قیصر

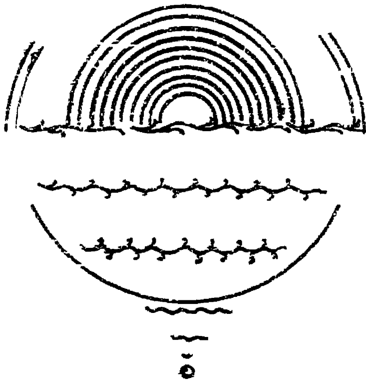
میر قیصر علی ـــــــ حیدرآباد کے رہنے والے اور اچھے شاعر ہیں نوحہ مرثیہ اور سلام وغیرہ خوب کہتے ہیں،

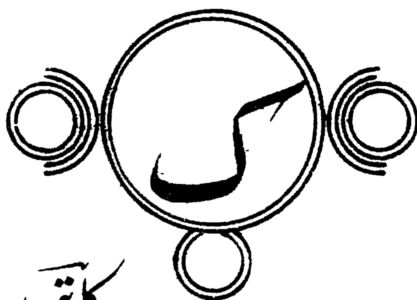
لاشِ اصغر یہ یہی کہتی تھی ماں بیٹھ کے سرپیٹے بے شیر پسر!
تو تو دنیا سے گیا ماں کو بنایا مضطر! میرے بے شیر پسر!
تو نہ دنیا میں جیا، ستم اعدا نے کیا
میرے بے شیر پسر
تجھکو پانی نہ دیا خون گردن پہ لیا

قیصر

محمد علیخاں ـــــ حیدرآباد کے رہنے والے بلدیہ (منیوسپلٹی) کے صیغہ دار ہیں اور شعر بھی اچھے کہتے ہیں۔

پھر گیا جی میرا زندگانی سے	موت بہتر ہے زندگانی سے
رہے ثابت قدم محبت میں	دل کو کیا کام بدگمانی سے
ختم ہوتی ہیں جب جفائیں تمام	پیش آتے ہیں مہربانی سے
لاغری آہ مریض فرقت کی	تار بستر ہے ناتوانی سے





کاتب

محمد عبدالرحیم صدیقی ــــــــ اورنگ آباد کے متوطن اور حضرت امیر مینائی کے شاگرد تھے کوتوالی اضلاع میں ملازم رہ کر وظیفہ حسنِ خدمت لیا تھا۔ بڑے اچھے شاعر تھے خصوصاً نعت خوب کہتے تھے۔ ۲۷ رمضان ۱۳۵۰ھ کو انتقال کیا۔

سمجھے یہ سب خدا سے جو خیرالوریٰ ملے
دو حصے ایک نور کے آپس میں جا ملے

رسول اللہ کی مدحت میں اکثر دیکھتا ہوں میں
عقیدت سے جھکائے سر کو چلتا ہے قلم میرا

پیری میں کیا بتائیں کہ کیا تھا شباب میں
اب یاد ہی نہیں ہے جو دیکھا تھا خواب میں

پنہاں ہے انکی یوں رخِ روشن نقاب میں
گویا کہ برق کوندرہی ہے سحاب میں

پیری کا جوانی پہ میری سایہ ہے
مشکل سے جو ہاتھ آیا وہ سرمایہ ہے

کیوں دل سے عزیز اسکو نہ رکھے کاتب
کی نذر جوانی تو اسے پایا ہے

کل قدسیوں نے کعبۂ مقصود بنایا
احمد کے جس جگہ پہ انہیں نقشِ پا ملے

کاظمؔ

نواب کاظم علیخاں بی اے ـــــ نواب حسام الدولہ شوکت جنگ بہادر کے فرزند روشن خیال، متین، سنجیدہ امیر اور شاعر ہیں آجکل دوم تعلقدار ہیں۔

سلام

سر شاہ تن سے جدا ہو رہا ہے — یا بار امانت ادا ہو رہا ہے
چلی ہے کھلے سر شہِ دیں کی عزت — تماشائے آلِ عبا ہو رہا ہے
علی کو نصیری خدا کہہ رہے ہیں — خدایا یہ بندہ خدا ہو رہا ہے
رفیقانِ تشنہ کو ہے مرنے کی جلدی — کہ آج امتحانِ وفا ہو رہا ہے

کلیمؔ

انیس احمد ـــــ حضرت جلیل کے فرزند ہیں آجکل صوبہ اورنگ آباد میں دوم تعلقدار ہیں شعر اچھے کہتے ہیں۔

رنگِ حنا نہ ہے گا نہ خونِ خطا کے بعد — ملتے رہیں گے ہاتھ وہ جور و جفا کے بعد
آنکھیں ملا کے تیز نگاہیں ہیں کس لئے — بیمار غم کو زہر نہ دو تم دوا کے بعد
ساقی کے رخ پہ زلف بکھر کر یہ کہہ گئی — ہے لطف میکشی کا چمن میں گھٹا کے بعد

کمالؔ

محمد کمال الدین ـــــ حیدر آباد کے شرفا اور قدما سے تھے سرکار عالی میں تحصیلدار رہ کر وظیفۂ حسن خدمت لیا پھر پائیگاہ سر آسمان جاہ میں رکن ہو گئے

۱۳۵۳ھ میں انتقال کیا، سراج الدین طالب مرحوم آپ ہی کے فرزند تھے، شعر بھی خوب کہتے تھے۔

ہو لئے ہیں شگفتہ اور مرجھاتے ہیں | شادی و غمی دونوں کام آتے ہیں
پھولوں سے ملا ہے رنج و راحت کا سبق | اک رنگ پہ دہر کو نہیں پاتے ہیں

کمتر

حیدرآباد کے اچھے شعرا میں سے ہیں اکثر مشاعروں میں شرکت کرتی ہیں

دیدنی کیوں نہ ہو قاتل کا سیر مشق ستم | جو نہ دیکھا ہو کبھی جسم کا بے جان ہونا
قتل کے بعد بھی ہو جسے وفا کی امید | نہیں آتا مرے قاتل کو پشیماں ہونا

کیفی

سید رضی الدین حسن ——— مولوی نظام الدین مہاجر مرحوم کے فرزند تھے ۱۲۹۷ھ میں حیدرآباد ہی میں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم و تربیت پائی، ابتداءً مبکش تھانوی اور پھر استاد داغ کے شاگرد ہوئے آخر عمر میں دارالترجمہ کے مصحح مقرر ہوئے تھے، ۱۳۳۸ھ میں اجمیر شریف گئے اور وہیں انتقال کیا حیدرآباد کے بہترین شعرا میں تھے۔ غزل بڑی اچھی کہتے تھے آپ کی غزلوں اور نظموں کے کئی ایک مجموعے شائع ہو چکے ہیں حیدرآباد میں آپ کے شاگردوں کی تعداد بڑی خاصی ہے جن میں حکیم محمود علی صفی اورنگ آبادی، عبدالطاہر طاہر، تراب علیخاں باز، فیاض، امید وغیرہ خاصے مشہور ہیں۔

دیارِ الفت کے رہنے والوں کا حال کیا پوچھتے ہو ہم سے
کسی کو خانہ بدوش پایا کسی کو خانہ خراب پایا

زمانہ ناموافق دوست دشمن یار بیگانے
نہیں معلوم کیسا پھیر ہے اپنے ستاروں کا

اتنی سی بات کیلئے یہ دار و گیر کیوں
میں کیا مرے گناہ کا یارب شمار کیا

خفا ہونا بگڑنا روٹھنا انجان ہو جانا
تری ان ٹیڑھی باتوں کو ہمی نے بانکپن پایا

کب کسی چاہنے والے کی خبر لی تو نے
اپنی زلفوں کے سوا کسکو پریشاں سمجھا

یہ عجب حسن کا منشا کہ آنکھ ادھر نہ اٹھے
یہ شوخیوں کا تقاضا کہ دیکھنا ہوگا

گیا وہ وقت کہ روتے تھے آٹھ آٹھ آنسو
اور اب تو ہوش بھی دو دو پہر نہیں آتا

حسن کیا حسن پسِ پردہ جو مستور رہا
عشق کیا عشق جو بازار میں رسوا نہ رہا

رہتی کوئی دن اور تمنائے عیادت
اے کاش علاج دلِ بیمار نہ ہوتا

خواہش نہ رہے دل میں سفید اور سیہ کی
اے مانگنے والے یہ دعا شام و سحر مانگ

حور کا وصف بجا حضرت زاہد لیکن
ایسی باتوں سے دماغوں میں فتور آتی ہیں

رقیب کیوں مری ذلت کی فکر کرتے ہیں
ذلیل ہونے میں کچھ مجھکو عار ہی تو نہیں

نکالا تھی ہے وحشت شہر میں لایا مجھکو بیاباں سے
یہ کس کو گھیر کر لائے کہ مقتل میں رہ گزاروں میں

مٹے والے تیری اس اندازِ بخشش کے نثار
جسکے ہیں لائق تھا وہ لکھ دیا تقدیر میں

ہزاروں یا ہم گھر سے نکل آتے ہیں یوں باہر
نکلتا ہو کوئی جیسے کسی کے خیر مقدم میں

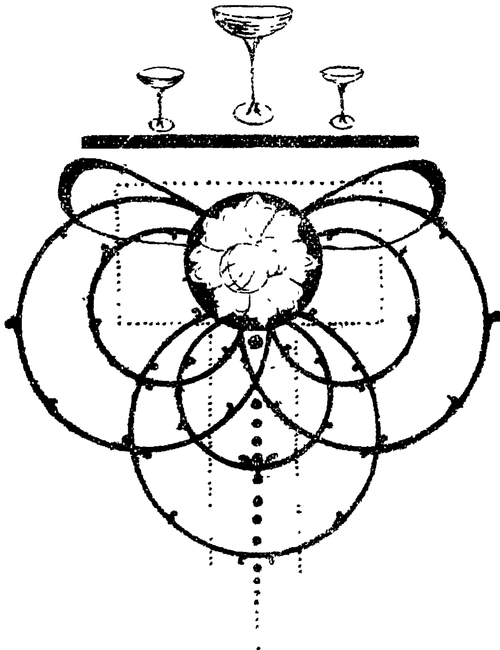
انگلیاں مجھپہ اگر اٹھتی ہیں اٹھنے دیجے
لوگ شاکی ہیں تو ہوں آپ تو ناراض نہیں

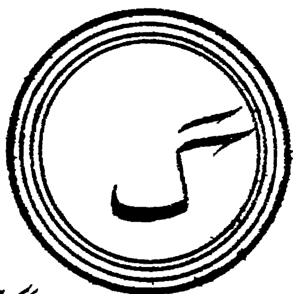
کوئی ٹوٹی ہوئی شے ہو ہم اپنا دل سمجھتے ہیں ۔۔۔ چمن کا پھول پیمانہ کا شیشہ چرخ کا تارا

طبیعت جب کسی پر آئی ہے بے اختیار آئی ۔۔۔ دل آیا ہے ہمارا جب کسی پر ٹوٹ کر آیا

بستر پہ لوٹتے ہیں جگہ چھوڑ چھوڑ کر ۔۔۔ جیسے کہ سونے والا ہے کوئی ہمارے ساتھ

ڈر اشک ندامت کا نکلتا ہوں اپنے دامن پر ۔۔۔ مجھے منظور ہے محشر کے میلے کی جو طیاری





گل

عبدالکریم ـــــــ حیدرآباد کے قدیم اور مشہور شاعر حضرت ظہیر کے شاگرد رشید تھے، دو تین سال ہوئے کہ انتقال کیا،

ایک نیرنگ ہے عالم مری تنہائی کا　　لطف ملتا ہے مجھے انجمن آرائی کا

گرامی

مصطفیٰ علی اکبر ـــــــ حیدرآباد ہی میں تولد ہوئے، جامعہ عثمانیہ کے طالب علم ہیں، شعر بھی خوب کہتے ہیں۔

رات پھر آگئی رلانے کو　　میرا قصہ مجھے سنانے کو

چاند تارے مجھے جگائیں گے　　اور وہ ہیں کہ یاد آئیں گے

وہ نگاہوں سے مسکرائیں گے　　برق سی شئے کوئی گرائیں گے

میری جانب بغور دیکھیں گے　　پھول جیسے وہ تیر پھیکیں گے

گلشن

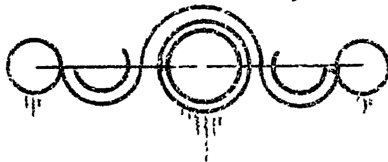
سید محی الدین حسینی القادری ——— حیدرآباد کے رہنے والے اور اچھے شاعر ہیں۔

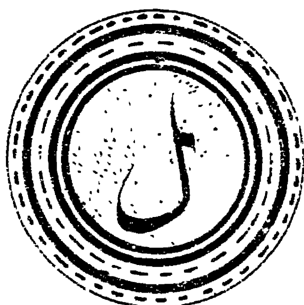
روح مجنوں کی زیارت کیلئے آتی ہے | بنگئی حسرت لیلی کی جو تربت دلمیں
دیر کہتے ہیں جسے نام ہے کعبہ اسکا | پہلے تعمیر ہوئی اسکی عمارت دلمیں
گوشۂ تنگ کبھی خانۂ دل کو نہ سمجھ | کہ فزوں کون ومکاں سے ہی وسعت دلمیں

گہر

فیض اللہ خاں ——— حیدرآباد کے قدیم شرفا سے ہیں نظم جمعیت کے کمیدان ہیں، ایک شاہنامۂ دکن منظوم شائع کیا ہی جو بڑی اچھی چیز ہے تقریباً انشی سال کی عمر ہے، بڑے اچھے شاعر ہیں۔

نقاب یار سے پیدا جو نور ہوتا ہے | وہی چمک کے تجلی طور ہوتا ہے
مآل کار محبت بخیر ہے لیکن | ضرر تو جان کا اسمیں ضرور ہوتا ہے
جو پوچھا کچھ دل پژمردہ کی خبر تو کہا | سمجھتے ہیں جنہیں کشف القبور ہوتا ہے
فدا ہوں دلسے میں آنکھوں پہ اپنی آپ گہر | کہ اسمیں جلوہ نما اسکا نور ہوتا ہے





لبیب

مرزا انتظام شاہ ـــــــ تیموری گھرانے کے بزرگ ہیں مدت تک افادہ کے نام سے ایک معیاری رسالہ نکالتے رہے نہایت منکسر المزاج پاک طینت زندہ دل شاعر ہیں شعر خوب کہتے ہیں دفتر جمعیۃ میں ملازم ہیں۔

تو جانے کیا خواب تھا جو دیکھا بدیدۂ نیم خواب تو نے
کہ چونکتے ہی کھلیں جو آنکھیں تو ڈالدی جھٹ نقاب تو نے

نہ گدگدا اور ولولوں کو نہ چھیڑ سوتی ہوئی حسوں کو
کہ سارے عالم میں ڈالدی ہے خلش پیچ و تاب تو نے

شباب تو فیض بخش عالم ہے جاگتی ہوتی جسم و جاں کو
کہ حسن کو دلکشی عطا کی تو عشق کو اضطراب تو نے

عشق کے ادب سے ہی یار کی رضا جوئی — اپنا مدعا مت کہہ اسکا مدعا مت پوچھ
وہ جفا کئے جائیں کام ہے وفا اپنا — جان دے اشارہ پر اس سے خوں بہا مت پوچھ

لطفی

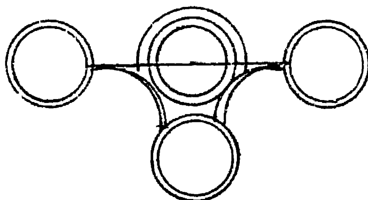
عباس حسین ـــــــ گلبرگہ شریف کے متوطن اور جامعۂ عثمانیہ کی طیلسانی کسی مدرسہ کے مدرس ہیں، شعر بھی خوب کہتے ہیں،

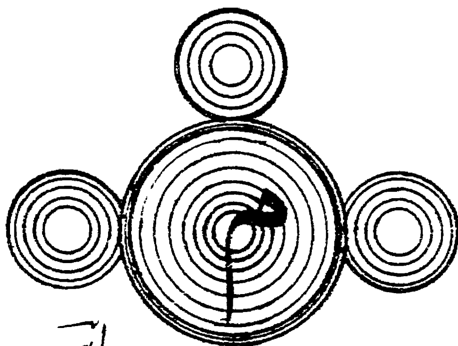
دل لیا اسنے مرا ناز و ادا سے پہلے | مرمٹا اس بت کا فر پہ قضا سے پہلے
لی خبر آپ نے جب اسکی ہوئیں بند آنکھیں | چل بسا آپ کا بیمار دوا سے پہلے
پس مردن پہ اسکے سرو قامت کا تصور ہے | مری مدفن پہ ہوگی روشنی سرو چراغاں کی

لمعہ

سید نوازش علی ـــــــ میر کاظم علی شعلہ کے فرزند اور میر احمد علی شہید دہلوی کے پوتے تھے ۱۲۸۷ھ میں تولد ہوئے اچھے شاعر تھے آپ کے خاندان کے کُل افراد شاعر ہیں۔

انہیں اس روز سے مشق ستم ہے | نہ تھی جب ابتدا لوح و قلم کی
تیرے کوچے کو جب مسکن بنایا | زیارت کر چکے دیر و حرم کی
بھریں آہیں تو شعلے اور بھڑکی حشیم سو انہیں | بہے آنسو تو روغن پڑگیا سرو چراغاں میں
نہ کیوں ہو خال سے حسن ملیح یار کی شورش | یہی تو کنکری اک رکھی ہے اس نمکداں میں





ماہر

منظور حسین قادری ——— بدایوں کے رہنے والے اور مدت سے حیدرآباد میں ہیں، ہائیکورٹ سے ملازمتی تعلق ہے، مختلف اخبارات میں کام کر چکے ہیں نظم اور نثر اچھی لکھتے ہیں

غرقِ مستی تھے زمین و آسماں کل رات کو ۔۔۔ اُٹھ رہا تھا آتشِ مے سے دھواں کل رات کو

جام مے دیتے ہوئے ساقی کی چشمِ مست سے ۔۔۔ ٹپکی پڑتی تھی شرابِ ارغواں کل رات کو

غرفۂ جنت سے حوریں جھانکتی تھیں بار بار ۔۔۔ پڑ رہی تھیں حسن کی پرچھائیاں کل رات کو

ماہر

آقا مرزا علی رضا ——— شیراز کے رہنے والے ہیں بسلسلۂ ملازمت حیدرآباد میں ہیں آجکل کسی مدرسہ کے مددگار ہیں اُردو خوب بولتے ہیں اور شعر بھی کہتے ہیں، حیدرآباد کو وطن بنا لیا ہے۔

کس سے وفا کرو گے تم اہلِ وفا کے بعد ۔۔۔ ملتے رہو گے ہاتھ ہماری فنا کے بعد

آہوں کے ساتھ اشک ٹپکتے ہیں آنکھ سے باراں کا لطف خوب ہے ٹھنڈی ہوا کے بعد

مبشر

محمد عزیز الدین ——— حیدرآباد کے رہنے والے محکمہ صدر محاسبی صرفخاص مبارک کے صیغہ دار اور بڑے اچھے شاعر ہیں۔

اُڑتے اُڑتے جو سنا ہے کہ وہ آج آتے ہیں آج برپا ہے عجب شورِ قیامت دل میں
دل کی بستی نہیں کم شہرِ خموشاں سے مری دفن ہو جاتی ہے جو آتی ہے حسرت دل میں

مجنوں

احمد مصطفیٰ ——— حیدرآباد کے رہنے والے اور اچھے شاعر ہیں،

یہ نالۂ جگر ہے یا درد کا اثر ہے
لفظوں کی بندشوں میں کیا بھید مستتر ہے
قطروں سے آنسوؤں کے صوفی کی آنکھ تر ہے
یہ کیسی لے ہے آخر مطرب تری زبانیں

مجید

محمد جہانگیر ——— حیدرآباد ہی کے رہنے والے ہیں، حیات سخن کے نام سے ایک ماہوار رسالہ بھی نکالتے ہیں، شعر بھی کہتے ہیں۔

اگر وہ التفات حسن کے قابل بنا لیتے ہم اپنے ایک دل کے پھر تو لاکھوں دل بنا لیتے
جو ملتا قلزم الفت میں تنکے کا سہارا بھی تسلی کو دلِ ناکام کی ساحل بنا لیتے

ہر چند زندگی ہے تنا آشنا مگر
ہر سانس زندگی کیلئے بیقرار ہے
نیرنگیاں نہ پوچھئے کچھ دردِ عشق کی
ہے جان بیقرار تو دل کو قرار ہے

محبّ

محبّ حسین ــــــ معلم نسواں، شفیق نسواں وغیرہ کئی ایک رسائل نکالے "میرا پہلا جرم" "امیر علی ٹھگ" کا ترجمہ کیا رقعاتِ محبّ، دیوانِ محبّ وغیرہ چھ سات تالیف و تراجم شائع کئے، یو۔ پی کے باشندے تھے حیدرآباد کو وطن بنا لیا تھا آپ کا پورا خاندان اب یہیں کا ہو رہا، ۱۳۴۸ھ میں عمر طبعی کو پہونچ کر انتقال کیا، شعر خوب کہتے تھے۔

خوشی سے پھولی ہیں گل بلبلیں غزلخواں ہیں
چمن میں آج ہمارے گذر یہ کسکا ہے
فلک سے کرتی ہیں باتیں بلند دیواریں
مکان یار کا مدنظر یہ کس کا ہے
شہید دستِ حنائی نہیں اگر شب و روز
تو خون چرخ پہ شام و سحر یہ کسکا ہے

محیّت

سید معین الدین ــــــ سید شمس الدین عارف کے فرزند ہیں ۱۳۲۷ھ میں پیدا ہوئے۔ شعر اچھے کہتے ہیں،

دُنیا ملی جہان ملا، مدعا ملا
تم کیا ملے ہو مجھے کہ میرا خدا ملا
عاشق کا تیرے دشت میں اتنا پتا ملا
دامن کہیں ملا کہیں بندِ قبا ملا
حسرت نصیب اپنی تمنا نکال لے
مدت کے بعد آج تو وہ بے وفا ملا

محبوب

محبوب راج ــــــ راجہ گردھاری پرشاد باقی کے فرزند اور راجہ نرسنگھ راج عالی کے چھوٹے بھائی تھے۔ ۱۳۱۱ھ میں پیدا ہوئے حیدرآباد ہی میں تعلیم و تربیت پائی، ملک اور قوم سے بڑی ہمدردی تھی شعر و ادب کا مذاق بھی تھا افسوس ہے کہ ۱۳۵۰ھ میں ایک فرزند رائے گردھر راج بی۔اے اور چند لڑکیاں چھوڑ کر انتقال کیا شعر خوب کہتے تھے۔

قدم کیونکر اٹھیں کوچے سے تیرے ۔۔۔ یہاں تو حسن کی دولت گڑی ہے
اپنے اعمال کی خرابی کو ۔۔۔ ہم نے گردن جھکا کے دیکھ لیا
تھا عشق کا مرحلہ نہ آسان ۔۔۔ سر دیکے مہم یہ ہم نے سر کی
مرض عشق میں نوبت یہ ہوئی ہے اب تو ۔۔۔ خوف آتا ہی مجھے دیکھ کے صورت اپنی
ہزار سال کی طاعت سے ہی کہیں بہتر ۔۔۔ خلوص دل سے اگر سجدہ ایک بار کیا
قید یہ مذہب ملت کی عبث ہی اے شیخ ۔۔۔ حق یہ ایمان جو لائے گا مسلماں ہوگا
مجمع خوباں ہے میت پر مری ۔۔۔ موت بھی گویا تماشا ہو گئی

محبوب

شیخ محبوب ــــــ سکندرآباد کے رہنے والے سخنور اور شمس کے شاگرد ہیں ۱۳۴۴ھ میں دیوان طبع ہو چکا ہے۔

کیا کہیں کچھ کہہ نہیں سکتے تری بیداد ہم ۔۔۔ دل لگا کر تجھ سے اے ظالم ہوئے برباد ہم

اس بتِ سفاک کی جب دل میں آجاتی ہے یاد — صورت نقش کف پا ہوتے ہیں برباد ہم
ڈھونڈھتے ہیں خود کو تو ہرگز پتہ ملتا نہیں — قید ہستی سے کچھ ایسے ہوگئے آزاد ہم
دل کی جو باتیں ہیں وہ منہ سے نکل جاتی ہیں صاف — چاہیے اشعار کی کب ہیں کسی سے داد ہم

محسن

میر محسن خاں — نواب قوت یار الدولہ بہادر کے فرزند تھے ثاقب بدایونی سے تلمذ تھا۔

ازل اک صبح اول ہی نمود روز ہجراں کی — ابد اندازہ ہے حد قیاس شام غربت کا
اسے میں کسطرح میزان میں رکھوں داور محشر — میرے ہمراہ اک دفتر ہے قسمت کی شکایت کا
مجھے وہ راحت و آرام شہ کی عاطفت میں ہے — کہ گویا سر پہ ہے سایہ بہار ابر رحمت کا

محسن

حبیب محسن — جمعیت نظام محبوب کے میجر تھے شعر خوب کہتے ہیں۔

جب فصل بہار آئی تو ہوتے ہوئے صد چاک — دامن نہیں دیکھا کہ گریباں نہیں دیکھا
بے وجہ کیا قتل مگر ہیں وہی تیور — ہمنے تو کبھی انکو پشیماں نہیں دیکھا

محسن

محسن اللہ خاں — حیدرآباد کے رہنے والے ہیں شعر بھی اچھے کہتے ہیں۔

بچپن نہ جوانی کا معاون نکلا — غفلت میں جو انسان کا ہی سن نکلا
بالوں کی سیاہی میں سفیدی آئی — آنکھیں تو کھلیں رات گئی دن نکلا

صد سالہ سمجھ رکھے ہیں سن کی مہلت　　اک خواب ہے یا بھول ہے انکی مہلت
سودائے شباب اور بیاض پیری　　ہے ایک شب اور ایک دن کی مہلت

محسن

میر محسن علی ـــــ حیدرآباد کے رہنے والے ہیں منشی عالم کامیاب ہیں شعر بھی اچھے کہتے ہیں۔

گل سے موئے گال تو غنچہ دہن ہوا　　کوئی حسین ہونے سے رشک چمن ہوا
کھویا وقار ضبط کا اور راز عشق کا　　تو بہی طفل اشک بڑی کیا بد چلن ہوا
مثمر نہال قد ہوا فصل شباب میں　　دن آگئے مراد کے تازہ چمن ہوا
اسے تلاش لاش میں گو کھودی میری قبر　　لیکن حصول کچھ بھی نہ غیر از کفن ہوا

محشر

محشر عابدی ـــــ عثمانیہ یونیورسٹی میں ڈیمانسٹریٹر ہیں، یو۔ پی کے باشندے اور نہایت خلیق نوجوان ہیں۔ شعر بھی خوب کہتے ہیں۔

تاریکیٔ شب کی طرح سیہ ملبوس میں ننگے پاؤں سے
کرتے ہیں تجھے یاد غم و آلام سے شیدائی تیرے

اور سوچتے ہیں قربانی کی جو دین کی خاطر تو نے کی
سیلاب کی مانند آنسو کی آنکھوں سے جھڑی لگ جاتی ہے

کردیتے ہیں دُھندلا آنکھوں کو یاد آکے تیرے سب فسانے
اور مرثیوں کو پڑھ پڑھ کر ہو جاتے ہیں سب دیوانے
پھر پیٹ کے سینوں کو اپنے شدت سے ماتم کرتے ہیں
فوارۂ خون رہتا ہے رواں حسینؑ و حسنؑ سب کہتے ہیں

محمود

سید محمود ——— یداللہی گھرانے کے پیرزادے ہیں مدت تک ایک ماہوار رسالہ "المصدق" نکالتے رہے شعر بھی خوب کہتے ہیں۔

ادا نہیں تھی وہ ایسی کہ بھول جاتا میں ۔۔۔ رہے گی یاد نظر ہائے دالپسیں برسوں
کہیں نہ خونِ شہیداں سے سرخ ہو دامن ۔۔۔ لباس سرخ ہی پہنا ہے نازنیں برسوں
جب کوئی رو رو کے سوتا ہے کسیکی یاد میں ۔۔۔ بہر تسکین خواب میں اسکو دکھا جاتی ہے خیال
دیدنی ہوتا ہے رنگِ نشۂ دو آتشہ ۔۔۔ جب کسیکی چشم میگوں میں سما جاتی ہے نیند

مخدوم محی الدین

دکن کے رہنے والے ہیں، یہیں تعلیم پائی ہے جامعہ عثمانیہ سے ایم، اے کیا ہے ادب کا ذوق بہت ہے شعر خوب کہتے ہیں خصوصاً نظم بڑی اچھی ہوتی ہے۔

بہرنے والی کھیت کی مینڈو نپہ بل کھاتی ہوئی
نرم و شیریں قہقہوں کے پھول برساتی ہوئی
کنگنوں سے کھیلتی اوروں سے شرماتی ہوئی

اجنبی کو دیکھکر خاموش مت ہو گائے جا ہاں تلنگن گائے جا باکئی تلنگن گائے جا

ارض یکسر گوش ہے خاموش ہیں سب آسماں

راگ سننے رُک گئے ہیں بادلوں سے کارواں

ہاں ترانہ چھیڑ جنگل کا میری غنچہ دہاں

اجنبی کو دیکھکر خاموش مت ہو گائے جا ہاں تلنگن گائے جا باکئی تلنگن گائے جا

مدن موہن

حیدرآباد کے ایک نوجوان تعلیم یافتہ شاعر ہیں نظم اور گیت خوب کہتے ہیں۔

دیس گیت

سب سے اونچا دیس ہمارا اُس نگر وں سے پیارا ہے اپنے تن من سے بڑھکر دکھن دیس ہمارا ہے

سندر اونچے نیچے پربت اور جل ندیاں اسکی ہے دہاں کا کھیت سہانا اپنے ان کا سہارا ہے

راجہ اپنا شاہ عثمان اسکے ہم سے پرجا ہیں

پیارے دیس کا پیارا راجہ جگ جیون سے پیارا ہے

مرزا

مرزا حسن بیگ ــــــ دکن کے باشندے تعلقہ عالم پور کے مدرس

پنڈت جذب کے شاگرد ہیں شعر خوب کہتے ہیں

آج رنگ دہر ہے کچھ اسطرح بدلا ہوا باپ سے بیٹا تو بھائی بھائی سے بچھڑا ہوا

جاہلوں کی ہی الگ دُنیا خطیبوں کی الگ مالداروں کی الگ ہے اور غریبوں کی الگ

اس نفاق باہمی نے کر دیا ہی نیم جاں | اب کہاں باقی ہی وہ اگلی سی عظمت اور شاں
مشکلیں آسان کر دو مل کے باہم افراد کی | زندگانی کا ہے مرکز اولیں مقصد یہی

مرکز

حاجی یسین علیخاں عرف خدانما شاہ حسینی القادری — حیدرآباد کے

مشائخین میں سے ہیں ۱۳۴۲ھ میں آپکے کلام کا ایک مجموعہ بھی شائع ہوا ہے۔

ہے تماشا خدا نمائی کا | ذرہ ذرہ کو غور کر دیکھا
دائرہ نقطہ ہے نقطہ دائرہ | کس کو مرکز کسکو حلقہ بولنا ؟
ڈہونڈ ہیں ہم انکو پریشان بنے بیٹھے ہیں | وہ تو پردہ کئے انسان بنے بیٹھے ہیں
ایک کا ہم نشان رکھتے ہیں | وحدۃ کا بیان رکھتے ہیں

مزاج

نثار یار جنگ بہادر

نثار یار جنگ بہادر — یو۔پی کے رہنے والے ہیں سنہ ۱۳۰۰ھ ۱۸۸۲ء میں پیدا ہوئے مدت سے حیدرآباد میں ہیں بلکہ دکن کو وطن بنا لیا ہے ابتداً باب حکومت کے رجسٹرار اور پھر سرکارِ عالی کے اول تعلقدار رہے اب صرفخاص مبارک میں اول تعلقدار ہیں۔ شعر خوب کہتے ہیں غزل اور نظم پر یکساں قدرت ہے۔

خدا کی خدائی میں کیا کیا نہیں ہے | ہمیں کو مگر چشم بینا نہیں ہے
یہاں عرضِ مطلب کا یارا نہیں ہے | انھیں بات سنی گوارا نہیں ہے
کبھی جو نہ نکلے وہ حسرت ہے میری | جو بر آئے میری تمنا نہیں ہے

مرا درد میری دوا بن چکا ہے   مجھے احتیاج مسیحا نہیں ہے

مست

نوازش علی ——— حیدرآباد کے قدیم اور شریف لوگوں میں سے تھے، آٹھ دس سال ہوئے کہ انتقال کیا،

طفلی ہو جوانی ہو ہنگامہ ہے غفلت کا   ہے کوکب بیداری پیری کا ہے کیا کہنا
افسوس جوانوں کو معلوم نہیں کچھ بھی   لیتے ہیں مزہ جو ہم پیری میں جوانی کا
گرداب جوانی سے ساحل پہ بچا لائی   اب کنج فراغت ہے غرقاب کا کیا کھٹکا

مست

محمد عبد الغفور خاں ——— حیدرآباد ہی کے رہنے والے ہیں تعلیم یافتہ نہیں اپنی غزل آپ بمشکل لکھ سکتے ہیں مگر خدا نے طبیعت دی ہے شعر بہت اچھے کہتے ہیں اپنے بھائی محمد حسین مخمور سے مشورہ کرتے ہیں، نواب معین الدولہ بہادر کی پائیگاہ کی عدالت سشن میں ملازم ہیں۔

اٹھوں بروز محشر ای مست قبر سے یوں   بیداغ ہو کے سورج جیسے گہن سے نکلے
نہ کچھ تڑپ کا نہ کچھ درد کا خیال کیا   نگاہ ملتے ہی دل لے لیا کمال کیا
نگاہ مست سے ساقی کے انقلاب ہوا   شراب جام میں ڈالی کہ آفتاب ہوا
قدم راہ الفت میں رکھنا سنبھل کر   ہے آفت مصیبت گرفتاریاں ہیں



مسرور

میر محمد علی ـــــــ میر جعفر حسین مقبول مرحوم مددگار ناظم دارالانشا کے فرزند ارجمند ہیں۔ حیدرآباد ہی میں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم و تربیت پائی ابتداً وکالت کی پھر بہرام جنگ بہادر کے اسٹیٹ میں منصف ہو گئے، اب مستعفی ہو کر خانہ نشین ہو گئے ہیں عالم و فاضل بزرگ اور اصغر ناجی کے شاگرد کہنہ مشق شاعر ہیں، آپ کے مرثیے بہت مقبول ہیں۔

دُنیا میں یتیموں کو رُلایا نہیں کرتے
سہمے ہوئے بچوں کو ڈرایا نہیں کرتے

مہمان کو دیتے ہیں سدا راحت و آرام
پانی کے عوض خون بہایا نہیں کرتے

بازار و نہیں بے برقع و بے مقنع و چادر
اک رات کی بیاہی کو پھرایا نہیں کرتے

زنجیر پہناتے نہیں بیمار کو تپ میں
دُرّے تنِ لاغر پہ لگایا نہیں کرتے

مسلم

نواب میر طاہر علیخاں ـــــــ حیدرآباد کے امیر گھرانہ سے ہیں نظام کالج میں تکمیل تعلیم کی اور پھر لندن جا کر پی، ایچ، ڈی کیا، یورپ سے واپس ہو کر نظام کالج کے پروفیسر ہوئے اور اس کے بعد پرنس آف برار والا شان نواب اعظم جاہ بہادر ولیعہد دکن خلد اللہ ملکہٗ کے پرائیویٹ سکریٹری مقرر کئے گئے، نہایت بامروّت، خلیق، شریف، ملنسار اور ادب پسند نوجوان شاعر ہیں، فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں خوب شعر کہتے ہیں،

میری صبحِ حیات غم کی یارب شام ہو جائے ۔۔۔ تجھے بھی انقلاب و گردشِ ایّام ہو جائے
نہ خونِ بے گنہ پر ڈھانک دامن مارنیوالے ۔۔۔ کہیں ایسا نہو یہ راز طشت از بام ہو جائے
جوانی جانیوالی ہے زمانہ مٹنے والا ہے ۔۔۔ تغافل کیا مرے ساقی صلائے عام ہو جائے
غنیمت ہے بہت مسلم یہ اپنی کس مپرسی ہے ۔۔۔ ہے قابل رشک کے وہ شخص جو گمنام ہو جائے

مشتاق

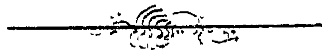
مشتاق احمد ــــ اُستاد جلیلؔ کے سب سے چھوٹے فرزند ہیں شعر بھی خوب کہتے ہیں، ابھی سلسلۂ تعلیم جاری ہے۔

اندھیرے سرِ شام صبا کر کے چلی ہے ۔۔۔ گل شمعِ مزارِ شہدا کر کے چلی ہے
غیروں کو دیا جام مئے ہوش ربا کا ۔۔۔ وہ چشمِ سیہ مجھ سے حیا کر کے چلی ہے

مشیر

محمد فخر الدین ــــ سنہ ۱۳۳ھ میں حیدرآباد میں پیدا ہوئے، حکیم محمد عباس آفندی حلمیؔ سے تلمذ ہے، سنہ ۱۳۴۳ف میں بانگ تسخیر کے نام سے ایک دیوان شائع ہوا ہے شعر اچھے کہتے ہیں۔

سنتے ہیں آپ کا بڑا دل ہے ۔۔۔ کر کے ہم نے سوال دیکھ لیا
جب سے میری نگاہ سے تو دور ہو گیا ۔۔۔ رِس رِس کے زخمِ دل مِرا ناسور ہو گیا
مخالف چمن کی ہوا ہو گئی ۔۔۔ خفا ہم سے کیا باغباں ہو گیا



مظہر

مظہر الدین احمد ـــــ حیدرآباد کے رہنے والے ہیں شعر بھی اچھے کہتے ہیں۔

ہے توکل سے خدائی پہ تصرف اپنا ۔۔۔ لاکھ سامان ہیں اک بے سر و ساماں ہونا
نغمۂ ساز کے پردے میں عیاں شوخی و ناز ۔۔۔ کھل گیا سارے جہان پر ترا پنہاں ہونا

معین

صاحبزادہ میر معین الدین علیخاں ـــــ نواب عظام الدولہ بہادر مرحوم کے فرزند ہیں، شعر بھی خوب کہتے ہیں۔

یہ کس امید پہ انصاف حشر کی امید ۔۔۔ رنگی ہے خون میں قاتل نے آستیں برسوں
نہ سنئے بے سر و سامانیٔ جنوں کا حال ۔۔۔ گریباں کس کا تھا تھی کس کی آستیں برسوں

معتمد

نواب گیسو دراز خاں بہادر ـــــ نواب زور آور جنگ بہادر کے نواسے اور حیدرآباد کے مشہور امیر گھرانے سے تھے نہایت خوش مزاج، منکسر نیک نفس امیر تھے شعر خوب کہتے تھے حضرت کیفی سے تلمذ تھا، بارہ ایک سال ہوئے کہ انتقال کیا۔

میں جہاں جاؤں کہیں سب مجھے مجنوں مجنوں ۔۔۔ الفت غیرت لیلیٰ کی نقشانی ہو جائے
رند وا سطرح نہ تم لال پری سے ملنا ۔۔۔ محتسب سن کے نہ پھر دشمن جانی ہو جائے
رنگ بدلا کرو تم بھی تو زمانے کی طرح ۔۔۔ سرخ پوشاک کبھی ہو کبھی دھانی ہو جائے

مفتوں

بادشاہ محی الدین خاں ـــــــ حیدرآباد ہی میں تولد ہوئے حضرت افتخار علی شاہ وطن کے فرزند ہیں۔ شعر خوب کہتے ہیں، نہایت زندہ دل یار باش شاعر ہیں،

توڑ کر دم ہو گیا ظالم ترا بیمار حیف
صورت تصویر تکتے بیٹھے ہیں غمخوار حیف

میرے جاتے ہی گئی سب میکدہ کی کیفیت
شیشہ خاموش اکطرف ہے اکطرف میخوار حیف

مقید

محمد تاج الدین خاں ـــــــ حیدرآباد کے باشندے ہیں۔ ۱۳۰۵ھ میں پیدا ہوئے ۱۳۴۲ھ سے وکالت کر رہے ہیں۔ ۱۳۱۸ھ سے شعر کہتے ہیں، حضرت کیفی سے تلمذ تھا، شاگردوں کی تعداد بھی خاصی ہے۔ عبدالحمید خیال اور عبدالغفار پہلوان آپ کے ممتاز شاگرد ہیں،

ہے اسکی راہ گزر میں اگرچہ میرا مکان
ادھر سے جاتا ہی لیکن ادھر نہیں آتا

دل کسی شوخ کو کیوں دیکے پشیماں ہونا
بے سبب کیوں ہدف ناوک مژگاں ہونا

جو کسی کو دیر کی لو لگی تو کسی نے کعبہ کی راہ لی
ترے در کی جس نے گدائی کی وہ ادھر گیا نہ ادھر گیا

مقصد

سید عبدالحفیظ ـــــــ سید عبدالرحیم شمس کے فرزند اور سخنور مرحوم

کے نواسے ہیں، مجاہدالدین مجاہد سے تلمذ ہے۔ بیس ایک سال کی عمر ہے شعر خوب کہتے ہیں۔

تم سے میری خوشی نہیں ہوتی — نہیں ہوتی کبھی نہیں ہوتی
کیوں نہ شیشے سے منہ لگا ساقی — بند اسمیں پری نہیں ہوتی
مہرکی تم سے کیا توقع ہو — تم سے بیداد بھی نہیں ہوتی
رہی جاتی ہے قتل کی حسرت — دل کی پوری خوشی نہیں ہوتی

مکند گیر

حیدرآباد کے ایک روشن خیال ہندو بزرگ ہیں شعر خوب کہتے ہیں، بیدار ہی تخلص کرتے ہیں،

کسی کو دو نہ تم زنہار گالی — دیا کرتے ہیں ناہنجار گالی
ہے مارا بھی مگر گالی بری ہے — کہ دلکو دیتی ہے آزار گالی
اگر کھل جائیگا منہ گالیو نپر — زبان سے نکلے گی ہر بار گالی
یہ ہے زخم زباں اچھا نہ ہوگا — عزیز من ہے دل آزار گالی

ملال

عنایت علی قریشی ——— حیدرآباد کے رہنے والے ہیں، شعر خوب کہتے ہیں، فلسفیانہ طبیعت پائی ہے۔ باز صاحب سے مشورہ کرتے ہیں،

نکتہ سنجی ہاسی کو کہتے ہیں — عشق پروردگار ہے اپنا

دو دن کی زندگی ہی کسطرح کاٹ دی — تو اپنے منہ کو کھول نہ اپنی زباں اٹھا
میرے نالوں کا اثر اتنا تو ظاہر ہو گیا — بیوفا سر پیٹتا پردے سے باہر ہو گیا
خود ہی رہ گیر ہوں میں آپ ہی رہبر اپنا — اسکا گھر ڈھونڈھتا ہوں بھول گیا گھر اپنا

منیر

احمد منیر الدین ـــــ ٹیکمال ضلع میدک کے مشائخ گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ مولینا انوار اللہ خاں فضیلت جنگ کے شاگرد ہیں، تحصیلداری، وکالت، منصفی کر چکے۔ اب پیری مریدی میں مصروف ہیں۔ کہنہ مشق اور پُر گو شاعر ہیں۔

فکر یہ آغاز میں انجام کی — ہرزہ کاری ہے خیال خام کی
ذرا تھم کے چل آج باد مخالف — مضرت رساں گرم رفتاریاں ہیں
تہ خاک ہیں آب صافی کے چشمے — نہاں سنگ صحرا میں چنگاریاں ہیں
در پیر مغاں پر سر جو رکھا کھلگئے عقدے — یہی اک کارگر تدبیر تھی حل معمّا کی

منظور

منظور جنگ بہادر ـــــ (مرزا منظور احمد خاں) حیدر آباد ہی میں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم و تربیت پائی، سرکار عالی کے اول تعلقدار اور صرفخاص مبارک میں ناظم مخارج و نظم جمعیت رہے ہے شعر ہی خوب کہتے ہیں۔

وہ بھی دن تھا کہ تھی ہم صاحب اعزاز دقا — نہ حکومت کا ٹھکانا نہ تھا دولت کا شمار

ہوگئی کایاپلٹ چار ہی دن میں ایسی — کہ نتیجہ میں کوڑی نہیں تن پہ نہیں نام کو تار
اللہ کی قدرت کا کرشمہ دیکھو — افلاس و فلاکت کا تماشا دیکھو
جو قوم جوانی میں تھی رشک اقوام — آج اسکی مصیبت کا بڑھاپا دیکھو

منظور

سید علی ——— ۱۳۱۴ھ میں تولد ہوئے مدرسہ نظامیہ اور دار العلوم میں تعلیم پائی ۱۹۲۶ء میں منشی فاضل کامیاب کیا، بچپن سے شعر کہتے ہیں، محمد احمد واحسن، شمسی اور المعی سے مشورہ کرتے رہے ہیں نظم بڑی اچھی کہتے ہیں۔

ناامیدی میں بھی ارہ رہکے خیال آتا ہے — اب بلایا مجھے اس شوخ نے اب یاد کیا
یہ ہنسی اور بڑھائے گی مرے دل کی تڑپ — اپنی دانست میں تم نے تو مجھے شاد کیا
ہے طرب آموز دل ذوق نگاہ — دیدنی مجھ کو ہر اک منظر ملا
میری مستیاں سمجھیں تیری شوخیاں جانیں — تو نے کیا لیا مجھ سے میں نے تجھ سے کیا پایا

مہر

صاحبزادے میر آفتاب علیخاں ——— حیدرآباد کے ذی علم اور خاندانی بزرگ نظام کالج کے پروفیسر استاد داغ کے قدیم شاگرد ہیں، حیدرآباد کے بہترین شعراء میں شمار ہوتا ہے۔

اسطرح کی شوخیاں گر آپ کرتے جائینگے — مر میں والے موت سے پہلے ہی مرتے جائینگے

لٹنے والے دل کے بھولیں گے نہ تیری یاد کو | بستیاں اجڑی ہوئی آباد کرتے جائینگے
چاہنے والے چھپائیں لاکھ اپنا دردِ عشق | رنگ اڑتے جائینگے چہرے اترتے جائینگے
حشر میں خاموش جانیسے بھلا کیا فائدہ | تم ستاتے جاؤ ہم فریاد کرتے جائینگے

موجد

محمد حسین ـــــــ حیدرآباد کے رہنے والے اور صدر محاسبی سرکار عالی کے صیغہ دار ہیں، شعر خوب کہتے ہیں،

جس کو دیکھو بنا ہوا ہے غنی | شاہِ عثماں کی درفشانی سے
شہ کو دائم نصیب ہو راحت | عشرت و عیش و کامرانی سے

مونس

مونس احمد ـــــــ اُستاد جلیل کے فرزند ہیں پہلے وکالت کرتے تھے اب "آئینہ ادب" کے نام سے ایک ماہوار رسالہ نکالتے ہیں شعر بھی خوب کہتے ہیں،

محفلیں گرم ہوئیں اب عیش منانے کیلئے | جشن کیسے ہیں یہی دولت ہے زمانے کیلئے
زلف کے واسطے لیلو دلِ صد چاک میرا | بگڑی بیٹھی ہے بہت دیر سے شانے کیلئے
روز آتی ہے صبا انکا اشارا پاکر | شمع تربت میری دامن سے بجھانے کیلئے
غش جو آیا ہے عنادل کو تو دیتی ہے صبا | دامنِ گل کی ہوا ہوش میں لانے کیلئے

مہدی

محمد مہدی ——— حیدرآباد کے رہنے والے اور بڑے اچھے شاعر ہیں غزل خوب کہتے ہیں،

خاطرِ ناشاد اپنی شاد کرتا ہے کوئی — آج رہ رہ کر تجھے پھر یاد کرتا ہے کوئی
کچھ نظر سے کچھ تبسم سے گرا کر بجلیاں — دل کی دنیا کو میری آباد کرتا ہے کوئی
کھا رہا ہے پھر فریبِ عدہ و پیمانِ شوق — اک جہانِ آرزو آباد کرتا ہے کوئی
کچھ خبر بھی ہے کسی کی بھولنے والے تجھے — مرتے مرتے بھی تجھی کو یاد کرتا ہے کوئی

مہدی علی صدیقی

جامعہ عثمانیہ کے طالب العلم ہیں ۱۹۳۱ء میں مجلہ عثمانیہ کے حصۂ انگریزی کے مدیر رہے، شعر خوب کہتے ہیں،

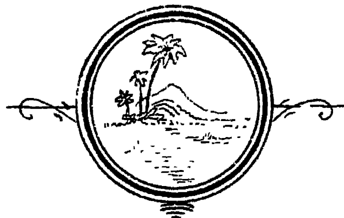
صاحبِ تخت و صاحبِ افسر — دربدر پھر رہے ہیں خاک بسر
حسنِ تدبیر ہے نہ عزمِ عمل — اور الزام سارا قسمت پر
فکرِ اصلاحِ ملک و سطوت ہیچ — بے بری بے زری و عزم سفر
کوششوں میں شہید ہو جانا — زندگی سے یہ موت ہے بہتر
مالکِ شہرتِ دوام ہوئے — قاعد مصر و غازئی انور
نام زندہ ہیں اہلِ ہمت کے — موت سے گو نہیں کسی کو مفر

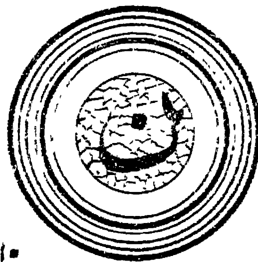
خضر کی عمر تنگ نادر ہے
آبِ حیوان نثارِ اسکندر

میکش

میر محمد علیخاں —— صاحبزادے اور جامعہ عثمانیہ کے طیلسانی ہیں، نظم اور نثر دونوں اچھی لکھتے ہیں، غزل بھی خوب کہتے ہیں، طبیعت میں ایک خاص بات ہے،

میری محجوبیت کو گرما کر ہنسے — برق سی ہونٹوں پہ لہرا کر ہنسے
ہنس کے دیکھا دیکھ کر تڑپا دیا — دیکھنے والے کو تڑپا کر ہنسے
کچھ تکلف سے گرائی برق بھی — جب ہنسی آئی تو شرما کر ہنسے
میرے ملنے سے نہ جانے کیا ملا — آنکھ میں اشکِ خوشی لا کر ہنسے
کھل گئی ساری حقیقت جور کی — اپنی بے مہری پہ پچھتا کر ہنسے
مجھ کو جب دیکھا تو آنسو بہ گئے — میں نے جب دیکھا تو گھبرا کر ہنسے
اک تبسم تھا مرے ہر اشک میں — جب مرے نزدیک وہ آ کر ہنسے
مسکراہٹ ہے کہ پیغام حیات — زندگی پائی جو وہ آ کر ہنسے
دستِ نازک میرے شانے پر رکھا — بجلیاں رگ رگ میں دوڑا کر ہنسے





نائب

عبدالستار ـــــ جامعۂ عثمانیہ کے ایم، اے، دارالترجمہ میں ملازم ہیں، شعر بھی اچھے کہتے ہیں،

اس کی وحدت میں نظر آتا ہی راز کثرت
کچھ تعجب نہیں ذرّہ کا بیاباں ہونا

وہ اگر چاہے تو دشوار نہیں ہے یہ بھی
مورِ کم مایہ کا ممکن ہے سلیماں ہونا

مر کے بھی ہم درِ جاناں پہ نہ جائینگے کبھی
وضع سے دور ہے منت کش درباں ہونا

مر کے جینے کی یہ تمثیل بہت اچھی ہے
تخم کا دیکھ لے تو خاک میں پنہاں ہونا

ناچیز

خواجہ محبوب علیشاہ ـــــ حیدرآباد کے رہنے والے مشائخ بزرگ ہیں شاعر ہیں نعت اچھی کہتے ہیں،

مرحبا شوقِ زیارت ہے فزوں ترا پنا
جنذا ہے سفرِ طیبہ مقرر اپنا

یاد فرماتے ہیں سرکار یہی باعث ہے
نظر آتا ہے بیاباں کی طرح گھر اپنا

اپنی کملی میں چھپا لیں گے چھپانے والے　　قابلِ دید ہے آنا سرِ محشر اپنا

ناداں

امراؤ مرزا ——— استاد داغ کے برادر زادے تھے استاد داغ کے حیدرآباد آنے کے بعد یہ بھی آرہے اور ایسے آئے کہ یہیں کے ہو گئے، نہایت اچھے شاعر تھے لاابالی رندمنش اور مرنجان مرنج تھے غزل بڑی اچھی کہتے تھے افسوس ہے کہ آپ کا پورا کلام دوسروں کے نام سے شہرت پایا، تقریباً بارہ سال ہوئے کہ حیدرآباد ہی میں انتقال کیا،

جو زہد پر تجھے زاہد غرور ہوتا ہے　　ثواب کرکے بھی رحمت سے دُور ہوتا ہے

کبھی اُداس طبیعت کبھی اُچاٹ ہے دل　　یہ حال تم جو نہ آؤ ضرور ہوتا ہے

کہاں سے صبح کو آتا ہے روز ای مہوش　　اڑا ہوا ترے چہرے کا نور ہوتا ہے

بتوں کو دیکھ کے ایمان سے بتا واعظ　　یہ ڈیل ڈول یہ انداز حور ہوتا ہے

یہ پی پلا کے جو کرتا ہے توبہ اے ناداں　　امیدوار شراب طہور ہوتا ہے

ناطق

مرزا احمد بیگ ——— حیدرآباد کے رہنے والے اور بڑے اچھے شاعر ہیں،

عمر بھر لائیگا وہ گکڑا نہ زبان پر اپنا　　کاش سُن لے کوئی حالِ دلِ مضطر اپنا

ہے یہی عالم حرماں تو خدا حافظ ہے　　کیا عجب اور ہی کچھ حال ہوا بتر اپنا

شکوہ کیسا کہ زبان پہ ہے لگی مہر سکوت ۔۔۔ اور ہے بار امانت سے نگوں سر اپنا

ناظم

میر محمد علیخاں ـــــــ نواب صولت جنگ عابد کے ہمشیر زادے اور حضرت ناصر کے فرزند تھے ۱۳۰۰ھ میں پیدا ہوئے حیدرآباد ہی میں تعلیم و تربیت پائی، فارسی کلام ترکی کو اور اردو استاد داغ کو دکھانے لگے صرفخاص میں ملازم تھے مگر آخر عمر میں مستعفی ہو کر فقیر ہو گئے اور ۱۳۵۴ھ میں انتقال کیا، آپ کے شاگردوں کی ایک کثیر تعداد ہے۔

ذرا سے دل کو دعویٰ ہے بڑا عشق و محبت کا ۔۔۔ الٰہی یہ ہی ادنیٰ ہے کرشمہ تری قدرت کا

ہوا ہے اب تو یہ نقشہ عزیزوں کی محبت کا ۔۔۔ کہ ہوتا ہے گماں صبح وطن پر شام غربت کا

ملے کیا خاک پوری طرح سے راحت زمانہ میں ۔۔۔ کہ لکھا تک نہیں جاتا ہے ملکر لفظ راحت کا

جبیں پر ہے شکن ابرو پہ بل آنکھوں میں غصہ ہے ۔۔۔ بنا ہے کیا برا نقشہ تمھاری اچھی صورت کا

ناظم

عبد المقتدر خاں ـــــــ حیدرآباد کے قدیم اور شریف گھرانے سے ہیں ہائیکورٹ کے وکیل اور نہایت زندہ دل [illegible] شاعر ہیں غزل اور نعت خوب کہتے ہیں۔

سارے نبیوں میں ہے ممتاز پیمبر اپنا ۔۔۔ ساری مخلوق سے افضل ہے پیمبر اپنا

اپنے خمخانۂ توحید سے دے جام پہ جام ۔۔۔ سب کو سرشار بنا ساقی کوثر اپنا

در اقدس پہ جبیں رکھ کے بصد عجز و نیاز
حال سب انکو سنا لے دلِ مضطر اپنا

دفترِ حسنِ عمل اک ورق سادہ ہے
منہ دکھانے کا نہیں ہے سرِ محشر اپنا

ناظم

ظہور الحسن ــــــــــ سیوہارہ ضلع بجنور کے رہنے والے اور عالم و فاضل بزرگ ہیں دس بارہ سال سے حیدر آباد میں ہیں، حدیث، فقہ، تاریخ وغیرہ پر کئی ایک تصانیف شائع کرچکے ہیں، شعر بھی خوب کہتے ہیں۔ تاریخ گوئی میں بڑا کمال ہے، لمبے لمبے قصائد ایسے کہتے ہیں جن کے مصرعوں میں کئی کئی تاریخیں نکلتی ہیں، بڑی خوبیوں کے بزرگ ہیں،

ہمیشہ اسکا حامی ہو خدا اسکا نگہباں ہو
فریدوں فر ہو جم شوکت ہو ثانی سلیماں ہو

بعمر خضر بخت سکندر دولت کسریٰ
الٰہی میر عثمان علی خاں شاد شاداں ہو

جبتک فلک پہ گردشِ خورشید و ماہ ہو
جبتک کہ سطح ارض پہ پیدا گیاہ ہو

ناظم کی یہ دعا ہے بصد حشمت و جلال
دنیا ہو یارب اور میرا بادشاہ ہو

ناظر

بابا لال ــــــــــ راجہ گردھاری پرشاد باقی کے نواسے اور راجہ نرسنگ راج عالی کے ہمشیر زادے تھے، تائب لکھنوی سے تلمذ تھا، شعر بڑے اچھے کہتے تھے۔

کئی دن سے نہیں ملتا ہے دل
نہیں معلوم کس نے لے لیا دل

اگر وہ لے گئے دل کچھ نہیں غم
خدا سے مانگ لیں گے دوسرا دل

ہوئے جب غیر سے گرم سخن وہ
بھڑک اٹھا کلیجہ پھنک گیا دل

یہ سودا کس کی الفت کا ہوا ہے
بکا جاتا ہے بے داموں مرا دل

نامی

سید عبد الغفور خاں ـــــــ حیدر آباد کے قدیم اور شریف گھرانے کے بزرگ اور نواب لطف الدولہ بہادر مرحوم کی پائیگاہ کے ناظم امور مذہبی ہیں، طبیعت بڑی اچھی پائی ہے خوب شعر کہتے ہیں۔

بس جان سے گیا تمہیں رنج و محن ہوا
کیا خوب میری جان کا غم جانِ من ہوا

کافر کی ضد تو دیکھو مسلمان ہو گیا
میں اپنا دین چھوڑ کے جب برہمن ہوا

قبضے میں جو نہیں ہو وہ کس کام کا ہے مال
کیا ہمکو اس سے کوئی اگر سیم تن ہوا

کوئی تمہاری چال چھپائے نہ چھپ سکی
رسوا زمانہ بھر میں تمہارا چلن ہوا

تامی کوہ سوار

دکن کے رہنے والے اور بڑے اچھے شاعر ہیں مذاق بہت ستھرا ہے، شعر خوب کہتے ہیں،

جسمیں بہار تھی ہو خزاں اب وہ گلستاں ہم ہیں
جسمیں چلتے ہیں بگولے وہ بیاباں ہم ہیں

باعث ننگ جہاں مورد آلام جہاں
سچ اگر پوچھئے دنیا میں وہ انسان ہم ہیں



نثار

سید علی الحسن ـــــــ مشائخ گھرانے کے بزرگ ہیں حیدرآباد کے شطاری خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، شعر بھی خوب کہتے ہیں۔

جنت میں بادہ کش ہی جائینگے سب سے اول ۔۔۔ محشر میں سب سے پہلے ان کا حساب ہوگا
ہم دل جلوں کو کیا غم تاریکی لحد کا ۔۔۔ یہ داغ دل ہمارا اک آفتاب ہوگا

نجم

محمد احمد صدیقی ـــــــ حیدرآباد کے رہنے والے اور خلطے شاعر ہیں،

زخم جگر پھر از سر نو تازہ ہو گئے ۔۔۔ سرسبز پھر بہار سے سارا چمن ہوا
مدت کے بعد آج وہ آئے ہیں میرے گھر ۔۔۔ ماتم کدہ غریب کا رشک چمن ہوا

نجم

نجم الدین انصاری ـــــــ بی، اے۔ ایچ، سی، ایس، نہایت کامیاب شاعر اور صاحب ذوق ہیں۔

تمہارے ہجر میں یاں جان پر بنی رضیہ ۔۔۔ تمہاری یاد کی جو ہوک دل میں اٹھتی ہے
وہ کرتی ہے مجھے خود اپنے آپ سے باہر ۔۔۔ پھر ایسے وقت میں کیا خاک سوجھتا مجھ کو
سوائے اسکے کہ رسموں کی بیڑیاں کاٹوں ۔۔۔ چلوں میں پھاڑ کے کپڑوں کو جانب صحرا
تمہارے نام کے واں اسطرح بھروں نعرے ۔۔۔ تمام بستی وو یرانہ ایک کر ڈالوں



نجیب

نواب محمد نجیب الدین خاں ــــــــ غرۂ شوال ۱۳۳۱ھ کو تولد ہوئے نواب شمس الملک ظفر جنگ کے فرزند ہیں، نہایت زندہ دل روشن خیال، نیک نفس امیر ہیں، شعر بھی خوب کہتے ہیں۔

سمجھ کے ہم نے دریار بے خیالی میں — گھسی ہے کعبہ کی دہلیز پر جبیں برسوں
کبھی نصیب نہ ہوگی شب وصال بدل — رہیں گے ہجر کے دن دیکھنا یونہیں برسوں

ہمنشیں رہتا ہی ہر وقت تصور تیرا — حوصلہ کیوں نہ بڑھے پھر مری تنہائی کا
کوئی دیوانہ کہے یا کوئی سودائی کہے — کچھ ہو اک نام تو مشہور ہے شیدائی کا

نسیم

سلطان محی الدین خاں ــــــــ نواب محمد مسیح الدینخاں بہادر مرحوم کے فرزند ہیں حیدرآباد ہی میں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم و تربیت پائی شعر بھی خوب کہتے ہیں۔ قادر الدینخاں تمکین کے بھائی ہیں۔

مدعا ہے یہ سر راہ تمنائی کا — کاش جلوہ نظر آئے تری رعنائی کا
او تقاضائے جنوں رحم کہ گھبراتا ہوں — چھوٹ جائے کہیں دامن نہ شکیبائی کا

نشتر

عبد الجلیل ــــــــ جامعہ عثمانیہ کے بی۔ اے اور سر رشتۂ طبابت کے ناظر (انسپکٹر) ہیں، شعر بڑے اچھے کہتے ہیں، غالب پسندوں کے لئے ایک

نظم کہی ہے جو محض بے معنیٰ اور فقط شوکت الفاظ سے مملو ہے،

دھوم مسرت سے آج لڑ گئے داماں کے پھول — سر پہ ہی سہرے کا تاج پہلو میں جاناں کے پھول
دیکھئے پھولوں کا رنگ عالم حیرت ہی دنگ — حسن جہاں کی امنگ عارضِ تاباں کے پھول
اُف ری وہ روشن جبیں آنکھ جھپکتی نہیں — گر نہ ٹپے نا کہیں جنبشِ مژگاں کے پھول
نرگسِ بیمار دل دیکھ کے ہے منفعل — چہرۂ خوباں کے تل دیدۂ حیراں کے پھول

نشتر

محمد شریف ——— حیدرآباد کے باشندے اور بڑے اچھے شاعر ہیں،

پھر سے بڑھ کے نہ کیوں چمکے مقدر اپنا — جلوہ دکھلائیں رسول عربی گر اپنا
پھر تو کیا پوچھنا ہے عرصۂ محشر اپنا — مصطفیٰ اپنے ہیں اور خالق اکبر اپنا
اس کی سوتی ہوئی تقدیر جگا دیتی ہیں — جس کو دکھلاتے ہیں حضرت رخ انور اپنا
کب بلائینگے دکن سے ہمیں طیبہ کو حضور! — کب کھلے گا نہیں معلوم مقدر اپنا

نظم

سید علی حیدر ——— نواب حیدر یار جنگ بہادر طبا طبائی ۱۲۷۰ھ میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے، اودھ کے ایک مشہور اور ممتاز گھرانے کے عالم فاضل بزرگ تھے، حیدرآباد کو وطن بنا لیا تھا۔ مئی ۱۹۳۳ء محرم ۱۳۵۲ھ میں حیدرآباد ہی میں انتقال کیا، نظم طبا طبائی، اور صورت تغزل دیوان اور ایک شرح دیوان غالب اور بعض چھوٹی چھوٹی کتابیں یادگار ہیں، نہایت زندہ دل

لطیفہ پسند نیک طینت بزرگ تھے، غزل اور قصیدہ بڑا اچھا کہتے تھے۔
انگریزی نظم کا ترجمہ نظم میں بھی خوب کرتے تھے، ریختی بھی خوب کہتے تھے،

جلے ہیں غیر کیا کیا جب میری خلوت سے وہ نکلے
پریشاں باندھ کر جوڑا دوپٹا اوڑھ کر اُٹھا

کھلے دو پھول نیلوفر کے آنکھیں اُنکی جو کھولیں ستم کیسا کیا شرما کے ہاتھوں سے جو مَل ڈالا
وہ کھلیں کلیاں وہ مہکی پھول دی جلدی شراب وہ ہوا آئی وہ ساقی ابر ترسیدا ہوا
دیکھا نشتر کوئی کاری تو زبانِ منت دیکھا پتھر کوئی بھاری تو وہ احسان دیکھا

نظم

ٹھاکر پرشاد ـــــــ حیدرآباد کے شرفا سے اور تائب لکھنوی کے شاگرد تھے شعر بڑے اچھے کہتے تھے،

کسی پر ہو گیا جب سے فدا دل نہیں قابو میں ہے میرے مرا دل
جب اسکا اور میرا مل گیا دل عدو کا رشک سے ٹکڑے ہوا دل
رہوں محو تماشائے حقیقت الٰہی کر دے تو ایسا مرا دل
کبھی لیتے کبھی دیتے ہیں واپس کھلونا بن گیا ان کو مرا دل

نظمی

میر نظام الدین علیخاں ـــــــ نواب احتشام جنگ بہادر کے پوتے اور صاحبزادوں میں سے ہیں، اردو و فارسی کی تعلیم پائی ہے چھبیس سال

کی عمر ہے شعر بڑے اچھے کہتے ہیں،

افسوس دل لگا کے ہم اس سنگدل کیساتھ بیٹھے بٹھائے ہوگئے بدنام چار میں
آپ کے عشق نے پابند کیا ہی مجھ کو میں تو اب تک کسی آفت میں گرفتار نہ تھا
خط پہ خط میرے نام آتے ہیں روز ان کے پیام آتے ہیں
دوست دنیا میں ہیں وہی نظمی جو مصیبت میں کام آتے ہیں

نواز

نوازش حسین ——— ۱۳۳۲ھ میں تولد ہوئے حیدر آباد ہی میں تعلیم و تربیت پائی، شعر بڑے اچھے کہتے ہیں اُستاد خلیل سے مشورہ کرتے ہیں نسبت بڑی اچھی پائی ہے، راقم الحروف کے کرم فرما اور دوست ہیں،

نواز یہ بھی ہے عجب ملبل ریاض وفا یہی ہیں تذکرے لیل و نہار پھولوں میں
کیوں کا کہنا نہ رہا دکا حصہ ہنسا مگر دن مصیبت کے بتاؤ کوئی کیونکر کاٹے
بچتے ہیں پھول سب کے گریباں ہیں چاک چاک کیسا پڑا ہے ہاتھ نسیم بہار کا
جی رہا ہوں اسی تمنا میں کبھی پوچھوگے مدعا کیا ہے
چال ان کی ہے ایسی مستانہ جیسے پی کر کوئی شراب چلے
غیر کے گھر وہ مجھ سے شرما کر رُخ پہ ڈالے ہوئے نقاب چلے
کیا ماجرائے غم ہو بیاں انکے سامنے سب حال جانتے ہیں مگر بولتے نہیں
خالی ظروف ہی سے صدا آتی ہے نواز سفلوں کے آگے اہلِ ہنر بولتے نہیں



نوازش حسین ۔ نوازؔ

نور

نور الحق ـ ــــــــ حیدر آباد کے رہنے والے ہیں خوب شعر کہتے ہیں،

جوبلی آئی ہے رنگ اپنا جمانے کیلئے
باغِ عالم میں گل عیش کھلانے کیلئے

تہنیت لب پہ ہی پھرتی ہی نسیم سحری
شادمانِ درِ شاہی کو سنانے کیلئے

مشتری زہرہ بھی باساز طرب آئی ہیں
شادیانے درِ دولت پہ بجانے کیلئے

میر عثمان علیخاں سے ہی شانِ اسلام
قابلِ فخر یہ ہستی ہے زمانے کیلئے

نور

محمد شاہ نور خاں ــــــــ نقشبندیہ گھرانے سے اور حیدر آباد کے رہنے والے ہیں شعر بھی خوب کہتے ہیں،

حضور آصف سابع ہیں ہم پر مہرباں کیا کیا
تہِ دل سے دعا دیتا ہی ہر پیر و جواں کیا کیا

ترو تازہ تجھی سے گلشنِ اسلام ہی شاہا!
تجھی سے فیض کے چشمے ہوئے ہر سو رواں کیا کیا

نہ بھولیں گے قیامت تک تری ذرہ نوازی کو
ہمارے حال پر ہیں تیرے لطف بیکراں کیا کیا

ادا کیا مجھ سے مدحت ہو تری اے آصفِ سابع
ترے اوصاف عالی کو کرے کوئی بیاں کیا کیا

نور

محمد نور الدین خاں ــــــــ حیدر آباد کے قدیم خاندان کے فرد ہیں، شعر بھی خوب کہتے ہیں،

ہمصفیرانِ چمن نے ٹھان لی پرواز کی
اب چمن باقی رہے یا آشیاں برباد ہو

خوگر رنج و الم ہوں میں سراپا درد ہوں　　تو ستم سے کام لے یا بر سر بیداد ہو

نور

سید عبدالکریم ——— حیدرآباد کے رہنے والے اور اچھے شاعر ہیں توفیق سے تلمذ تھا،

کہدو اے رہروانِ ملک عدم　　کس قدر دور ہو کہاں ہو تم
کس حکومت کی سرزمین ہی وہ　　نام کیا اس کا ہے جہاں ہو تم
بے ٹھکانا ہو یا ٹھکانا ہے　　ہے مکاں یا کہ بے مکاں ہو تم
یا ہو لطف آشنائے فصلِ بہار　　یا ستم دیدۂ خزاں ہو تم
کیوں خموشی پسند ہے تم کو　　ہے زباں یا کہ بے زباں ہو تم

نوری

نوراللہ محمد ——— حیدرآباد کے رہنے والے اور "مدرسۂ وسطانیہ اردو" کے مدرس اور شاعر ہیں، حال ہی میں ایک کتاب "داغ" شائع کی ہے،

بلند میکدے میں ہے صدائے ناو نوش　　ہے کوئی بیخود و سرشار اور کوئی مدہوش
پیلا دے وہ مے دیرینہ اے مرے ساقی　　فسردہ طبع میں پیدا ہو جس سے جوش و خروش

نہار

سید محمد علی ——— حیدرآباد کے رہنے والے اور اچھے شاعر ہیں،

ساقیا تیری مہربانی سے　　مست ہوں جام ارغوانی سے

چشمِ تر نے یہ فیض بخشی کی — آگ دل کی بجھی ہے پانی سے

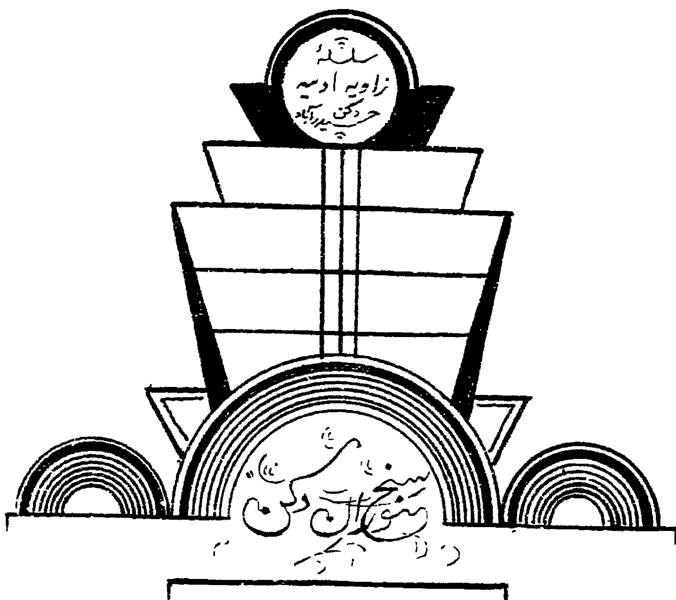
نیساں

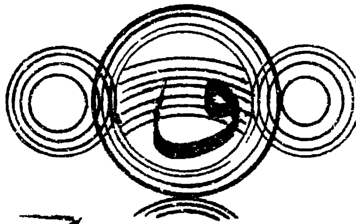
حکیم میر ثامن علی ——— حیدرآباد کے رہنے والے اور اچھے شاعر ہیں'

زہر دیدو تم اسے آج دوا سے پہلے — کام بیمار کا آخر ہو شفا سے پہلے

جتنا جی چاہے ستم بعد میں تم ڈھا لینا — دل تو لے لو مری جاں ناز و ادا سے پہلے

ہاتھ آئے رہ اگر نکلے تمنا دل کی — جستجو مجھ کو اثر کی ہے دعا سے پہلے





واثق

ارشاد حسین ــــــ حیدرآباد کے اچھے شعراء میں سے ہیں اکثر مشاعروں میں پڑھتے ہیں، شعر خوب کہتے ہیں،

دیکھ لے آج پلا کر مجھے مے اے ساقی ذرۂ خاک کا خورشید درخشاں ہونا
مجھکو لینا ہی پڑا خون کا دعویٰ واپس حشر تھا حشر میں قاتل کا پشیماں ہونا

وارث

عبدالوارث خاں ــــــ موروثی بخشی گیری کی خدمت سے سرفراز اور استاد داغ کے شاگرد ہیں، شعر بہت اچھے کہتے ہیں،

شعاع مہر سے رنگ اسکا ہوگیا کالا جو رخ پہ بکھری رہی زلف عنبریں برسوں
سمجھا زاہد نے بھی محراب عبادت اسکو سجدہ گہ بنگیا پر تو تیری انگڑائی کا
کردیا میری نگاہوں میں زمانہ تاریک منہ ہو کالا کہیں یارب شب تنہائی کا



واصل

صاحبزادہ میر قادر علیخاں ـــــــ نواب صلابت جنگ بہادر کی اولاد سے اور محکمۂ مال میں غالباً تحصیلدار ہیں شعر بھی خوب کہتے ہیں،

اسکے مژگاں کے قریں گیسوئے خمدار بھی ہے ٭ پاس جلّاد کے خنجر بھی ہے تلوار بھی ہے

کیسی اللہ کی رحمت ہے یہ مجھ عاصی پر ٭ یار ہے ساقی و بادہ بھی ہے گلزار بھی ہے

واصف

محمد علی ـــــــ حیدرآباد کے رہنے والے اور محکمۂ نظم جمعیت میں صیغہ دار تھے، حفیظ الدین یاس سے تلمذ تھا، ۲۱ آبان ۱۳۴۳ف کو انتقال کیا، بڑے اچھے شاعر تھے۔

زمانہ کا جب داؤں چل جائیگا ٭ غرورِ دو روزہ نکل جائیگا

یہ مہمان ہے آج کل جائیگا ٭ جوانی کا جوبن جو ڈھل جائیگا

حسینوں کا نقشہ بدل جائیگا

واصفی

سید عبد الصمد ـــــــ حیدرآباد کے رہنے والے اور کہنہ مشق شاعر ہیں، اُستاد داغ کے شاگرد ہیں شعر بڑے اچھے کہتے ہیں، پچاس سال سے متجاوز عمر ہے،

سر اپنا کعبہ کے در پہ بھی مدتوں رکھا ٭ بتوں کے در پہ بھی گھستے رہے جبیں برسوں

وہ بیقرار ہوں مجھکو کرینگے دفن جہاں ۔۔۔ تو زلزلے میں ہیگی وہ سرزمیں برسوں
لیکے تم جسکو ملا کرتے ہو بیدردی سے ۔۔۔ وہ نہیں غنچۂ گل، دل ہے تمنائی کا
وقت مینوشی ہمارے کام میں تھے دونوں ہاتھ ۔۔۔ دست ساقی ایک میں اور ایک میں پیمانہ تھا

واقف

داؤد علیخاں ـــــــ حیدرآباد کے شرفا اور قدما سے ہیں بڑے کہنہ مشق اور اچھے شاعر ہیں، شعر خوب کہتے ہیں،

گل شمع شبستاں کو ہوا کرکے چلی ہے ۔۔۔ زخم دلِ سوزاں کو ہرا کرکے چلی ہے
چھوڑا یہ نیا بادِ بہاری نے شگوفہ ۔۔۔ دامن سے گریباں کو جدا کرکے چلی ہے
سرمایۂ نازش ہو نہ کیوں یاد تمہاری ۔۔۔ صد شکر کہ ایمان کو بنا کرکے چلی ہے
اک خنجر بیداد ہے یا بادِ خزاں ہے ۔۔۔ نقش گل ریحاں کو فنا کرکے چلی ہے

وجد

سکندر علی ـــــــ حیدرآباد کے رہنے والے جامعہ عثمانیہ کے بی۔اے ہیں شعر خوب کہتے ہیں، طبیعت بڑی اچھی پائی ہے۔

مطلب میری رونے کا جو پا جائے ستم ہو ۔۔۔ وہ شوخ جو ایسے میں چلا آئے ستم ہے
دنیائے محبت میں پرستار محبت ۔۔۔ ناکردہ گناہوں کی سزا پائے ستم ہے
ہر حال میں اک آفتِ جاں ہے وہ ستمگر ۔۔۔ آئے تو غضب اور نہ آئے تو ستم ہے
نگاہوں میں دل میں سمائے چلا جا ۔۔۔ یونہی میری ہستی پہ چھائے چلا جا

زمانے پہ پھر بے خودی چھا رہی ہے — خودی کا ترانہ سنائے چلا جا
ہے ذوقِ نظر معرضِ گفتگو میں — ذرا رخ سے آنچل ہٹائے چلا جا
ابھی زندگی کے ہیں کچھ سانس باقی — چراغِ سحر جھلملائے چلا جا
تری ضو سے ہے ہستیٔ وحیدؔ روشن — مرے داغ دل جگمگائے چلا جا

وجودی

سید بادشاہ محی الدین قادری ——— حیدرآباد کے قدما اور شرفا سے ہیں قادریہ گھرانے کے بزرگ اور شمسیہ گھرانے سے صاحب خرقہ و خلافت ہیں

یہی اسکی ہے بقا تجھ میں فنا ہو جانا — ورنہ دشوار ہے بندے کا خدا ہو جانا
یونہی تقدیر تھی قسمت کا لکھا ہو جانا — آنکھ کی طرح سے ملتے ہی جدا ہو جانا
زندگی ہے تو قیامت بھی کوئی دور نہیں — دیکھ لیں گے ترے وعدہ کا وفا ہو جانا
ذوق دیوانگیٔ جوش جنوں کیا کہنا — جان دینے کو سمجھتا ہوں رہا ہو جانا

وحید

سید وحید اللہ قادری ——— ۱۳۱۹ھ میں پیدا ہوئے، تلنگنڈہ کے رہنے والے سررشتۂ تعلیمات سرکار عالی سے ملازمتی تعلق ہے حضرت توفیق مرحوم سے تلمذ تھا۔ شعر اچھے کہتے ہیں

آنکھ ساغر سے مری جاب لڑاتے کیوں ہو — بجلیاں ہوش پہ رندوں کے گراتے کیوں ہو
رکھ کے سینہ پہ مرے دستِ حنائی اپنا — آگ جذبات کی دنیا میں لگاتے کیوں ہو

تم نے جو آرزو کا میری خون کر دیا رنگین اور شوق کا مضمون کر دیا
ملحوظ رکھ کے ذوق کو قلب شہید کے اک لالہ زار میں اسے مدفون کر دیا

وحید

محمد عبد الوحید ـــــ محمد عبد الغفور صاحب مرحوم کے فرزند شریف اور باعزت گھرانے سے ہیں حیدرآباد ہی میں پیدا ہوئے اور تعلیم و تربیت پائی فارسی اردو دونوں زبانوں میں شعر خوب کہتے ہیں، دفتر دیوانی کے منتظم ہیں فارسی میں قدسی تخلص کرتے ہیں،

عشق میں رنج و الم پیہم رہے عمر بھر ہم مبتلائے غم رہے
اور کیا یہ کشتۂ تیغ جفا لیجائیں گے شکوۂ جور بتاں پیش خدا لیجائیں گے
چشم پرخوں آہ سوزاں دل طپاں داغ فراق اور کیا دنیا سے تیرے مبتلا لیجائیں گے
عشق کا سب سے نرالا ڈھنگ ہے آہ یہی جوش جنوں کا رنگ ہے

وحید

خواجہ محمد وحید الدین خاں ـــــ حیدرآباد کے قدیم اور شریف گھرانے سے ہیں محکمۂ آبکاری کے انسپکٹر ہیں، خوب شعر کہتے ہیں،

منتظر ہم بھی تھے اسدن کے خدا دکھلایا شہ کی ہی سالگرہ جشن کا دربار بھی ہے
دیکھئے منزل مقصود کو پہونچوں کیونکر آبلہ پا بھی ہوں اور راستہ پرخار بھی ہے



وفاؔ

رکن الدین احمد ——— نواب عزیز جنگ بہادر ولاؔ مرحوم کے صاحبزادے اور مددگار صدر محاسب سرکار عالی ہیں، شعر بھی خوب کہتے ہیں، نہایت زندہ دل خوش خلق نیک نفس جوان العمر شاعر ہیں۔

کس شان سے آئی ہی بہار ا بکے دکن میں — رنگ اور ہی آتا ہی نظر آج چمن میں
یہ جوبلی کا جشن منانا ہو مبارک — جس سے ہے خوشی عید کی ہر سمت وطن میں
چشمے تیری فیاضی کے کس جا نہیں جاری — ایران میں توران میں اور شام و یمن میں
ہیں مثل مہ و خور ترے اوصاف درخشاں — تو آنکھ کا تارا ہے سلاطین زمن میں

وفاؔ

غلام محمد انصاری ——— مولوی غلام محمود انصاری کے فرزند ہیں آپ کے اجداد شاہان عادل شاہیہ کے متوسل تھے، ابتداً آپ کے دادا حیدرآباد تشریف لائے اور بحل جمعدارسند ہی کے پاس نائب تحصیلدار مقرر ہوئے، آپ کے والد عالم و فاضل اور نہایت اچھے خطاط تھے جن کے سینکڑوں شاگرد تھے، آپ کی ولادت حیدرآباد ہی میں ہوئی اپنے والد ہی سے عربی اور فارسی کی تعلیم پائی اور خطاطی سیکھی، بچپن ہی سے شعر و سخن اور کاپی نویسی کا شوق تھا احمد علی صاحب کاتب مطبع مفید دکن اور مولوی سید احمد انور خوش نویس معتمدی فینانس سے اس فن کو سیکھا اور مختلف مطبعوں میں کام کرنے کے بعد

تاج پریس کے نام سے اپنا ذاتی مطبع قایم کرلیا جو اب تک کامیابی سے چل رہا ہے، حیدرآباد میں فائن آرٹ پرنٹنگ اور لیتھو کی رنگین تصویروں کی ابتدا آپ ہی نے کی اور لکھائی چھپائی کا ایک ذوق پیدا کر دیا، بیدار گزٹ اور عثمان گزٹ کی ادارت بھی مدت تک کی کئی ایک اسٹیج کے ڈرامے لکھے جو بہت کامیاب اور مقبول ہوئے آجکل ایک دکنی محاورات کا لغات مرتب کر رہے ہیں، رسالہ تاج دو دفعہ جاری کیا اور بڑی محنت وعمدگی سے چلایا مگر دونوں دفعہ بھی خاصا نقصان برداشت کرنا پڑا۔

ابتداً نظم کہتے تھے مگر بعد میں غزل گوئی شروع کی اور اب رباعی پر اُتر آئے ہیں رشید کے رنگ کی رباعیاں بڑی اچھی کہتے ہیں جملہ اصناف سخن پر عبور ہے ذکاہیہ بھی خوب کہتے ہیں پختہ مشق طبیعت دار، زندہ دل، یار باش، شاعر ہیں۔ راقم الحروف سے بھی خلوص ہے، ابتداً برتر غازی پوری سے اصلاح لیتے رہے پھر ذہین مرحوم سے مشورہ کرتے تھے اب بطور خود کہتے ہیں چند شعر اور دو ایک رباعیاں نقل کی جاتی ہیں،

نظر جب بت پُر جفا آگیا ۔۔۔ مجھے یاد میرا خدا آگیا

درد دل چارہ ساز کیا جانیں ۔۔۔ مری آہوں کا راز کیا جانیں

مرتبہ کیا ہے خاکسار دل کا ۔۔۔ اس کو گردن فراز کیا جانیں

ستمگر کو تو اب توفیق ایسی دے خداوندا ۔۔۔ وہ مجھپر رحم کرنے کیلئے مجبور ہو جائے

یہی آب و ہوائے خاک ہندوستاں سے ظاہر کہ جتنا ضبط کرتے جلیئے تولید ہوتی ہے

برباد شباب ہو چکا ہونے دو پیری نے مجھے لوٹ لیا رونے دو
اے ہچکیو! تھم جاؤ قضا آتی ہے کیوں مجھ کو ستاتی ہو ذرا سونے دو

عالم تھا جوانی کا بہت بھاگ گئے ہیں ہم سب سے گنا ہوں میں بہت آگے ہیں
اب تھک گئے ہیں سنبھال ہمکو پیری سو جائیں گے چل! رات بہت جاگے ہیں

وفا

حبیب اللہ ــــــ حضرت ذکا مرحوم (جو غالب کے شاگرد تھے) کے نواسے اور پرجوش شاعر، کسی مدرسہ کے مدرس ہیں، غزل اور نظم دونوں خوب کہتے ہیں،

ماہرانِ فنِ تعلیمی بڑی مشکل میں ہیں لا نہیں سکتے زبان پر راز جو کچھ دل میں ہیں
گوشۂ مغرب میں لیلیٰ علم کی ہے جلوہ گر سوئے مشرق ہم تلاشِ پردۂ محمل میں ہیں
حالیہ تعلیم سے تبدیل فطرت ہو گئی وہ کہاں جذبات قدرت جو دل جاہل میں ہیں
پڑھنے والوں کو شکایت، نوکری ملتی نہیں زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں کس مشکل میں ہیں

وفا

صدیق الزماں ــــــ حضرت امیر مینائی کے نواسے اور عالم و فاضل بزرگ ہیں آجکل مہتمم شعبہ سرکار عالی ہیں شعر خوب کہتے ہیں،

گل شمع لحد کو جو صبا کر کے چلی ہے گلپوش مزار شہدا کر کے چلی ہے

ہر گام پہ ساقی مئے گلگوں کی صراحی — اک سجدۂ شکرانہ ادا کرکے چلی ہے
اللہ رے اس چشم سخن گو کے کرشمے — مطلب کو اشاروں میں ادا کرکے چلی ہے
صیاد بڑا کام کیا تیری چھری نے — بلبل کو اسیری سے رہا کرکے چلی ہے

وفا

صالح بن عمر ——— اورنگ آباد کے رہنے والے اور عرب خاندان سے تھے شعر خوب کہتے تھے پیوستہ سال عین شباب میں انتقال کیا،

خانہ ویرانیاں مری مت پوچھ — شکر پروردگار ہے پیارے
درد دل میں تیری محبت کا — کس قدر خوشگوار ہے پیارے
دل عبث بیقرار ہے پیارے — تجھ پہ کیا اختیار ہے پیارے
جانتا ہوں حقیقت غم ہجر — یہ میرا اعتبار ہے پیارے
ترا عشق! اور اسقدر درد ہلکا — ذرا غم کی لو کو بڑھانا پڑے گا
ڈبو دے نہ اشک ندامت جہاں کو — یہ سیلاب الٹا بہانا پڑے گا

وفا

عمر خاں ——— نواب برق الدولہ برق جنگ کے فرزند اور بڑے اچھے شاعر تھے، نظم و نثر بڑی اچھی لکھتے تھے علمی، ادبی، انہماک بہت تھا، عین جوانی میں انتقال کیا، دو تین کتابیں اور ایک دیوان یادگار ہے۔

عید کے روز وہ ملتے ہیں مگر ہائے نصیب — ہم ہی ملتے نہیں گلے غیر ہی آ ملتا ہے

دست بردار ہوئے چاہ سے کہکر غم دل — آپ ہی دیئے ہم اسکو بھی رلا کے اٹھے

نگاہِ حق نگر کی شیخ عینک ہے مئے گلگوں — طبیعت خودبخود نشہ والی ہوتی جاتی ہے

پیالے پیکرے ہیں آج دور جام چلتا ہے — صراحی دسبدم رندوں کی خالی ہوتی جاتی ہے

وفا

میر ولایت علی ——— حیدرآباد کے شرفا سے ہیں، فریضۂ حج بھی ادا کر چکے ہیں نہایت کامیاب وکیل اور اچھے شاعر ہیں،

زندگی چین سے گزرتی ہے — شہ عثماں کی حکمرانی سے

محو حیرت ہے آج سب عالم — جس کے اخلاق و دلستانی سے

شاد و خرم خدا رکھے برسوں — عمر و دولت سے زندگانی سے

مہرباں ہیں وفاؔ پہ اہلِ جہاں — شہ کے الطاف خسروانی سے

وقار

کاظم علیخاں ——— نواب صادق جنگ بہادر مرحوم کے فرزند اور بڑے اچھے شاعر ہیں،

دل بتوں پر آگیا ہے یاد تیری فرض ہے — سخت حیران ہوں کہ یارب ایک میں کیا کیا کروں

مقتضا تسلیم کا شیوہ وفا کا ہے یہی — تم مجھے چاہو نہ چاہو میں تمہیں چاہا کروں

اس درد کی ناممکن ہے دوا آکے ہراک کا کہہ جانا
بیمار محبت کا اُن کے مُنہ دیکھنا اور چپ رہ جانا
کیا حالِ وقار آخر دیکھا، اے عیسیٰ دوراں یہ کیا تھا
چادر کو اٹھا کر منہ تکنا اور تھام کے دل کو رہ جانا

وکیل

سید عبد القادر ـــــــ حیدرآباد کے مشہور رضوی خاندان سے او
وکیل ہیں ظریفانہ رنگ میں شعر خوب کہتے ہیں،

کیا خاک اب جوارشِ سقراط کام دے | پیشنٹ کوئی چاہیئے غم کی دوا مجھے
روزے نماز کی تو پرانی ہے ہسٹری | واعظ شراب خانے کے قصے سنا مجھے
کہتا ہوں جی ہی جی میں فلمِ اُنکا دیکھکر | ایسا تماشا پھر نہ دکھائے خدا مجھے
یہ انفلوئنس کا ہے اثر مانتا ہوں میں | جو پست تھا بلند نظر آگیا مجھے

وکیل

عنایت حسین ـــــــ حیدرآباد کے رہنے والے اور نظامت
امور مذہبی کے صیغہ دار ہیں اور شاعر بھی،

دل لگا کر میں یار جانی سے | ہاتھ دھو بیٹھا زندگانی سے
گھر مرا آج رشک جنت ہے | کسی گلرو کی میہمانی سے
ناز اٹھائیگا پھر تمہارے کون | ہم تو جاتے ہیں دارِ فانی سے

وِلاؔ

عبدالعزیز ——— شمس العلماء خان بہادر عزیز جنگ خطاب تھا، نائطہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے قلم سے ایک درجن سے زائد کتابیں نکل چکی ہیں، فارغ التحصیل اور عالم بزرگ تھے، ایک کلیات اور ایک سراپا "سراپائے نور" کے نام سے طبع ہو چکا ہے۔ دس سال ہوئے کہ انتقال کیا،

خوشنویسی کے قلمرو میں ہیں کاتب حاکم — دفترِ نقل میں تصحیف کو ضم کرتے ہیں
نقل مسودۂ تحریر میں ہے انکو کمال — نقشِ تحریف سے تزئین رقم کرتے ہیں
سنگ سازانِ مطابع پہ پڑیں گے پتھر — کہیں لفظوں کو زیادہ کہیں کم کرتے ہیں
کسرِ شان اپنی سمجھتے ہیں اضافت کو مدام — لفظ کو زیر و زبر جزم کو ضم کرتے ہیں





ہاتف

عاشق حسین خاں ــــــــ حیدر آباد کے رہنے والے، یونانی طبیب اور حاجی تھے، حضرت آغا داؤد سے بیعت تھی، اپنے گھر پر مطب کرتے تھے نہایت شریف اور قابل بزرگ تھے، چند سال ہوئے کہ انتقال کیا، دیوان اور کئی مجموعے طبع ہو چکے ہیں،

"مرقع پیری" کے نام سے ایک مثنوی بھی ۱۳۲۸ھ میں طبع ہو چکی ہے۔ آپ کے ایک صاحبزادے حکیم خواجہ شفیع حسن خاں موجود ہیں جو شرر تخلص کرتے ہیں،

جو تھا طفل وہ نوجواں ہو گیا — بہارِ گل گلستاں ہو گیا
جوانی سے خوبی ہے انسان کی — جوانی نگہبان ہے جان کی
سماعت۔ بصارت جوانی سے ہے — کمالِ شجاعت جوانی سے ہے

جوانی بلا ہے جوانی غضب جوانی خوشی ہے جوانی طرب

ہاشمی

سید ہاشمی فرید آبادی ـــــــ یو پی کے شریف اور اہل علم گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں، ابتداً حیدرآباد آ کر دارالترجمہ کے رکن ہوئے اور اب مددگار معتمد عدالت و کوتوالی امور عامہ ہیں، نظمیں خوب کہتے ہیں، تاریخ دکن کے مولف اور اکثر کتابوں کے مترجم ہیں،

زندگی فطرت میں اپنی زینتِ جاوید ہے
کہنگی خود کہنہ تر کی کوششِ تجدید ہے

مستیٔ دل اس طرح کرتی ہے خارج میں ظہور
ہر قدم پر وجد ہے ہر سانس میں اک عید ہے

جو صدا سنتا ہوں بن جاتی ہے ذوقِ سامعہ
آنکھ پڑتی ہے جدھر سامانِ عیشِ دید ہے

ناگہاں ماہِ رجب چمکا افق پر اب کھلا
ہمنشیں یہ سب طلسم لمحۂ امید ہے

ہرمز

شیخ ہرمز ـــــــ عرب خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، جمعیت نظام محبوب میں ملازم ہیں کہنہ مشق اور حیدرآباد کے مقبول و مشہور

شاعر ہیں،

سرِ بام آ کہ خلقت کا تماشا ہو ہی جاتا ہے
بر آمد وہ جہاں ہوتے ہیں میلا ہو ہی جاتا ہے
بہارِ باغ ہے ساقی ہے اور گلرو ہے پہلو میں
نصیب اچھا ہے تو سب کام اچھا ہو ہی جاتا ہے

نالہ ہائے دلِ بیمار نے سونے نہ دیا — جاگنے سے ہوئے بیزار محلّے والے
میری زنجیر کی جھنکار نے سونے نہ دیا — قید خانہ میں ہوئی نیند اسیروں کی اچاٹ

جب محمدؐ کو ہوئے پورے برس اکا ون
شوق خالق کو ہوا دیکھنے جمال روشن

ہوا جبریل کو یہ حکمِ خداوندِ زمن
لے کے جا جلد براق اب تو سوئے جانِ حسنؑ

اور کہنا کہ ہیں آراستہ جنت کے چمن
چلکے بھر لو گلِ مقصود سے اپنا دامن

آئے جبریل محمدؐ کا جہاں تھا مسکن
عرض کرنے لگے قدمو نپہ جھکا کر گردن

پیارے نبی تورے دیکھن کو جیا للچائے



ہلال

محمد محی الدین اکبری ـــــ حیدر آباد کے رہنے والے اور اچھے شاعر ہیں،

آئے حنا کا رنگ نہ خونِ وفا کے بعد　　سو بار اگر لگائیں حنا وہ حنا کے بعد
اظہار شوقِ دید یہ پردے سے یوں کہا　　کچھ اور ہوگی آرزو اس مدعا کے بعد

رباعی

عادی ہوں میں اللہ خطا کوشی کا　　خوگر ہوں میں احسان فراموشی کا
عصیاں کی سیاہی مری دل سے دھوئے　　ہاں واسطہ کعبہ کی سیہ پوشی کا

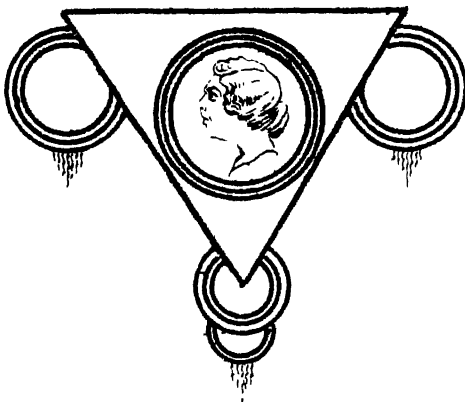
ہوش

سید ناظر الحسن بلگرامی ـــــ سادات بلگرام سے اور بہت قابل بزرگ ہیں، بلگرام میں تولد ہوئے وہیں تعلیم پائی نواب عماد الملک کی تربیت نے طبیعت کے جوہر نکھار دئے ۱۹۱۵ء میں حیدر آباد سے ایک ماہوار معیاری رسالہ ذخیرہ کے نام سے نہایت عمدگی سے نکالا جو ایک مدت تک کامیابی سے نکلتا رہا، اب معتمدی افواج سرکار عالی کے مددگار ہیں،

نہایت بامذاق، زندہ دل، مرنجان مرنج، سادہ مزاج آشنا پرست اور دوست نواز بزرگ ہیں نظم و نثر خوب لکھتے ہیں۔ آپ کی ایک کتاب "بدیہہ گوئی" اور ایک مجموعۂ مضامین "عروس ادب" طبع ہو چکا ہے

شعر کم کہتے ہیں مگر خوب کہتے ہیں‘

جو عاشقی میں محبت کا حق ادا نکرے — اسے وصال صنم ہو کبھی خدا نہ کرے
میں جانتا ہوں کہ تیغ انکی خوبصورت ہے — گلے کا ہار بناؤں اگر دغا نہ کرے
وہ قتل کرکے مجھے آج سب سے کہتے ہیں — کیا وہ کام ادا نے کہ جو قضا نہ کرے
لکھا خط میں یہ اسنے کہ جو مجھے چاہے — جفا کی قدر کرے شکوۂ جفا نہ کرے
ہزار بار ستاؤ مجھے نہیں پروا — کروں میں شکوۂ جور و جفا خدا نہ کرے
نکال پردے سے ظالم نہ دستِ رنگیں کو — کسی کا خون ترے ہاتھ کی حنا نہ کرے
وصال یار کی امید گر نہ ہو لے ہوش — تو ہجر میں کوئی مر مر کے پھر جیا نہ کرے





یزدانی

محمود علی ـــــــ مولوی کامل، منشی فاضل کامیاب اور مدرسہ وسطانیہ بیڑ کے مدرس ہیں شعر بھی اچھے کہتے ہیں، حیدر آباد ہی کے رہنے والے ہیں،

پائی حیات تو لب نوشین یار سے ۔۔۔ کیا اور چاہیئے ہمیں آب بقا کے بعد

مرنے کے بعد قبر پہ آیا وہ بے وفا ۔۔۔ آیا اثر دعا میں ہماری فنا کے بعد

دُنیا میں عافیت کی ہمیں سوجھتی نہیں ۔۔۔ بیکار ہی کھلیں بھی جو آنکھیں فنا کے بعد

یٰسین

غلام یٰسین خاں ـــــــ ۲ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ کو حیدر آباد میں تولد ہوئے نظم جمعیت کے جمعدار ہیں، مولوی عالم اور جوڈیشل کا امتحان کامیاب کیا ہے۔ صاحب تالیف و تصنیف ہیں شعر بڑے اچھے کہتے ہیں،

جوشِ دریا کا حباب ناتواں حائل نہیں ۔۔۔ موجِ طوفاں آشنا منت کشِ ساحل نہیں

کس طرح سرِ نہانِ روحِ انسانی کھلے جب شناسائی نبضِ جستجو حاصل نہیں
ہو رہا ہے ہر قدم پر روشناسِ آرزو جادہ پیمائے طلب آسودۂ منزل نہیں
سینکڑوں ذرات یقین ہوتے ہیں پسِ کرفنا کیا فروغ عالم ہستی کا یہ حاصل نہیں

یقین

سید غوث قادری ——— حیدرآباد کے قدما اور شرفا سے ہیں حضرت تسلی کے ہمشیر زادے اور پائیگاہ سر آسمان جاہ بہادر میں موعود الخدمت تحصیلداری ہیں، منشی فاضل کامیاب کیا ہے، حکیم بہبود علی صفی کے شاگرد ہیں، شعر اچھے کہتے ہیں،

بعد مرنے کے کھلا راز محبت میرا بیع تعویذ سے شق ہو گئی تربت میری
ہوش آنے پر ہوا معلوم میں مقروض ہوں جیب میں پائی نہیں ہے پاس اک پیسا نہیں
وہ کوئی اور ہونگے جو تم سے ظاہر یہ مرتے تھے مگر ہم آج تک سچی محبت کے لئے ترسے
نہ نکلی ایک دل کی آرزو لیکن نکل آئے چمن سے پھول آنسو آنکھ سے موتی سمندر سے

یکتا

سید فریدالدین ——— حیدرآباد کے ایک کہنہ مشق شاعر ہیں دس بارہ سال پہلے آپ کا کلام ملک کے رسائل میں طبع ہوتا تھا، معلوم نہیں آجکل کہاں ہیں،

اٹھا کہسار سے کیا جھوم کے کالا بادل برقِ خاطف کا لئے ہاتھ میں تیغا بادل

حدتِ شمس پہ کرنے لگا دھاوا بادل کہیں چمکا کہیں گرجا کہیں برسا بادل

نہر جاری ہوئے تالاب بھی پُر آب ہوئے
کوہ بھی دشت بھی گلزار بھی شاداب ہوئے

ٹھنڈی ٹھنڈی وہ ہوا اور وہ گھنگھور گھٹا ننھی ننھی وہ پھواریں وہ سما بارش کا
دیکھتے ہی دلِ رندانِ ازل لوٹ گیا یوں لگے کہنے عبث آج ہی فکرِ فردا

تند و پُر شور سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

کیاریوں میں گل خوش رنگ کا تختہ ہی کھلا کہیں جوہی کہیں شبو ہے کہیں ہے بیلا
گل صد برگ کہیں اور کہیں ہے لالا کہیں سوسن کہیں چمپا ہی کہیں ہے کیوڑا

تو بہ تڑواتی ہیں نرگس کی نشیلی آنکھیں
سحر کرتی ہیں اشاروں میں رسیلی آنکھیں

یوسف

نواب یوسف علیخاں ـــــــ حیدرآباد کے جاگیردار اور اچھے شعر کہنے والے ہیں،

لطفِ وفا ملیگا نہ اہلِ وفا کے بعد پچتاؤگے تم اپنی جفا پر جفا کے بعد
بنیا بیاں نہ پوچھئے اس نا امید کی ہے جس کو انتظار اثر کا دعا کے بعد
حالت مریضِ دردِ محبت کی چارہ گر پہلے دوا کے ٹھیک تھی بگڑی دوا کے بعد

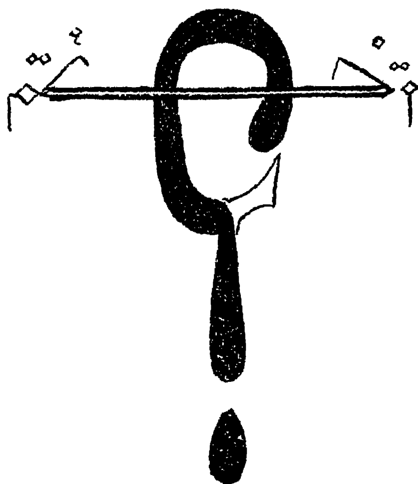
آتے لحد پہ فاتحہ پڑھتے چڑھاتے پھول | یہ بھی نہ ان سے ہو سکا میری قضا کے بعد

یوسف

یوسف علی ــــــ منصب دار اور کسی تعلقہ پر سب رجسٹرار ہیں نہایت اچھے شعر کہتے ہیں جوان عمر شاعر ہیں

آسانیاں ہیں منزل صبر و رضا کے بعد | صبح وصال آتی ہی شام بلا کے بعد

اب وہ خود مجھ سے گلہ کرتے ہیں خاموشی کا | بات جو کرتے نہ تھے شرم و حیا سے پہلے




ادارۂ ادبیات اردو
حیدرآباد دکن